

ابو عبد الله الخليلي

كتاب

البيان









- نام کتاب \_\_\_\_\_ مقامات صوفیاء
- کتاب فارسی \_\_\_\_\_ اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید
- تالیف \_\_\_\_\_ محمد بن ابی سعد بن ابی طاہر بن ابی النخیر مینہی
- ترتیب و ترجمہ \_\_\_\_\_ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی
- مقدمہ \_\_\_\_\_ حضرت علامہ جناب شمس بریلوی بالقابہ
- موضوع \_\_\_\_\_ واقعات و مقامات صوفیہ قدیم
- سال تالیف کتاب \_\_\_\_\_ ۵۹۹ھ
- سال طباعت ترجمہ \_\_\_\_\_ ۱۹۸۵ء / ۱۴۰۶ھ
- طابع \_\_\_\_\_
- ناشر \_\_\_\_\_ مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ - لاہور
- قیمت مجلد \_\_\_\_\_ ۳۹/۰۰ روپے
- کتابت: چوہدری محمد سہیل اشرف کابلوں معصوم گنج لاہور



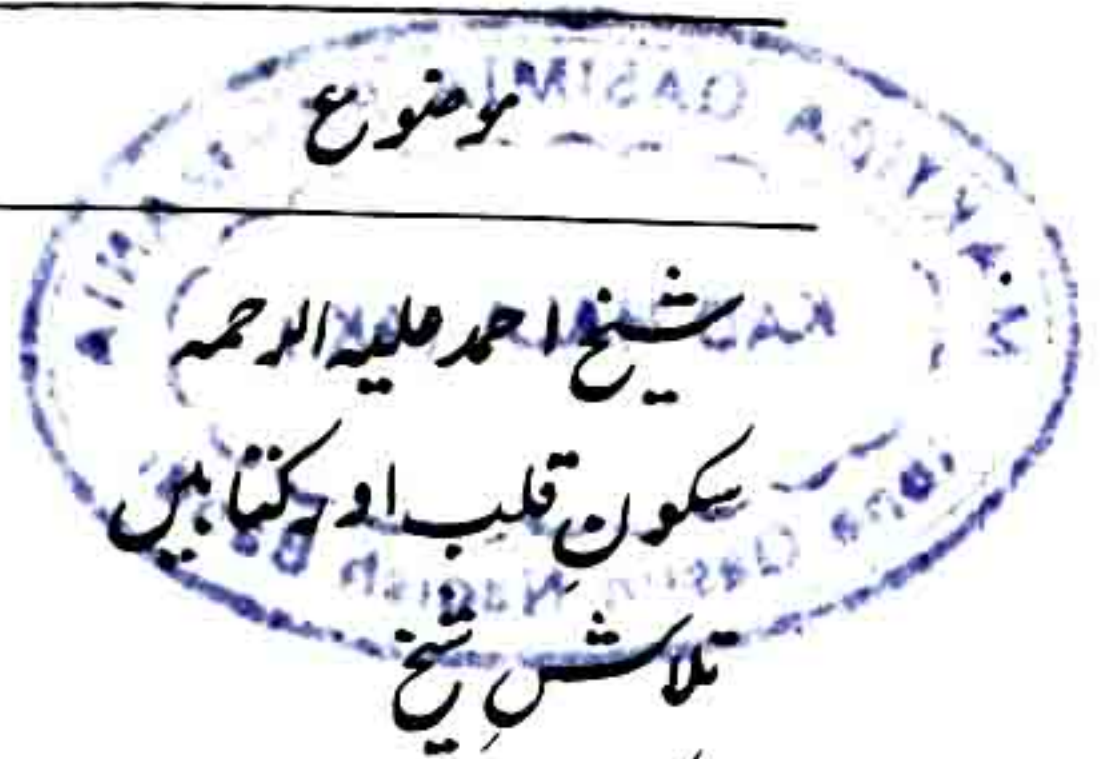


## فہرست موضوعات

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۱۰۲	دھرتی کا احترام	۹	مقدمہ : از حضرت شمس بریلوی
۱۰۳	صوفیہ اور مسلک شافعی	۳۹	قرن چہارم و پنجم کے صوفیاء
۱۰۳	آئینہ اربعہ	۵۸	اسرار توحید کی اہمیت
۱۰۵	نقطہ نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا	۷۵	مقدمہ : از ڈاکٹر فریح اللہ صفاء
۱۰۵	اسم ذات کی جاں نوازیں	۶۸	مقدمہ : از مولف علام
۱۰۶	واد یہائے محبت	۹۴	شیخ ابوسعید کے ابتدائی حالات زندگی
۱۰۸	عشق کی تنہایاں	۹۵	ولادت
۱۱۱	پدر شیخ کے اندیشے اور	۹۷	اقلیم ولایت کی جہان بینی
	عشق کی رازداریاں	۹۸	بندگی و مزدوری میں فرق
۱۱۵	اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۹۹	خدا سے باتیں
۱۱۵	حق عبادت	۱۰۰	تحصیل علوم لغت و فقہ
۱۱۶	عشق کی نیرنگیاں	۱۰۰	فقہی مسلک
۱۱۹	صدیقی اور زندیقی	۱۰۱	مسلک شیخ کی پیروی
۱۲۰	شیخ ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۱	مقام امام ابوحنیفہ
۱۲۲	مقبورہ اولیاء	۱۰۳	سنت نبوی پر عمل کی حیرتناک مثال



صفحہ	موضوع	صفحہ
۱۳۵	برکتِ شیخ	۱۲۳
۱۳۵	عجیب چلہ کشتی	۱۲۳
۱۳۶	مسلمان آزار محتسب	۱۲۸
۱۳۸	وہ دیکھتے ہیں آپ کو پُر دیکھتے نہیں	۱۲۹
۱۵۰	یہودی دامن اسلام میں	۱۳۰
۱۵۷	کعبہ ہر رات طواف کرتا ہے	۱۳۱
۱۵۸	مزار بایزید بسطامی پر	۱۳۱
	خواجہ ابوالحسن فرقانی کی مجلس	۱۳۳
۱۶۵	زر خالص گم ہو گیا	۱۳۴
۱۶۷	نیشاپور سے مینہ تک	۱۳۵
۱۶۹	حضرت شیخ کی نیشاپور سے روانگی	۱۳۶
۱۷۱	یہ صوفی کیسے ہیں؟	۱۳۶
۱۷۱	بے نماز سوراہا تھا۔	۱۳۷
۱۷۲	ہفتم و شنیدیم دیدیم و یا فتم	۱۳۸
۱۷۵	شیخ ابوسعید تین خلال	۱۳۸
۱۷۵	وضو علی الوضوء - نور	۱۴۱
۱۸۲	عراق و خراسان آل سلجوق کے حوالے	۱۴۲
	شیخ کی ایک نگاہ	۱۴۲
۱۸۵	پیر کے مرید اور مرید کے پیر پر حقوق	۱۴۳
۱۸۶	نگاہِ محبت کی اثر انگیزیاں	۱۴۴



صفحہ	موضوع
	تلاشِ شیخ
	مسکلی اختلافات بے بنیاد ہیں
	صد جائے اگر گزرنی رشتہ کیے ست
	خوشی اور غم
	عرفانِ ذات اور الوہیت حق تعالیٰ
	امتحانِ شیخ
	طیبِ حیم کو طبیبِ دل دوامل گئی
	اتباعِ سنت
	اطاعتِ شیخ
	حق دوستی ادا کر دیا
	ابراہیم نیاں کو تو ال نیشاپور
	اخلاق خانقہ ہائی
	سات۔ سات اور سات
	طعمہ ہر مرغ کے انجیر نیست!
	غضبتِ مرید اور بیداری شیخ
	مرید امام اور شیخ مقتدی
	احترام اولیاء
	شوقِ پابوس



صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۲۱۹	خواجہ حسن مودب کی تربیت	۱۸۸	شیخ کی جلسوں لوگوں پر کھلی رہتیں
۲۲۱	اسرار خداوندی کی حفاظت	۱۸۹	شیخ ابوسعید مرو میں
۲۲۱	گھر میں تین چیزوں کا خیال رکھیں	۱۹۱	اہل محبت کی آمد
۲۲۳	مرد کامل کے اوصاف	۱۹۱	نگاہ کا تازیا نہ یا چھماق ترجمانہ
۲۲۳	بخشش کے لئے ایک قدم	۱۹۳	صراف کے سودینار
۲۲۶	لیس فی جتہ سوی اللہ	۱۹۵	قاضی سیفی کا قتل
۲۲۸	وضو کی دعاء	۱۹۶	گندم کے ذخیرے میں برکت
۲۲۸	مازیں دود پاک	۱۹۷	ڈاکوئل کی بستی تائب ہو گئی
۲۲۹	دل کی صفائی	۲۰۰	نظام الملک طوسی خاتقاہ شیخ میں
۲۲۹	خاشہ راہ	۲۰۲	دیواریں جھاڑا کریں
۲۳۰	دنیاوی تحفے	۲۰۳	گر شیر شوی از دست جاں بری
۲۳۱	سادات سے رواداری	۲۰۷	آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف
۲۳۱	شیخ ابوسعید صحیح صوفی تھے۔	۲۰۷	خلق کے ثمرات
۲۳۳	آداب مجلس	۲۰۸	ایک بال دنیا و آخرت محبوب ہے
۲۳۳	صبر و تحمل کی مثال	۲۰۹	بخاری شریف کی آخری حدیث
۲۳۳	شیخ گرجے میں	۲۱۱	قوت برداشت کی تربیت
۲۳۵	گوہر خدمت خلق	۲۱۳	حضرت ابوسعید کی زبانی حکایات
۲۳۵	سورۃ الم نشرح	۲۱۵	اللہ کا راز ہے
۲۳۵	بڑا بزرگ چھوٹا غصہ	۲۱۶	ادب اور راحت رام
۲۳۶	اصلی صوفی	۲۱۷	ابوعلی سینا حضرت شیخ کی مجلس میں

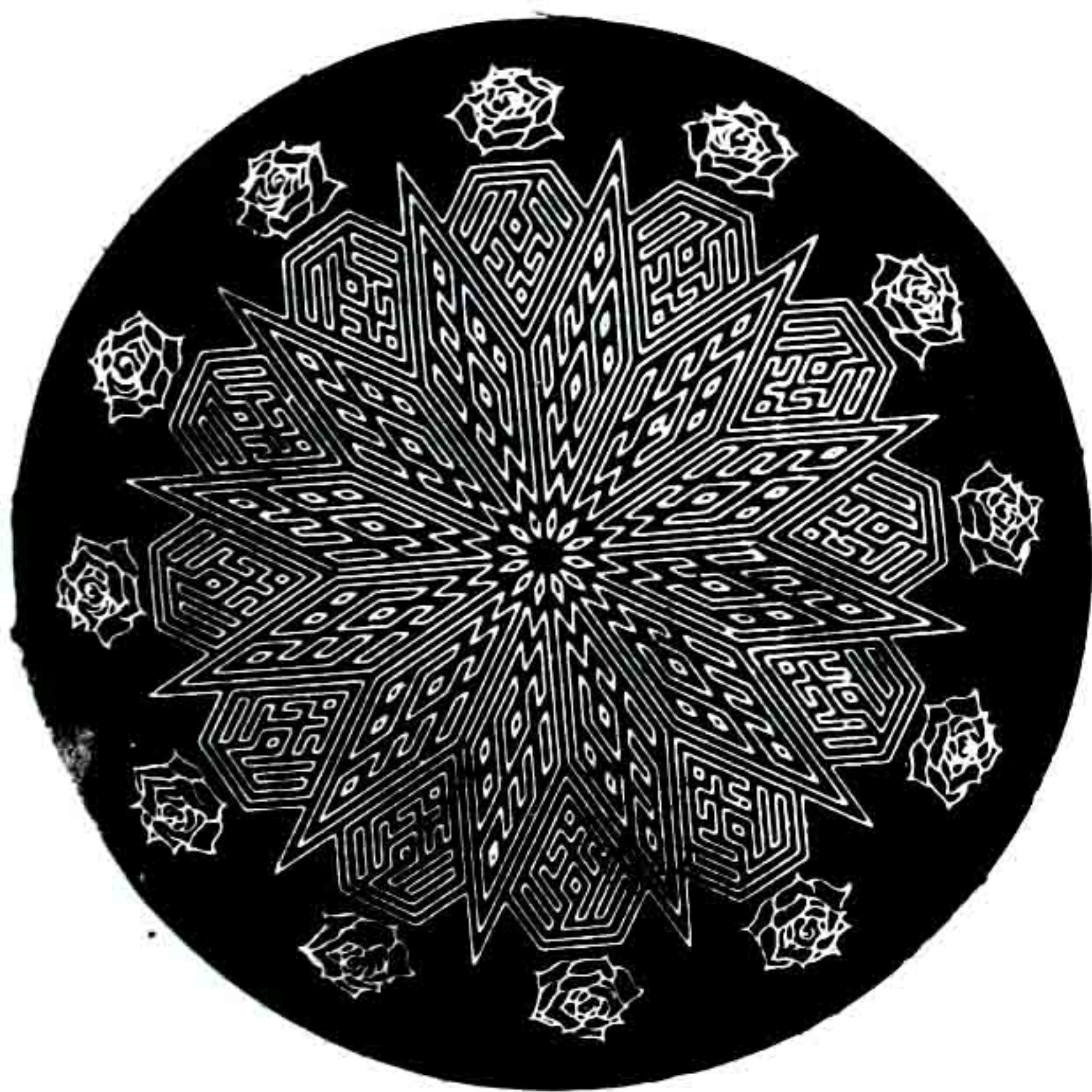


صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۳۰۳	احتمرام مسجد	۲۳۸	ترکمانوں کا حملہ
	ہاتھ اور دل	۲۳۹	دل کی خوشی
۳۰۰	اقوال و گفتار	۲۴۰	از بڑے مصطفیٰ
۳۲۱	دعائیں نیک تمنائیں	۲۴۰	سردار باش
	حضرت خواجہ ابوطاہر قدس سرہ	۲۴۸	غزورِ فرد
۳۲۲	بیان کرتے ہیں	۲۴۸	شاہ سرخس
۳۲۲	دعا نے احزاب	۲۵۱	سفر ہرات
۳۲۴	مکتوبات عالیہ	۲۵۲	آدھے شلغم سے علاج
۳۵۱	حضرت کے پسندیدہ اشعار	۲۵۵	ایک معنیہ
۳۶۰	حضرت کی زندگی کے آخری لمحات	۲۵۶	والی خراسان کی اصلاح
۳۶۸	مرض الموت کے دوراں وصایا	۲۵۷	سلطان طغرل کا بھائی
۳۶۸	احوال حالت نزع	۲۵۸	مارا برکیسہ بندیت باخلق
۳۷۵	کرامات بعد از وصال شیخ قدس سرہ		خدا جنگ نیست
۳۸۲	حضرت شیخ کا گھوڑا	۲۶۳	ملفوظات واقوال
۳۸۲	تربیت مریدین	۲۶۵	حکایات
۳۸۵	امام قشیری مزار شیخ پر	۲۹۵	عمہ کا حجرہ
۳۸۷	مزار شیخ کا تعین	۲۹۶	نیلے مرقعے
۳۸۷	نازنینیاں حق	۲۹۷	مخلوق کو کیوں پیدا کیا
۳۸۸	نظام الملک طوسی	۲۹۹	در ویش کون ہے؟
۳۹۰	خواجہ ابوطاہر کی شیخ سے محبت	۳۰۳	صاحب ہمت



صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۳۹۹	خواجہ ناصر قدس سرہ	۳۹۱	شیخ کا گورکن
۴۰۰	آوازِ دوست	۳۹۲	شیخ ابو فضل شامی
۴۰۰	خوارزم شاہ کا گھوڑا رک گیا	۳۹۲	من ثبِتْ نَبِتْ
۴۰۲	قبر سے قرآن کی آواز	۳۹۳	حج اور زیارت شیخ
۴۰۵	تازہ روٹی	۳۹۴	بانو سلمہ رحمۃ اللہ علیہا
۴۰۶	خاتمۃ الکتاب	۳۹۸	برکات نگاہِ شیخ







# مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

## تصوف

اور

## کتاب اسرار التوحید

نگارش: حضرت شیخ سلیمان بن علی بن ابی طالب

مسک معرفت و طریقت کے لئے ایک جامع اور آسان لفظ "تصوف" عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور یہ صدیوں سے استعمال ہو رہا ہے، مسک معرفت و طریقت کے تمام پہلوؤں پر یہ لفظ حاوی ہے اور دوسری صدی ہجری سے تا ایندم یہ نظریہ محبت الہی اپنے تمام عوامل کے ساتھ جاری و ساری ہے اور اسی طرح موشوع بحث ہی بنا رہا ہے اس پر اسلامی اور غیر اسلامی نظریہ دونوں طرح کو چھاپ لگی ہوئی ہے اور مغربی مفکرین نے اس سلسلہ میں عجیب و غریب موٹکافیاں کی ہیں۔ صدہا صفحات تو محض اس لفظ تصوف کے



اشتراک کے سلسلہ میں رقم کئے جا چکے ہیں اور اس کی اصل و ماہیت کے بارے میں تو مخالف نہ آراء اور خیالات کا ایک طومار مرتب ہو گیا ہے، یہاں اتنا موقع نہیں کہ اب تمام مذاہب و آراء کو پیش کر سکوں، اب یہاں مغربی مفکرین و مستشرقین کی صرف چند آراء کو پیش کرتا ہوں۔

مغربی مفکرین میں گولڈنبرگ "نولڈ" کی اور پروفیسر نکلسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان صاحبان فکرے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور اپنی اپنی تصانیف یا دیگر چھوڑ گئے ہیں۔ ان مستشرقین کی تفسیری آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تصوف بذات خود کوئی مستقل اسلامی نظریہ نہیں ہے بلکہ اس کے تابع اور ماخذ مختلف مکاتب فکر اور مذاہب ہیں یعنی

۱۔ مسیحیت

۲۔ بدھ مت اور ہندومت

۳۔ فلسفہ ایران اور مانویت

پروفیسر نکلسن نے خاص طور پر اس موضوع پر کاوش کی ہے اور ۱۹۱۲ء میں اس موضوع پر اپنی تحقیقات کو "بٹس ازم آف اسلام" کی صورت میں پیش کیا چونکہ وہ اسلامی علوم کا بھرپور مطالعہ نہیں کر سکے تھے اور صرف اپنے پیشرو مغربی مفکرین مستشرقین کے خیالات و آراء سے ان کو استفادہ کا موقع ملا تھا اس لئے وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ "ذکر اور توسل کے نظریات قرآن اور حدیث کی تعلیمات پر مبنی ہیں۔"

لیکن اس امر میں شبہ نہیں کہ تصوف اس سلسلہ میں مسیحیت کا بڑی

تک رہیں منت ہے۔

جرمن مفکر گولڈنبرگ (۱۹۲۱ء) کہتا ہے کہ

اسلامی تصوف میں ایشیا اور قناعت کو صفات، دولت اور سرمایہ داری پر

فکر کو ترجیح، مسائل یا صفات خالص اسلامی نہیں ہیں بلکہ نصرانیت اور عیسائیت کے



مطالعہ کا نتیجہ ہیں اور ان کے نظریات سے شغف اور دلچسپی کا ما حاصل ہے،  
 ایک دوسرا جرمن مفکر فولڈی کی (متوفی ۱۹۳۳ء) کا خیال ہے کہ  
 مسلمان صوفیاء نے ذکر کے جو طریقے ایجاد کئے اور عمل میں لائے وہ بھی  
 نصرانیت سے لئے گئے ہیں۔ (تاریخ تصوف اسلام)  
 لیکن مغربی مفکرین نصرانیت و مسیحیت کا ماخذ اور منبہ بتاتے وقت  
 یہ بھول جاتے ہیں کہ :-

۳۵ نکس کہ خود گم است کہ را رہری کند

نصرانیت و مسیحیت جو خود شرک تثنایت میں گرفتار رہی ہے کسی توحیدی مسک  
 یا عقیدے کا کیا فبع اور ماخذ بن سکتی ہے! صرف یہی نہیں بلکہ ان کو یہ بھی یاد نہیں رہتا  
 کہ جب اسلامی علوم کے نور سے عرب و عجم ہی نہیں بلکہ سرزمین ہسپانیہ بھی جگمگا رہی تھی  
 اس وقت یورپ جہالت کے اندھیرے میں علم و فکر کے راستے پر دو قدم بھی چلنے کی  
 سکت نہیں رکھتا تھا۔

ان مفکرین کے ان خیالات کے قبایع اور ماخذ غیر مسلموں کے وہ معاندانہ خیالات  
 اور ان کی تصانیف ہیں جو روم اور آندلس کی شکست خوردہ ذہنوں نے مسلمانوں سے تقاضا  
 لینے کے لئے پھیلائے لیکن افسوس کہ ہم جو ان مغربی مفکرین سے ان بری طرح متاثر ہیں اور  
 ان کی تہذیب و ثقافت اور ان کے تمدن کے چہ پرستار ہیں، اس لئے ان کی ان آراء  
 کو ہم بے چون و چرا تسلیم کر لیتے ہیں صرف یہی نہیں کہ ہماری فکر کی پرواز یہیں تک محدود ہے  
 بلکہ ہم "زیب داستاں" کے لئے اس پر حاشیہ ہی چڑھاتے ہیں۔

دور کیوں جائیں ہائے پروفیسر یوسف سلیم شہتی مرحوم (جو میرے خواہزاوے تھے) نے  
 تاریخ تصوف اسلام لکھ کر ان مغربی مفکرین کی... ترجمانی کا حق ادا کر دیا اور تقریباً نصف  
 کتاب تصوف کے غیر اسلامی ماخذوں کی نشاندہی پر صرف کر دی۔ پروفیسر سلیم مرحوم، تاریخ



تصوف اسلام کی فصل اول میں رقم طراز ہیں۔

”و دنیا کے تمام محققین کا اتفاق ہے کہ ”اپنشد“ تصوف پر قدیم ترین تصانیف ہیں، چنانچہ پروفیسر دوائلس نے اپنی مشہور تصنیف ”کائنات اور فرد“ جلد اول باب چہارم صفحہ ۱۵۶ میں اعتراف کیا ہے کہ، سو فیانہ عقاید کی پوری داستان ان کتابوں (اپنشدوں) میں قلم بند کر دی گئی ہے۔  
فصل چہارم میں پروفیسر سلیم مرحوم نے یہ عنوان قائم کیا ہے۔  
شہید بھگوت گیتا میں تصوف“

اس موضوع کے تحت انہوں نے ۱۴ صفحات بطور تشریح تحریر کئے ہیں۔ مختصر یہ کہ ”تاریخ تصوف اسلام“ کا نصف اول ان مباحث پر مشتمل ہے کہ تصوف غیر اسلامی ہے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مغربی مفکرین نے اسلامی تصوف کے ماخذ صرف مسیحیت و نصرانیت کو قرار دیا تھا لیکن مسلمان ناقدین اور مورخین تاریخ تصوف نے دیدانت اور اپنشدوں کو بھی تصوف کا ماخذ ٹھہرایا۔

تصوف اسلام کے سلسلہ میں مفکرین اور ناقدین کی چند آراء پیش کر دی ہیں ان آراء کی تردید ان کے بطلان پر اگر قلم اٹھایا جائے تو یہ چند صفحات ناکافی ہوں گے اس لئے تردید سے قطع نظر کرتے ہوئے میں آئندہ اوراق میں تصوف کی اصل اور اس کی حقیقت کو پیش کر دوں گا اور بتاؤں گا کہ تصوف کا سرچشمہ اسلام اور صرف اسلام ہے، ان مفکرین و ناقدین کی آراء ناقص کا بطلان خود بخود ہو جائے گا۔ (انشاء اللہ العزیز)

ابتدائے اسلام جس کو صدر اسلام سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے، اسلامیات، اخلاقیات اقتصادیات اور سیاسیات ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت کے حامل نہیں تھے، اسلام کا سیاسی نظام اخلاقی نظام کے دائرے میں تھا اور اخلاقی نظام اس کے معاشرتی اور سماجی نظام



کے اجزائے ترکیبی تھے گویا اسلامی شریعت اور اسلامی ریاست کوئی الگ الگ چیزیں نہیں تھیں ناممکن تھا کہ اس کا سیاسی، ثقافتی اور سماجی نظام کسی رُخ سے بھی شریعت کے دائرے سے باہر ہو سکے! ہر ایک نظام زندگی پر شریعت کی پوری پوری گرفت تھی اور یہ تمام مختلف نظام ہائے زندگی شریعت کے تار پورتے، جنگ و صلح طاعت و عبادت اور کسب معیشت کے دائروں کا مرکزی نقطہ اسلام اور صرف اسلام ہی تھا۔

بندگی اور عبادت الہی کے عواطف صرف ادائیگی فرض و سنت تک محدود نہ تھے۔ بلکہ صحابہ کرامؓ کا ہر سانس عبادت تھی۔ عبادت سے "ان کی اس طاعت و بندگی کا عنوان تھا۔

سَيَا هُمْ فِي وَجْوهِهِمْ مِنْ اَثْرِ السُّجُودِ -

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اپنے پیشوا اپنے ہادی و رہنما محسن عالم و عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کو کامل اپنائے ہوئے تھے اس لئے اس ابتدائی دور میں تصوف نہ کوئی مسلک بن سکا اور نہ کوئی نظریہ عبادت، نہ اس کی ضرورت تھی کہ اس دور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے شرف یابی سب سے بڑی کامیابی، عظیم فلاح اور سب سے بہتر و برتر فوز و فلاح تھی، یہی لقب سب سے زیادہ عزت و عظمت والا تھا!

اصحابِ صفہ جو تسلیم و رضا، صبر و توکل، قناعت اور ایثار کے ایک پیکر تھے اور تصوف کا مرکزی نقطہ، گویا وہ اس مسلک کے سب سے پہلے عاقلین تھے۔ یہ حضرات اپنے محبوب ہادی برحق کے چشم و ابرو کے اشارے کے منتظر رہتے، لب کی اطاعت و انقیاد ان حضرات کی زندگی کا اولین مقصد تھا اور ان کی زندگی کا نصب العین اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت ان کی ہر سانس کا مطلوب و مقصود! ہجرت کے بعد ایثار کی اعلیٰ ترین مثالیں نذر مال و متاع اور جاں سپاری کی شکل میں تاریخ کے صفحات پر جس طرح ثبت ہیں تاریخ عالم یعنی تاریخِ مہاب کے صفحات اس کی مثال سے خالی نہیں، غزوات و شریات کا یہ سلسلہ غزوہ تبوک



۹۰ھ تک قائم رہا۔ ۹۰ھ ہجری تک ایک مسلمان کی دُھن اس کی ٹکن۔ اس کی تمام تر  
 مساعی کا محور صرف یہ تھا کہ وہ اپنا سب کچھ اسلام کے بلند ترین مقصد پر قربان کر دے۔  
 چنانچہ صحابہ کرام اس وقتی اور بنیادی ضرورت کو پوری پوری تندہی اور جاں سپاری کے  
 ساتھ انجام دیتے رہے۔

دین کی تکمیل اور اسلامی اقتدار کی تزئین کے بعد جب  
**سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم**۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے رفیقِ اعلیٰ کی قربت  
 کے بعد فتوحات کا دور کو قبول فرمایا اور دُور صدیقی آیا تو فتنہ مدعیانِ نبوت  
 مرتدین و منکرین زکوٰۃ نے جو شدت اختیار کی وہ اسلامی تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔  
 اس وقت ان فتنہ سامانیوں کا انسداد سب سے عظیم اسلامی اور دینی ضرورت تھی، اس  
 کے بعد دُور فاروقی سے جو اسلامی فتوحات کا یادگار عہد ہے، اسلامی زندگی عبارت رہ گئی۔  
 صرف دو باتوں سے نہیں... غیر مسلموں سے جہاد اور عبادتِ الہی! آپ کا ۱۲ سالہ دور  
 (۱۳ھ تا ۲۲ھ) جب ختم ہوا تو اسلامی سلطنت کے حدود جزیرہ منائے عرب کی محدود  
 وسعتوں سے نکل کر ایران، شام، عراق، مصر اور روم سے جا ملے مسلمانوں کو بین الاقوامی  
 ارتباط سے دوچار ہونا پڑا۔ عیسائیوں، یہودیوں، آتش پرستوں اور ذمیوں سے میل جول بڑھا  
 اسلامی سادگی نے اپنا چولا بدلا، سطوتِ فاروقی کے سامنے تو کسی کو یارے دم زدن نہ تھا لیکن  
 دُور پردہ اقتدار کی کش مکش نے بڑی خاموشی کے ساتھ سینوں میں اپنا گھر کر لیا اور اپنے ظہور  
 کے لئے وہ وقت کی منتظر رہی چنانچہ شہادتِ فاروقِ اعظم نے جب اسلامی اقتدار کی فلک بوس  
 عمارت میں شکاف ڈال دیا تو اس اقتدار کو سینوں سے باہر نکلنے کا موقع ملا جس کا نتیجہ حضرت عثمان غنی  
 رضی اللہ عنہ کی شہادت کی غم آفریں شکل میں نمودار ہوا خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے  
 عہد میں شامیوں اور حجازیوں کے مابین عصبیت کی آگ خوب بھڑکی۔

خاندانی عصبیت کی وہ چنگاریاں جو اسلامی تعلیمات اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات



ستودہ صفحات کی حکمت عملی سے دُب گئی تھیں پھر بھڑک اٹھیں۔ خوش پروری، اقارب و دوستی کے الزامات کو مقصد برآری کا نعرہ بنا کر یہ قوتیں آگے بڑھیں اور محسن اسلام دانسانیت امام دین و ملت، پیکر ایشار و جبار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خون بہا کر رہیں، ذرا غور تو فرمائیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کس حال میں شہید کیا گیا اور کس نے شہید کیا انہوں نے جن پر صابئی کے اصطلاحی لفظ کا اطلاق ہوتا تھا اور اس حال میں کہ خلیفہ مظلوم قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے۔

اقتدار کی اس کش مکش کا جو انجام ہونا تھا وہ ہو کر رہا باب العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ چین سے چار دن اسلام کی خدمت نہ کر سکے، آپ کی خلافت کا پنج سالہ زمانہ زیادہ تر بجاوتوں، سیاسی سازشوں کے استیصال اور خانہ جنگی کی نذر ہو کر رہ گیا۔ سیاست کا وہ شاطرانہ حربہ جو آج بھی ضرورت کے وقت استعمال کیا جاتا ہے سب سے پہلے اسلامی تاریخ میں جنگ نہروان میں آزما یا گیا۔ مسلمانوں کا وہ خون جو شجر آعلائے کلمتہ الحق کی آبیاری میں صرف ہوتا تھا۔ اس وقت و شرتِ شام و حجاز میں رائیگاں بہہ رہا تھا، ابھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مبارک پر نصف صدی بھی نہیں گزری تھی اسلامی اقدار و تعلیمات پر زوال کے بادل چھا گئے، اس پر آشوب وقت میں بھی اصحابِ صفہ ان کے مخلص متعین اتباع دین و ایمان کو سینے سے لگائے اس فتنہ آفرین اور فتنہ پرور ماحول سے الگ تھلگ گوشوں میں یا و الہی کو اپنا نصب العین اور ضررِ جاں بنائے بیٹھے رہے۔

تحقیق جہاں تک چھان بین کر سکتی ہے اور تاریخ کے اوراق الٹ سکتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ گوشہ نشینی اور خلوت گزینی کی ابتدا یہی سے ہوتی ہے، کیا ان اصحاب کی یہ ایزد واپسندی اور خلوت دوستی زندگی سے فرار کا عنوان پانے کی مستحق ہے، میرے خیال میں ایسا کہنا بڑی نا انصافی اور تاریخی غلطی ہوگی۔!

خوارج کا ظہور اسلامی تاریخ کی بساط سیاست کا ایسا مہرہ ہے جس نے بڑے



بڑے ابدہ درآں کو شہ مات دیدیئے، جسے نظر انداز کر دینا حقیقت پسندی سے آنکھیں بند کر لینا ہیں، ان خوارج نے ایک تیر سے تین ہستیوں کو نشانہ بنانا چاہا جو بی قسمت کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو اس کا ہدف نہ بن سکے لیکن خلیفہ چہارم باپ اعلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جام شہادت نوش کرنا پڑا اور اس سانحہ عظیم کے بعد مسلمان ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوئے ہیں تو کسی خشیت الہی اور کیسا رحم! نہ نفرت کا خوف نہ باز پرس کا ڈر! اہل بیت کے خوش گلے تھے اور سیاست کی تیز تلوار! آن کی آن میں حکومت و اقتدار نے ان کی شہادت سے اپنی پیاس بجھائی۔

نصوف پر بے عملی جمود اور زندگی سے فرار کا ایسے لگانے والے اپنی تصویر کا یہ رخ دیکھنا شاید بھول جاتے ہیں کہ خانہ کعبہ پر منجیقوں سے پتھر برساکر دیوار ہائے کعبہ کو شک کرنے والے، غلاف کعبہ کو جلانے والے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی نعش تین دن تک آویزاں رکھنے والے، کیا ان غریب اور خدا دوست مسلمانوں کی آواز پر لبیک کہہ سکتے تھے اور ان اسلامی اقدار و اصول کی طرف رجوع کر سکتے تھے جو ان کو جبروت و اقتدار اعلیٰ کی ملبذی سے گرا کر اس سلخ پرے آئے جہاں امیر و غریب، اسود و احمر اور عربی و عجمی، آقا اور غلام ایک ساتھ ایک دل اور ایک زبان ہو کر اسلامی اقتدار اور اس کی عزت کی بحالی کے لئے ہر آن اور ہر نفس کو مثال رہتے تھے۔

خدا کی شان پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے اسی محل میں جس کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے، سطوت نبی اُمیہ کے ایک نشان کے طور پر تعمیر کرایا تھا "حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر بُریدہ کے علاوہ ان وایان حکومت اور صاحبان اقتدار کے تین سر اور آئے اور ان سرول میں سب سے زیادہ پر شور و مختار ثقفی کا سر تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد میں اقتدار کی جو بنیادیں تیار کی گئی ہیں بہت جلد مسلمانوں کے پاک خون سے لبریز ہو گئیں اور پھر اس پر اموی سلطنت کی وہ فلک بوس عمارت کھڑی ہوئی جس نے اپنے تو اپنے



غیروں کی نگاہوں کو بھی خیرہ کر دیا۔

اب تابعین کا اصطلاحی دور شروع ہوا اور اموی حکومت کا عہد عروج! آپ اب تاریخ کے صفحات میں اس کا جواب تلاش کیجئے کہ اس وقت مسلمانوں کا نصب العین، دنیاوی امارت، عز و جاہ اور اعلیٰ اقتدار تھا اسلام کا بول بالا کرنا اور اسلامی اقتدار کی سر بلندی! یاد الہی، اطاعت و بندگی اور فضائل اخلاق اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی وسیع کائنات پر حاکمیت اور عالمانہ اقتدار: یہ تمام باتیں پہلے ایک مسلمان کا سراپا تھیں، اسلام کی اجتماعی زندگی کے روپ تھے لیکن اب ان کے راستے الگ الگ ہو گئے! ایک راستہ تھا اللہ کی محبت اور سرور کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم کی حلقہ بگوشی اور پوری اطاعت احکام دین کا اور اعلیٰ کلمۃ الحق کا دوسرا راستہ تھا فتوحات ملکی، سیاسی اقتدار کا حصول، آمرانہ قوت اور پرتقار زندگی کا، ان دونوں نظریات میں جو بعد المشرقین تھا، ظاہر ہے یہ دونوں نظریات جو آپس میں متضاد اور تباین تھے ایک ساتھ کیسے قائم رہ سکتے تھے اور ایک دوسرے کا ساتھ کس طرح دے سکتے تھے اس لئے اس وقت کے مسلمانوں میں یہ دو مسلک، دو نظریات اور دو نصب العین مین ہو گئے ایک نصب العین کے پرستار اہل دین کہلانے یہ حضرات اصحاب صفہ کے جانشین تھے اور دوسرے نصب العین کی اقتدا کرنے والے باشندے چند جنہوں نے نسلاً بعد نسل حکومت کی مندر پر اپنے قدم جملے اور تاریخ میں اموی عباسی، غزنوی، سلجوقی خانوادوں کے شاندار ناموں سے تاریخ میں یاد کئے گئے۔

دوسری صدی ہجری میں مسلک اولیٰ کے پیرو تابعین و تبع تابعین ہی کے نام سے موسوم ہوتے رہے کہ اس عظیم الشان دینی اصطلاح سے فزوں تراور کوئی نام ان کے لئے نہیں ہو سکتا تھا اور یہ نفوس قدسیہ حتیٰ الوسع سیاسی اقتدار اور فتوحات ملکی کی ہوس کاریوں سے بہت دور دور رہے۔ ان حضرات نے جلوت کے بجائے خلوت کو ترجیح دی، سیاسی ریشہ دوانیوں میں سرگرم عمل ہونے کے بجائے توکل کو اپنا رفیق بنا یا جب



انہوں نے دیکھا کہ اب مسجد میں ہی خالص عبادت گاہوں کی بجائے شاہی درباروں سے تبدیل ہوتی جا رہی ہیں کہ بنوک سناں صاحب اقتدار اپنا خطبہ وہاں پڑھواتا اور اپنے گن گنوتا ہے، مسجد میں خون ریزی اور غارتگری کو روا رکھا جا رہا ہے اور خوف خدا حائل نہیں ہوتا تو اس صورت میں انہوں نے اپنے گھروں کے گوشوں کو اپنا معبد بنایا اور وہاں بیٹھ کر اپنے شب و روز یاد الہی میں بسر کرنے لگے، اس عہد جہانگیری و جہاں ستانی میں جن لوگوں نے گوشہ ہائے عزت کو اپنا ایس بنایا اور خون ریزیوں اور خون آشاہوں سے بچنے کے لئے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے چونکہ ان کی یہ حالت عہد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان دین داروں سے مماثلت قریبہ رکھتی تھی جو "اصحاب صفہ" کے نام سے موسوم تھے اور "صوفی" کہلاتے تھے اس لئے اس گروہ کو "صوفی" اور اس مسلک کو "تصوف" کا نام دیا گیا کہ اس سے بہتر اور کوئی نام اور ان کے مسلک کا اور کوئی عنوان نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں اس نظریہ اور مسلک کی نشوونما ہوئی، ملکی اور سیاسی حالات جیسے جلیے بگڑنے گئے اور اموی عباسی اور سلجوقی دور میں خون انسانی کی ارزانی ہوتی گئی اسی قدر اس مسلک کو فروغ ہوتا چلا گیا۔

بنی امیہ کے دور کی خون ریزیوں اور ملکی انتشار کا اگر مختصر سا جائزہ آپ لینا چاہیں تو جنگ صفین، جنگ جمل، واقعہ کربلا، واقعہ حرہ، مختار ثقفی کا نعرہ یعنی قاتلان حسینؑ سے انتقام، عبد الملک کی فتوحات میں خون مسلم کو ارزانی، سلیمان بن عبد الملک کے فاتحوں محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر، فاتح اندلس اور قتیبہ بن مسلم باہلی کا عبرت ناک انجام، حجاج بن یوسف کی سخت گیری اور مخالفین کی سرکوبی اور دوسرے اموی سلاطین کے ہاتھوں مسلمانوں کے جو سزیم ہونے تاریخی شہادتوں کے سانچوں کا شمار اگر ہو سکے تو کر لیجئے، اس کے بعد عباسی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے کے لئے ابوالعباس سفاح، نفری اموی تاجدار ابراہیم کی خانہ دیرانی، ابن، ماموں کی جنگ جہانگیری، ماموں کے اقتدار کے حصول کے لئے خون مسلم کی ارزانی، مسد خلق قرآن، دیدار



مسلمانوں کی تباہی اور پریشانی، ہاروں سے لے کر مستحکم باللہ تک عباسی اقتدار کی بحالی کے لئے قتل، غمخیزی اور کبد و مکر کی فراوانی اور پھر ان سب پر سزا و فتنہ تار و تار، یہ تمام فوجیوں کی واقعات چند صدیوں کے درمیان ظہور میں آ گئے۔

ان حالات میں جن دلوں میں خوف الہی، مسلمانوں کی باتوں کا احترام، اطاعت الہی اور پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس موجود تھا ان کے سامنے دنیا اور متاع دین کا جو نقشہ کھینچا اور ان کی آنکھوں کے سامنے جو تصویر آئی وہ ان ارشادات ربانی کی تفسیر بنی :-

۱۱۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

۱۲۔ اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

۱۳۔ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنْ سَدَدْنَا الْاٰخِرَةَ

لَهٰی الْحَيٰوةِ ۝

جیسا کہ آپ مطالعہ فرما چکے ہیں یہ وہ زمانہ تھا کہ صحابہ کرام، حضرات تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ادوار مقدس ختم ہو چکے تھے، تبع تابعین کا دور چل رہا تھا اور ان میں سے اکثر و بیشتر حضرات گوشہ نشین ہو چکے تھے ورنہ ان کو بھی شکوہ سلطانی کا ساتھ دینا پڑتا، یا مسد خلع قرآن پر ان کا سکوت ان کی جان لے کر چھوڑتا یا تو وہ خلافت عباسیہ کے مائندے بن کر گوشے گوشے میں خلافت عباسیہ کی دعوت دیتے اور انکی حکمرانی کی راہ ہموار کرتے یا ان کے مقابل آنے والی قوتوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے !!

ایسے پر آشوب دور میں ان پاکباز اور نیک بندوں نے دینی و دنیاوی فلاح اسی میں سمجھی کہ اپنے اس مسلک کے نظریات کو اور وسعت دیں اور جہاں تک ممکن ہو سکے عامۃ الناس کو اس سیاسی تصادم سے بچا کر ایسے گوشوں تک لے آئیں جہاں ہوس ملک گیری کے بجائے تہذیب نفس اور قناعت موجود تھی، جہاں تفسک و مابہ کے عوض حیات انسانی کا احترام موجود تھا، جہاں شاطرانہ چالوں اور مقصد برآسی کے لئے مکر و کبد کے حربوں



کے بدے فضائل اخلاق کی تعلیم دی جاتی تھی، زرو مال کے حصول کے لئے نئے نئے حربوں کے استعمال کے بجائے توکل اور صبر و قناعت کا سبق دیا جاتا تھا جس طرح یہ نظریہ تصوف کے نام سے موسوم ہوا اسی طرح یہ مامون و محفوظ گوشے خانقاہ یا صومعہ کے نام سے موسوم ہوئے، یہاں پر دینداری، اتباع شریعت، خدا ترسی، صبر و رضا و توکل اور قناعت کا جو عہد لیا جاتا تھا وہ "بیعت" کہلاتا، یہ بیعت کوئی نئی چیز نہیں تھی خلافت راشدہ کے بعد ہی اس بیعت کا سلسلہ جاری رہا اموی یا عباسی خاندانوں کے کا جو حکمران تخت نشین ہوتا وہ عائد سلطنت اور عام رعایا سے اپنی اطاعت و جان نثاری اور وفاداری کا عہد لیتا اس کو بھی بیعت کہا جاتا تھا، وہ بھی ایک بیعت تھی جو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے، تحت الشجرہ، اپنے رفیقوں اور جان نثاروں سے لی تھی؛ خلافت راشدہ میں بھی خلیفہ راشد، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی بیعت لیتا۔ ہا لیکن اب بیعت میں بھی ایک عظیم فرق آ گیا تھا پہلے بیعت ہوتی تھی دین کے لئے امویوں اور... عباسیوں کی بیعت ہوتی تھی دنیا کے لئے!

بستیوں سے اور دروازے ان گوشوں میں بھی جو بیعت ہوتی تھی وہی تمام تر دین کے لئے ہوتی تھی، دنیا کا یہاں دخل نہیں تھا چنانچہ ان بزرگان دین اور ارباب تعین نے تصوف کی جو تعریفات کی ہیں، یہاں بھی چند تعریفات پیش کر رہا ہوں تاکہ آپ کو اچھی طرح اندازہ ہو جائے کہ ارباب تصوف کی بیعت کا مدار اور مرکزی نقطہ کیا تھا!

سرخیل ارباب تصوف حضرت معروف کرخی ؒ فرماتے ہیں کہ "حقائق کو گرفت میں لانا، وقائق پر گفتگو کرنا اور خلایق کے پاس جو کچھ ہے اس سے ناامید ہونا" تصوف ہے۔

حضرت ذوالنون مصری (م ۵۲۴ھ) ایک سوال کے جواب میں

فرماتے ہیں:-



صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمام کائنات میں صرف اللہ کو پسند کیا ہے۔“

حضرت سہل بن عبد اللہ تستریؒ تصوف کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:-  
 ”صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے خالی ہو اور تفکر سے پڑ ہو،  
 قرب خدائے عزوجل میں بشر سے منقطع ہو اور اس کی نظروں میں خاک و  
 سونا برابر ہو۔“

حضرت ابوالحسن نوریؒ (م ۷۶۵ھ) کا اس سلسلہ میں ارشاد ہے :-  
 صوفی وہ لوگ ہیں جن کی روح بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گئی  
 ہے اور آفتِ نفس سے صاف اور ہوا و حرم سے خالص ہو گئی ہو یہ  
 لوگ صفِ اول میں خداوند تعالیٰ سے قربت حاصل کئے ہوئے ہیں۔  
 غیر اللہ سے بھاگتے ہیں یہ لوگ نہ کسی چیز کے مالک ہوتے ہیں اور نہ  
 کسی کے مملوک، اور

”تصوف مولیٰ کی دوستی اور دنیا سے دشمنی کا نام ہے۔“  
 حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ علیہ فرماتے ہیں:-  
 ”عارف وہ ہے کہ جب حق تعالیٰ اسرا پہنہاں سے گفتگو کرتا ہے  
 تو وہ خاموش رہتا ہے۔“

صوفی وہ ہے جس کا دل اور دنیا سے متنفر اور فرمانِ الہی کا مطیع  
 و منقاد ہو اس میں حضرت اسماعیلؑ کی طرح تسلیم و رضا، حضرت داؤد  
 علیہ السلام کی طرح اندوہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا فقر اور حضرت  
 ایوب علیہ السلام کی طرح صبر، حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا شوق اور  
 حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اخلاق ہوں۔“



ان تصریحات اور حقائق کے پیش نظر یہ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ اسلامی تصوف عیسائی رہبانیت یا عیسائی تصوف سے اخذ کیا گیا ہے اور اس کے ماخذ اور منبأ بع غیر اسلامی یعنی ویدانت، اپنشد ایرانی فلسفہ نوافلاطونیت ہیں! جو حقائق اور مختصراً جو چند تعریفات آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں ان کے پیش نظر یہی کہنا پڑے گا کہ تصوف ایک خالص اسلامی نظریہ ہے اس کا منبع اور ماخذ شریعت اور اس کی تعلیمات قطعی اسلامی ہیں یا اس کی تعریفات میں جو معتقدات مشترک ہیں وہ یہ ہیں؛

۱۔ زید، ایتار، قناعت، فقر، توکل، خشیت الہی، ذکر الہی، محبت رسول اور عشق الہی و رع، قرآن و الم، خضوع و خشوع، اتباع شریعت و خدمت خلق صبر و شکر، بذل اموال اور ایتار“

مذکورہ معتقدات پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ ان میں کونسا عقیدہ ایسا ہے اور کونسی تعلیم وہ ہے جس کو غیر اسلامی کہا جاسکتا ہو یا اس کا منبع اور ماخذ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کو قرار دیا جاسکتا، مماثلت ایک دوسری چیز ہے، مماثلت کو ماخذ یا منبع نہیں کہہ سکتے، جبکہ کسی غیر الہامی مذہب نے فضائل و مکارم اخلاق کی یہ تعلیم دی ہی نہیں، اسلام کے یہی وہ بنیادی اصول اور معتقدات بھی تو ہیں جن کے باعث اسلام کو اس قدر جلد کامیابی اور قبولیت حاصل ہو گئی، اگر دوسرے غیر الہامی مذاہب کے بھی اصول اور معتقدات ہوتے تو اسلام کے پاس وہ کون سی متاعِ دلمہ با تھی جو غیروں کے دل موہ لیتی تھی۔

شارع علیہ السلام کی مہات مقدسہ سے خلفائے راشدین کی پاکیزہ زندگیوں تک نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ ان مقدس مہتیوں میں یہ اخلاق فاضلہ جو بعد کو تصوف کے بنیادی اصول بن گئے، رچے بے تھے یا نہیں!

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ آپ اپنا ترک دنیا، دنیا کے مال و متاع، دنیا کی آسائشوں اور آرائشوں سے بالکل متمتع



نہیں ہوتے تھے ورنہ زندگی کے روز و شب فقر و تنگدستی میں کیے گزرتے آپ کے لئے کسروی اور خسروی شان و شوکت اور شایانہ سامان موجود تھے، سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ نے دنیا کو کبھی نہیں اپنایا۔

حیات طیبہ کا مشہور واقعہ ایلا، اس پر شاہد ہے، ازواج مطہرات سے آپ نے ایک ماہ کے لئے محض اس لئے علیحدگی اختیار فرمائی تھی کہ انہوں نے اجتماعی طور پر آپ سے ان نفقہ کی کٹادگی اور آسائش، دنیاوی طلب کی تھی، اس زمانے میں آپ نے تنہائی اختیار فرمائی تھی اور صحبت اصحاب سے کنارہ کش ہو گئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خدمت گرامی میں باریاب ہوئے تو اس وقت آپ کھال کے گدے پر اس طرح استراحت فرماتے تھے کہ حسین مبارک پر کھردے گدے کے نشانات پڑ گئے تھے اس شہنشاہ عالم کے حجرہ قدس میں دنیاوی اثاثہ صرف یہ گدا، ایک مشکیزہ اور ایک پیالہ تھا، تاریخ اسلام میں یہ داخلہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول موجود ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے اس حال پر تاسف فرماتے ہوئے کہ یہ درگلو ہو کر عرض کیا کہ حضور! قیصر و کسریٰ تو دنیا کے عیش و آرام سے متمتع ہو رہے ہیں اور شہنشاہ عالم اس طرح رخت کش ہیں تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اے عمر! کیا تم یہ کافی نہیں سمجھتے کہ ان کافروں کے لئے دنیا کا آرام اور ہمارے لئے آخرت کی آسائش موجود ہے، اس سلسلہ میں آپ کا یہ ارشاد گرامی و حدیث شریف، ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہے:-

کن فی الدنیا کانت غریباً و عابراً السبیل، مشکوٰۃ شریف،

تم دنیا میں اس طرح رہو گویا تم ایک مسافر ہو یا راستہ چلنے والے

دنیا کے سلسلہ میں قرآن حکیم کے احکام اس سے قبل پیش کر چکا ہوں جس میں اس

کو محض ہود لب، ایک متاع قلیل اولاد و اموال کو فتنہ کہا گیا ہے، ارباب تصوف نے

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمت طیبہ کو اپنے لئے ایک نمونہ بنا کر ہمیشہ فقر و فاقہ، تنگدستی



اوعسرت میں زندگی بسر کی اگرچہ متاع و اموال دنیا کے ان کے سامنے ڈھیر لگے ہوئے تھے مہانوں کے لئے دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے ہوتے تھے لیکن خود نان جویں پر گزر کرتے تھے، تاریخ تصوف اور تذکرہ ہائے اصحاب تصوف میں اس کی صد ہا مثالیں موجود ہیں۔  
بجوف طوالت رقم نہیں کر رہا ہوں۔

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ دنیاوی لغائذ سے اس بے تعلقی کا نام رہبانیت نہیں ہے۔ بلکہ اس ترک دنیا کا مقصد و مطلب یہ تھا کہ دنیا سے کم سے کم تعلق رکھا جائے تاکہ یاد خدا میں حائل نہ ہو۔

چہیت دنیا از خدا غافل بودن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن (مولانا رومی)  
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دنیا سے تعلق رکھتے تھے، ازواج و اولاد کے تعلقات موجود تھے لیکن وہ دنیا دار یا دنیا پرست نہیں تھے وہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے الگ تھلگ تھے وہ جانتے تھے کہ۔

آئی ہے بے حیا مرا ایمان خریدنے

دنیا کھڑی ہے دولت دنیا لئے ہوئے (حفیظ جانہ صہری)

خلافت راشدہ کے بعد اس دنیا نے دولت دنیا کے لئے جن فتنوں کا آغاز کیا۔ ان کی تشریح کے لئے تو دفتر کے دفتر درکار ہیں حصول دنیا کے لئے جو فتنے اٹھے ان فتنوں نے دنیا کو وہ بھیانک تصویریں ایمان پر روز لگا ہوں اور قلب ہائے مسلم کے سامنے پیش کی کہ ان حضرات نے سلامتی ایمان کے لئے اس سے قطع تعلق ہوں نجات سمجھی لیکن دنیا پرستوں نے اس پر رہبانیت کا ایبل لگا دیا حالانکہ یہ حقیقت نہیں تھی۔ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا ترک دنیا اور تصوف کو لازم و ملزوم سمجھا جانے لگا حالانکہ وہ ایک دور کی شدید ضرورت تھی، لیکن بعد کے ادوار میں بھی سلامتی دین و ایمان کے لئے اس دنیا سے قطع تعلق ہی کو بہتر سمجھا گیا، ارباب تصوف



اور اصحاب فقر نے دولت کمانے کے لئے اربابِ دول کے دروازے نہیں کھٹکھٹانے بلکہ مزدوری کی، لوہاری، معاری، نجاری، کفش دوزی، زین سازی، لباس شوئی کے پیشوں کو اپنایا، اور ان پیشوں سے جو کچھ یومیہ اجرت حاصل ہوتی، اس میں بھی پڑوسیوں، ناداروں اور مسافروں کو شریک کر لیا اور چند نعمتوں کو اپنے لئے کافی سمجھ کر دوسروں پر خرچ کر دیا۔ یہ حضرات اگر چاہتے تو شاہانِ وقت ان کے قدموں پر دوست کے ڈھیر لگا دیتے اور اس کے لشکر میں بس اتنا کرنا پڑتا کہ ایک نظام، فاسق فاجر، عیش پرست، بادشاہ کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے لیکن ان خدا دوست ہستیوں نے یہ گوارا نہیں کیا، تو یہ ہے تصوف کی دنیا ترک بنا کا مفہوم اور اس کی حقیقت!!

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے محبتِ الہی کا جو درس اُمت کو **حُبِّ الہی** دیا وہ اس کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت سے عبارت نبی آپ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات عبادات میں مصروف رہتے، رات بھر کے قیام سے یہ عالم ہوتا کہ آپ کے پاہٹے متورم ہو جاتے تھے چنانچہ حضرت باری اپنے محبوب کی شدتِ محبت و اطاعت پر ارشاد فرمایا

يَا أَيُّهَا الْمُسْرِمُّ اسْتَبْرِئِ لَيْلًا إِلَّا قَلِيلًا (پارہ ۲۹)

صحابہ کرام رضوا اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے ہادیِ برحق کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کرتے اور ان کی زندگی کے لمحات و آفات ہی طاعت و بندگیِ الہی میں بسر ہوتے، خود باری تعالیٰ نے ان کی طاعت و بندگی کو سراہا اور ان صالحین اور نیک بندوں کے بارے میں ارشاد فرمایا

تَرَاهُمْ رُكْعًا سَجِدًا يَلْتَمِعُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا

سَيَمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَسْرَارِ السُّجُودِ (سورہ فتح پارہ ۲۶)



تم ان کو رکوع اور سجدہ کہتے دیکھو گے، وہ اپنے رب کا فضل اور

اس کی خوشنودی کے خواہاں ہیں اور ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور اطاعت میں ہر دم مصروف رہتے تھے اُن کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے اور اس بارے میں حکم الہی بھی نازل ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس وقت اپنا دوست رکھے گا جبکہ تم اس کے محبوب کی اطاعت کرو گے!

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (بارہ ۳)

اے رسول! ان سے فرما دو، اگر تم اللہ کو دوست رکھنا چاہتے ہو تو میری متابعت

کرو، اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا۔

خلفائے راشدین اور اصحاب کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)، آپ کی اتباع

کامل میں ہر دم منہمک رہتے تھے آپ کے وصال کے بعد ہی صحابہ کرام اور تابعین حضرات

کا نصب العین یہی رہا، سنت نبوی کی پیروی میں اس قدر شغف رہنا کہ ادنیٰ سی

ادنیٰ سنت کو بھی ترک کرنا وہ جذبہ محبت کی توہین سمجھتے تھے، یہی وہ حضرات تھے جن

کے دینی کمالات اور اوصاف حمیدہ کو فرمان حمید میں اس طرح ذکر فرمایا گیا ہے۔

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ

الْأَعْرُوفُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْضُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ

لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

ان حضرات کو جنت کی بشارت ان کی حیات ہی میں دے دی گئی تھی اور سب نے



ہر دور میں اور آج بھی یہ بشارت ان نیک بندوں کے لئے موجود ہے، اس ارشاد باری کے تحت صوفیائے کرام کی زندگی کافی کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان کی انابت کا کیا عالم تھا، وہ حمد الہی میں کس طرح اپنے صبح و شام بسر کرتے تھے، ان کی عبادت کی کیا شان تھی کس طرح وہ قائم اللیل اور صائم الدہر تھے، ان کے رکوع و سجود کی کیا کیفیت تھی، وہ امر بالمعروف میں کس طرح بیباک اور کس قدر زہد رتھے۔ "ہبی عن المنکر" میں ان کی جرات اور دلیری کا کیا عالم تھا اور وہ حدود الہی کا کس قدر اہتمام اور کیا کچھ انصرام کرتے تھے۔ صحابہ کرام حضرات تابعین اور بزرگان ملت و ارباب تصوف نبی اولیاء کی کتب سیرت کا مطالعہ کیجئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ان کی حیات کے لمحات و انات کی کس طرح بھرپور تطبیق ہوتی ہے اور ان کی زندگیاں ان کمالات انسانی کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی تھیں یا نہیں جب دور فتن آیا تو جب بھی اس پر آشوب زمانے میں عبادت الہی میں ان کے اہنماک کا یہ عالم تھا کہ

اور کچھ اس کے سوا ہوش کی روداد نہیں

تو مجھے یاد ہے کچھ اور مجھے ... یاد نہیں (شمس بریلوی)

حُب الہی میں جب محویت و استغراق بڑھ جاتا ہے تو ایسی کیفیت

**استغراق** اور حالت طاری ہو جاتی ہے کہ صاحب حال کو نہ اپنی خبر ہوتی ہے

اور نہ خبر والوں کی خبر، حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس استغراق

و محوینہ کو نہایت ایجاز کے ساتھ اس طرح گلستان میں پیش کیا ہے۔

.. نشیندہ امی کہ سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم گفت لی منع اللہ

وقت لا یسعی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل ہ

و نہ گفت علی الدوام، وقتے۔ جبرئیل و میکائیل پر واخستے و دیگر وقت

باحفصہ و زنیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ساختے۔



اسی سلسلہ میں حدیث شریف میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، اس وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عالم استغراق میں تھے آپ نے حضرت عائشہؓ کو دیکھ کر فرمایا کہ تم کون ہو؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ میں عائشہ ہوں، آپ نے فرمایا، عائشہ کون؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی! ارشاد ہوا کون ابو بکر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست! حضرت رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد کون! غور فرمائیے کہ یہ فرمانے والی ذات گرامی خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور آپ سمجھ گئیں کہ آپ پر اس وقت کوئی خاص کیفیت طاری ہے، یہی استغراق ہے :-

یاد الہی میں یہ استغراق آپ کے فیضِ صحبت سے خلفائے راشدین کو جس طرح حاصل تھا اس کے بیان کے لئے چند صفحات ناکافی ہیں کتب سیر میں یہ واقعات تفصیل سے موجود ہیں انہی حضرات کے فیضِ صحبت سے مستفید ہونے والے حضرات کو بھی یہ استغراق عبادت میسر ہوا، حضرات تابعین کے بارے میں اس استغراق کے بہت سے واقعات کتب سوانح میں مرقوم ہیں ان کے بعد درجہ بدرجہ یہ وصف ان حضرات میں بھی پیدا ہوتا رہا جو اس مسک کو اختیار کرتے رہے جس کا نام تصوف ہے، تاریخ تصوف اور تذکرۃ الاولیاء میں تفصیل ہے ایسے واقعات موجود ہیں اور آپ کے مطالعہ سے گزر چکے ہوں گے۔

قرآن حکیم میں فقر کی واضح تعلیم اور یہ کھلا حکم موجود ہے۔

فقر :-  
يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ  
وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ه

”یعنی اے لوگو! تم اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور سزاوارِ حمد و ستائش ہے!“



اللہ تعالیٰ سے اسی امتیاج کا نام فقر ہے، فقر انسان کا وہ اعلیٰ مقام ہے جو اس میں بہت سے فضائل اخلاق مثلاً توکل، صبر اور ایثار کے اوصاف پیدا کر دیتی ہے، حوص و آرز سے محفوظ رکھتا ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وصف پر اظہارِ فخر فرمایا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، "الْفَقْرُ فَخْرِي فَقْرٌ مِرَّةً لِّئَلَّا يَفْتَخِرَ بِهِ"۔ اس فقر کے معنی غربت و تنگدستی نہیں ہیں جس کے باعث انسان کو دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا پڑے بلکہ فقر سے مراد دل کا استغناء ہے جس کے سامنے دولت کے انبار لگے ہوتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے ہم کو فقر کا بہترین سبق ملتا ہے، آپ کے سامنے دولت کے انبار لگے تھے، صحن مسجد میں عنائم کے ڈھیر لگے ہوتے لیکن آپ جب تک مستحقین پر اس دولت کو تقسیم نہیں فرما دیتے تھے آپ کو قرار اور تسکین حاصل نہیں ہوتی تھی، جو کچھ مال غنیمت سے حاصل ہوتا وہ ضرورت مندوں پر اسی وقت خرچ کر دیا جاتا اور مالیکہ کا شانہ نبوت میں بسا اوقات پیالہ بھرا دودھ اور مٹھی بھر جو کے سوا اور کچھ نہ ہوتا، اکثر کئی کئی دن گزر جاتے کہ کا شانہ نبوت میں کھانا پکانے کے لئے آگ ہی روشن نہ ہوتی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بے سرو سامانی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے تھے۔

خلفائے راشدین بھی فقر کے دلدادہ تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فقر مشہور ہے آپ کی تنگدستی کا یہ عالم تھا عقد کے وقت اپنی زرہ فروخت کر کے ولیمہ کا سامان بہم پہنچایا، دوسرے اصحاب، تابعین، تبع تابعین میں اللہ کے برگزیدہ بندے اس متاعِ عزیز کی حفاظت کرتے رہے لیکن فقر محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اب رفتہ رفتہ مفقود ہوتا جا رہا تھا حوص و آرنے اپنے چنگل پھیلا دینے تھے بیت المال جو صرف مسلمانوں کا تھا اب اس پر حاکم وقت کو کل اختیار و اقتدار حاصل تھا اور وہ اس کو اپنی خواہشات کی تکمیل پر بے دریغ خرچ کرتا تھا البتہ اس وقت ہی اللہ تعالیٰ سے کچھ برگزیدہ بندے ایسے تھے جو رسول اکرم



صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو اپنائے ہوئے تھے، چونکہ فقر و نیاوی خواہشات مثلاً حرص و آرزو، جبر و تشدد اور تن آسانی سے محفوظ رکھتا ہے اس لئے صوفیائے کرام نے اس وصف کو مسلک تصوف کا ایک ستون قرار دیا اہل اللہ اور اکابر صوفیہ نے دولت و نیا کے انباروں کو جس طرح بیچ سمجھا اور اپنے فقر کو اس سے ملوث نہیں کیا اس کی تفصیلات کتب سیر و سوانح میں موجود ہیں :-

فقر کے وصف سے فضیلت صبر پیدا ہوتی ہے یعنی انسان کو جو کچھ مال و متاع صبر سے میسر ہے اس کو کافی دانی سمجھے اور حرص و آرزو کے سیلاب پر بند باندھے رہے، راہِ حق میں اس کو جو ایذا اور تکلیف پہنچے اس کو برداشت کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے -

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

بیشک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملتا ہے۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نعمت کے حصول کے لئے اس طرح دعا فرمائی ہے :-  
اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي شُكُورًا وَاجْعَلْنِي صَبُورًا ۝

اے اللہ! مجھ کو شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا بنا دے :-

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام میں دشمنوں کی ایذا رسانی پر جس طرح صبر فرمایا اس کی تفصیل سیرت پاک کی کتابوں میں موجود ہے، صحابہ کرام نے آپ کی اتباع اور آپ کی صحبت سے بہرہ اندوز ہو کر اعلیٰ کلمۃ الحق، میں جو زحماتیں اٹھائیں اور شداہد کو جس خندہ پشیمانی سے برداشت کیا اور ایذا سے دشمن پر جس طرح صبر کیا وہ تاریخین سے پوشیدہ نہیں صحابہ کرام کے بعد تابعین حضرات نے اور پھر اولیاء کرام نے حق گوئی اور جابر حکومت کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں جن شداہد کا سامنا کیا اس کی توفیق ان کو صبر ہی کی بدولت ملی، یہی سبب ہے کہ صبر، تصوف کے مسلک کا ایک اہم رکن ہے۔







نیابت اور قربت کا اہل نہیں گردانتا تھا جب تک وہ ان فضائل سے آراستہ نہیں ہو جاتا تھا، یہاں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں ان تمام فضائل اخلاق کی وضاحت کروں اور اربابا طریقت کے احوال سے ان فضائل کی تطبیق پیش کروں، میں یہاں چند ارشاد بھی پیش کر رہا ہوں جن میں فضائل اخلاق کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان بندوں کو سراہا گیا ہے جنہوں نے فضائل اخلاق کو اپنایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

بے شبہ وہ ایمان والے کامیاب ہوئے  
 جو اپنی نماز میں خضوع و خشوع کرتے ہیں  
 اور جو نکستی باتوں پر دھیان نہیں دیتے اور جو زکوٰۃ  
 دیا کرتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت  
 کرتے ہیں (نصیف و پاکدامن ہیں)

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ  
 هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ  
 هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ  
 هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ  
 لِأُجُوبِهِمْ حَافِظُونَ ۝  
 وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْمِهِمْ  
 رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ  
 يُحَافِظُونَ ۝

ذیل کی آیات پر غور کیجئے ایک مومن کی نشانیاں کس قدر صراحت کے ساتھ بیان کر

دی گئی ہیں۔

نیکی یہی نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق  
 یا مغرب کی طرف کرو بلکہ اصل نیکی اس میں ہے  
 جو اللہ پر ذات پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں  
 پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا اور خدا کی محبت میں  
 اپنا مال، رشتہ داروں کو، یتیموں کو، غریبوں کو  
 (مساکین کو) مسافروں کو مانگنے والوں اور غلاموں

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ  
 قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ  
 بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ  
 وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَرَأَى الْمَالَ عَلَىٰ  
 بَيْتِهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ  
 ابْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ



وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُؤْتُونَ  
بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ  
فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَرَحِينَ الْبَأْسِ  
أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ  
هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

کے آزاد کرانے میں خرچ کیا اور نماز ادا کی، زکوٰۃ  
دیتا رہا اور وعدہ کر کے اپنے وعدے کو پورا  
کیا اور جو مصیبت میں تکلیف اور کافروں سے  
لڑائی میں ثابت قدم رہا یہی وہ ہیں جو راستباز نہیں  
اور وہی تقویٰ والے ہیں (سورۃ

استقامت، راست بازی، ایثار، صدقہ اور ایفائے عہد کے ساتھ ہی ساتھ نماز میں  
حضور قلب اور ارکان ایمان کی اہمیت کو باری تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں صراحت کے ساتھ  
ارشاد فرمادیا تاکہ مسلمان اس کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں۔  
الغرض فضائل اخلاق سے آراستہ بندوں کو باری تعالیٰ نے خوب سراہا ہے اور  
بتایا ہے کہ یہ اہل ایمان کی نشانیاں ہیں اور صاحبان تقویٰ ان اوصاف کے حامل  
ہوتے ہیں۔

نظریہ تصوف میں طریقت و معرفت، ان تمام کمالات روحانی اور فضائل انسانی  
کو اپنے اندر سمونے ہوئے ہے اب آپ اللہ اور بزرگان دین کی پاکیزہ زندگیوں کا  
جائزہ لیجئے اور دیکھئے کہ قرآن حکیم کے اس نظام اخلاق پر پورے اترے ہیں یا نہیں  
حضرت ابوذر غفاری، حضرت خواجہ حسن بصری، حضرت شعبان ثوری مسک تصوف کے عماد  
ہیں، ان حضرات کے بعد مسک تصوف کی جلوہ سامانیوں نے اطراف و اکنات حجاز، مصر و  
عراق و عجم اور شام کو نور ایمان سے منور فرمایا، انہی اوصاف اور کمالات روحانی کے باعث  
عوام و خواص میں اس نظریہ معرفت یا تصوف نے بہت جلد قبولیت حاصل کر لی، ارباب معرفت  
و تصوف نے لاکھوں بھٹکے ہوئے بندوں کو باویہ ضلالت سے نکال کر سیدھے راستے پر لگا دیا۔  
دوسری صدی ہجری سے شروع ہونے والی یہ روحانی تحریک خوب پھولی پھلی اور  
بہت جلد لاکھوں انسان اس تحریک سے وابستہ ہو گئے اس تحریک اور اس نظریہ روحانی



سے وابستگی کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھا بلکہ یہ ایک بڑی کٹھن اور دشوار گزار منزل تھی لیکن یہ تحریک اور یہ نظریہ کچھ ایسی روحانی کشش رکھتا تھا کہ اس راہ کی زہرہ گوانہ دشواریوں کے باوصف بڑے ذوق و شوق سے اس راہ پر خطر میں اربابِ عشق و محبت اور طالبانِ مولا نے اپنے قدم رکھ دیئے تھے، مرشد کی طرف سے سخت ریاضتوں اور مجاہدوں پر مامور ہونے سے باوصف، محبت کے یہ متوالے، باغ و بہار دنیائے نکل کر انسان اور ویلن گوشوں میں آ بیٹھے اور پھر فلوت میں، ذکر الہی قیام اللیل اور صوم ہائے داؤدی کی ادائیگی اس پر مستزاد لیکن راہِ الفت میں جان کی بازی لگانے والوں کو یہ سب کچھ گوارا تھا۔

دوسری، تیسری صدی ہجری میں "تصوف" صرف ایک عملی منہاج تھا، اس پر علمی مویشگافیوں کے دبیر پردے ابھی تک نہیں پڑے تھے لیکن جیسے جلیبہ وقت گزرتا گیا اس کی علمی حیثیت بڑھتی گئی اور آخر کار جلد ہی اس پر فاسقانہ رنگ غالب آ گیا، تصوف میں نظریہ وحدت الوجود کو جگہ مل گئی، اس نظریہ کی آمیزش سے تصوف کے مسلک کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ پہنچا۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی بلند پایہ تصنیف "فتوحات مکیہ" اور "فصوص الحکم" اسی نظریہ وحدت الوجود کی ترقی یافتہ اور جامع ترجمان ہیں لیکن شیخ اکبر کو نظریہ وحدت الوجود کا بانی نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ اس کے عظیم شارح اور ترجمان ہیں البتہ اس نظریہ کو علمی شکل میں جس شان سے شیخ اکبر نے پیش کیا اس طرح اب تک یہ نظریہ روشناس خواص نہیں ہو سکا تھا۔

نظریہ وحدت الوجود چوتھی صدی میں موجود تھا اور حضرت شیخ الطریق ابو سعید ابوالخیرؒ اس نظریہ کے علمبردار تھے ان کو یہ نظریہ سلسلہ بہ سلسلہ سید الطائف جنید بغدادی سے حاصل ہوا تھا اس موضوع پر آئندہ صفحات میں مزید تفصیل پیش کروں گا!

فرد کی زندگی اور ماحول میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور ماحول کے تار و پود اقتدارِ اعلیٰ کے ہاتھوں سے تیار ہوتے ہیں مثل مشہور ہے الناس علیٰ دین ملوکہم، یہ دین



ملوک کیا ہے حکومت اور اقتدار کے مقتضیات، اسے احکام کی بے چون و چرا پذیرائی اور اس  
اقتدار اعلیٰ کی پذیرائی، حکومت کے اشاروں پر اپنی زندگی کے رخ کو موڑ دینا ہے، تاریخ  
کے ہر دور میں ایسی تبدیلیاں آپ کو نظر آئیں گی، خلافت راشدہ کا صالح ماحول دیکھئے اور  
پھر اس کے بعد نبی امیہ کے دور میں شخصی سلطنت اور اس کے جبروت کی کار فرمایاں دیکھئے،  
عباسی سلطنت میں تن آسانی اور عیش کوشی کے رنگین مرتبے آپ کے سامنے آئیں گے، فنون  
لطیفہ کی پرورش اور عوام میں اس کی قبولیت صدائے ناؤ و نوش اور طاؤس و رباب کی  
جھنکاروں سے بغداد ہی کی نہیں بلکہ تمام قلمرو عباسیہ کی رانیں فر دوس گوش جنت نگاہ کا نقشہ  
آپ کے سامنے پیش کریں گی، بناوٹیں، شورشیں، قتل و غارتگری اس دور کے حیرت انگیز مشاغل  
ہیں، بزم کے ساتھ ساتھ رزم کا جائزہ لیجئے تو حصول اقتدار کی کش مکش، باپ کے ہاتھوں بیٹے  
کا قتل اور بیٹے کی قیل تپیدہ مظلوم و ستم رسیدہ باپ کی آنکھوں میں آپ کے نظر آئے گی، محل  
شاہی میں لونڈی اور غلاموں کی بہتات اور ان کے ہاتھوں میں شاہ وقت کا باز بچہ، اطفال  
بن جانا تاریخی حقیقتیں ہیں، نفس پروری اور عشرت کوشی کا اس سے اندازہ کر لیجئے کہ خلافت  
عباسیہ میں سوائے ابن الرشید کے تمام سلاطین یا امراء المسلمین کنیزوں کے بطن سے پیدا ہوتے  
ہیں اور ان کنیزوں کو ام دلاہ ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے، ان کے نام تاریخ نے آج تک  
محفوظ رکھے ہیں۔ ان رنگینیوں اور عیش کوشیوں کے تحت جو سماج موجود ہیں آیا اور جس ماحول  
نے تشکیل پائی وہ طاؤس و رباب کی جھنکاروں سے گونج اٹھانا و نوش کی صدا میں ہر کوچہ و  
بازن سے بلند ہونے لگیں امتداد زمانہ ان رنگینیوں میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ  
عذاب الہی سیل تا تار بن کر نازل ہوا اور صرف بغداد ہی نہیں بلکہ اکثر ممالک اسلامیہ کی اس نے  
اینٹ سے اینٹ بجا دی اور لاکھوں مسلمانوں کے خون سے تاتاریوں کی تیغ خون آشام نے  
اپنی پیاس بجھائی غرضیکہ اسلامی اقدار، اسلامی اصول اور شعائر مذہبی سے بے پردائی اور  
تین آسانی کی یہ تند ہوائیں دوسری صدی ہجری سے چلنا شروع ہوئیں اور مقتصر ہائے قتل



تاتار کی بربادی تک اس قدر تند رہی ہو گئیں کہ ان کے سامنے عزم و تجاہت جرات و شجاعت کا ٹھہرنا ہی مشکل ہو گیا۔

ایسے شکست خوردہ ماحول میں کچھ علمائے حق فریب خوردہ اور دہشت مہمت مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرتے رہے لیکن وہ بیدار نہیں ہوئے، صوفیائے کرام نے متاعِ محبت و ایمان کو سینے سے لگائے ہوئے ایسے پُراشوب ماحول سے نکل جانے ہی کو غنیمت سمجھا اور شہروں اور بستیوں سے کوسوں دور دیوانوں کو انہوں نے اپنا مستقر اور کن ستقر بنایا اور یہاں وہ ذکر الہی کی خلوتیں آباد کرتے رہے اور دنیا نے اسکو رہبانیت سے تعبیر کیا۔ ان کو اس کی پرداہ نہیں تھی دنیا جو کچھ کہتی ہے کہا کرے۔

قرن سوم و چہارم ہجری کے اربابِ طریقت اور اصحابِ تصوف کے حلقوں میں وحدت الوجود کے نظریہ اور انکار کی قبولیت نے اس درجہ ترقی کی کہ صوفیائے کرام نے صرف اتصال و قرب خداوندی کو اپنا نصب العین بنا لیا اور اس نصب العین کے سوا دوسرے اقدار شرعی کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی یہاں سے فقہاء اور صوفیاء کے درمیان ایک نزاع شروع ہو گیا۔ اس لئے کہ اصحابِ شریعت کی نظریں، وحدت الوجود، کا نظریہ توحید اسلام کے منافی تھا، لیکن اس دور کے تمام صوفیاء اس نظریہ کے علمبردار نہیں تھے۔ ان دونوں صدیوں میں ایک طرف تو صوفیائے کرام کا ایک طبقہ ایسا تھا جس کی حرارتِ عشقِ حقیقی، اور شوریدگی درجہ کمال پر پہنچ گئی تھی اور ان کا تصوفِ کامل عیار اور پختگی کی صفت سے آراستہ تھا اور ایک طبقہ صوفیاء کا ایسا تھا جو سیر و سلوک، نہجِ گفتار اور طرزِ رفتار میں قرن دوم کے صوفیائے کرام سے مشابہت خاص رکھتا تھا، صوفیائے کرام کے یہ دونوں طبقے تصوف کے اصول و مبانی میں مشترک تھے لیکن باہمیہ برگرودہ کا ایک خصوصی طرز اور انداز موجود تھا، یعنی سرگروہ کی خصوصیت کو اپیلے ہوئے تھا جس کے باعث وہ دگرے گروہ سے ممتاز و متمیز تھا، اس طرز کی پختگی نے یہ مقام حاصل کر لیا کہ آج تک مختلف سلاسل اور طبقاتِ صوفیہ میں یہ خصوصیت



برقرار ہے۔

اس قرن میں شخصیت، پیر و مرشد کے اقتدار اعلیٰ کے نظریہ نے بڑا فروغ حاصل کیا، ہر گروہ کامل طور پر ایک پیر یا ایک مرشد کی رہنمائی اور سرپرستی کے تحت آ گیا اس طرح مرشد یا پیر کا اپنے مریدوں پر کامل تسلط ہو گیا جو ان کے تمام اعمال کا نگران بن گیا۔ اور اس طرح "آداب مرشد و مرید" میں تصوف کی تعلیمات کا ایک موضوع بن گیا۔ العوارف الممارت میں جو شیخ الشیوخ شہاب الدین بہروردی کی مشہور زمانہ تصنیف ہے اس کو ایک مستقل عنوان بنایا گیا ہے، محض آداب المریدین جو مشائخ کرام نے تصانیف مرتب فرمائی ہیں الغرض یہ نظریہ خوب پھولا پھلا، بالکل اسی طرح جیسے فقہ اسلامی میں اجتہاد کے بعد تقلید! اب میں قرن سوم کے مشاہیر صوفیائے کرام ادا سن کی سنوات وفات کو پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین مقدمہ کے علم میں آجائے کہ قرن سوم ہجری میں کیسے کیسے ارباب صفا اور اصحاب طریقت موجود تھے۔

۱۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ	سال وفات ۲۰۰ھ
۲۔ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ	۲۱۵ھ
۳۔ حضرت بشرحانی رحمۃ اللہ علیہ	۲۶۶ھ
۴۔ حضرت حاتم بن صفوان، امم رحمۃ اللہ علیہ	۲۲۶ھ
۵۔ حضرت شیخ عارت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ	۲۲۳ھ
۶۔ شیخ الطریقیت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ	۲۲۵ھ
۷۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ	۲۵۳ھ
۸۔ حضرت شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ	۲۵۸ھ
۹۔ حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ	۲۶۱ھ
۱۰۔ حضرت شاہ شجاع کرمافی رحمۃ اللہ علیہ	۲۶۰ھ



- ۱۱۔ حضرت شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سال وفات ۵۲۸۳ھ
- ۱۲۔ حضرت شیخ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ " " ۵۲۸۸ھ
- ۱۳۔ حضرت شیخ ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ " " ۵۲۹۵ھ
- ۱۴۔ حضرت سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ " " ۵۲۹۶ھ
- ۱۵۔ حضرت شیخ مشاد بنودی رحمۃ اللہ علیہ " " ۵۲۹۹ھ

شیخ الطریقیت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ صاحب کتاب التلمیح، "بہت ہی تیسری صدی ہجری کے مشاہیر صوفیہ میں سے ہیں لیکن چونکہ آپ چوتھی صدی ہجری میں درجہ کمال کو پہنچے اور آپ کی مذکورہ تصنیف بھی چوتھی صدی ہجری کی ہے اس لئے آپ کا ذکر، قرن چہارم ہجری میں کیا جائے گا۔ یہاں آپ کا ذکر اس لئے کر رہا ہوں کہ صاحب کتاب التلمیح نے اخیر کتاب میں یعنی وسط قرن چہارم تک دو سو صوفیائے کرام کا ذکر کیا ہے، میں نے صرف مشاہیر اصحاب تصوف کا ذکر کیا ہے جو قرن سوم میں گزرے ہیں اور ان میں سے ہر ایک بزرگ اپنے وقت کا سرخیل ارباب تصوف، صاحب ارشاد و ہدایت گزرا ہے اور عصر حاضر کے سلاسل صوفیہ میں ان کی ذات گرامی کسی نہ کسی سلسلہ المذہب کا ایک حلقہ زریں کی شکل میں آج بھی شامل ہے ان حضرات میں بعض صاحب تصنیف بھی ہیں جیسے شیخ عارف محاسبی اور سید الطائفہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہا، ان تصانیف کی تفصیل آئندہ سلسلہ بیان میں کہیں پیش کروں گا۔



## قرن چہارم اور پنجم

چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں "تصوف" نظری اور عملی طور سے ایک مستقل طرز بندگی اور اصولِ قرب الہی کے واسطہ کی اساسی حیثیت سے نمودار ہو چکا تھا۔ صوفیائے کرام کے سلاسل یا اخراب پیدا ہو چکے تھے، ان مختلف سلاسل کے طریقے اور لوازم سلوک ایک دوسرے سے بتائیں اور مختلف تھے، اس وقت تک دنیا نے تصوف میں بارہ مشہور فرقے یا اخراب پیدا ہو چکے تھے لہٰذا ان میں سے دو گروہ مردودِ عوام و خواص تھے اور دس مقبول و محبوب !!

ہر ایک طائفہ کے سرخیل کا حلق تیسری صدی ہجری کے ان مشاہیر بابِ طریقت سے تھا جن کا ذکر میں ابھی کر چکا ہوں، ان دس طائفوں یا اخراب تصوف میں معاملات مجاہدات، مشاہدات اور ریاضت میں تو اختلاف ہے لیکن اصول میں سب متحد ہیں، اصولِ فرع شرع میں باعتبار عمل اور اعتقادات طوائف متفق ہیں ان بارہ فرقوں یا اخراب میں سب سے پہلا طائفہ محاسبیہ ہے۔

۱۔ محاسبیہ :- یہ طائفہ شیخ الطریقت ابو عبد اللہ عارث محاسبی متوفی ۲۱۲ھ سے منسوب ہے، یعنی شیخ محاسبی رحمۃ اللہ علیہ اس طائفہ کے سرخیل تھے، خراسان کے اکثر و بیشتر صوفیائے کرام اسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ صوفیہ عراق کے نظریات اس طائفہ سے مختلف ہیں۔  
۲۔ قضاویہ :- یہ دوسرا طائفہ ہے۔ اس طائفہ کے پیشوا اور سرخیل شیخ الطریقت

۱۰ :- تاریخ کرام میں نے اس مقدمہ میں جہاں جہاں لفظ قرن استعمال کیا ہے اس سے مراد صد ہجری

۱۱ :- اس کو عبوی صدی پر معمول نہ کیا جائے۔

۱۲ :- برصغیر پاک و ہند ابھی اس نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوا تھا۔



ابوصالح صدوق رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس طائفہ کا طریقہ اور مسلک تصوف میں ملامت کا اظہار اور اس کی نشرو اشاعت سے اس طائفہ کا بنیادی خیال یہ ہے کہ اس راہِ طریقت میں صوفی کے لئے حجابِ عظیم اور سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ اس کی ذات منظرِ عجب و نحوث بن جائے اور خلق میں مقبول نہ ہو جائے یعنی خلقِ خدا اس کی رفتار و گفتار کو پسند کرنے لگے اور لوگ اس کو تعریف کرنے لگیں، یہ طائفہ ملامتیہ کے لقب سے مشہور ہے سلسلہ ملامتیہ کا مشہور ترین طبقہ، قلندر یہ ہے۔

۳۔ تیسرا طائفہ طیفوریہ ہے۔ یہ شیخ الطریقت بایزید بسطامی (بایزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی) اس کے سرخیل ہیں، اس طائفہ کا طریقہ، غلبہ و سُکر ہے، واضح ہو کہ "غلبہ حق اور سُکرِ درستی" جس کتب سے نہیں ہیں کہ انسان جب چاہے اس کو اپنا لے!!

حضرت بایزید بسطامی "کامسک" سُکر سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے طریق، صحو کے بالکل برعکس اور مخالف ہے، حضرت جنید اور ان کے تبعین کی نظر میں، سُکر محل آفت ہے، سُکر میں تشویشِ احوال ناگوار ہے، صحت جسمانی کو بھی اس سے نقصان پہنچتا ہے اور صاحبِ سُکر اپنی خودی اور وجود کے سررشتہ کو ہی گم کراتا ہے، صاحبانِ سُکر کے شطیحات مشہور ہیں جن کے الفاظ ظاہری شرعاً قابلِ مواخذہ ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی کے اقوال از قسم شطیحات مشہور و معروف ہیں۔ شیخ منصور حلاج بھی صاحبِ سُکر تھے۔

۴۔ چوتھا طائفہ، جنیدیہ ہے اس کے سرگروہ اور رئیس طائفہ شیخ الطریقت سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بن محمد نہاوندی، بغدادی ہیں۔ اس طائفہ کی اساس طریقت، مراقبہ باطن، تزکیہ قلب، تزکیہ نفس، فضائل اخلاق کو اپنانا اور ہر موقع پر طریقت و شریعت کے مابین تطابق و توافق پیدا کرنا ہے، اس طائفہ کے مسلک کا بنیادی اصول "صحو" معہ سُکر ہے۔



۵۔ پانچواں طائفہ نور یہ ہے، اس کے سرخیل شیخ الطریقیت ابو الحسن احمد بن محمد النوری ہی (م ۳۰۰) ہیں آپ کے مسلک میں عزت اور خلق خدا سے کنارہ گیری پسندیدہ خصلت نہیں ہے آپ نے اس کی مذمت کی ہے آپ نے اور آپ کے متبعین نے معاشرت اور صحبت انہائے جنس کو اپنایا ہے اور اس کو پسندیدہ خصلت شمار کیا ہے، آپ کے مسلک میں ایشیا، کومایاں حیثیت حاصل ہے۔ شیخ نوری "شیخ اقام" اور شیخ حمزہ کے سلسلہ میں کتب تصوف اور کتب تاریخ میں ایشیا کا ایک عجیب و غریب واقعہ موجود ہے جس نے خلیفہ یا شاہ وقت کو اب لوگوں کے قتل سے باز رکھا (تفصیل کے لئے دیکھئے کشف المحجوب)۔

۶۔ چھٹا طائفہ یا حزب صوفیہ، "سُجُوبِیَّة" ہے یہ طائفہ شیخ الطریقیت سہیل بن عبد اللہ تیسری (م ۲۸۳) سے منسوب ہے۔ شیخ طریقیت سہیل بن عبد اللہ تیسری کا طریقہ، اجتہاد مجاہداتِ نفس اور ریاضت سے یعنی اس گروہ کے افراد مجاہدہ اور ریاضتِ نفس اور نفس کے خلاف عمل کو سالک کی راہ نجات اور غایت مطلوب تک رسائی کا ذریعہ اور موجب سمجھتے ہیں یہ حضرات ریاضت، مجاہدہ اور خلافتِ نفس کو ایک سالک کے تمام وظائف اور اعمال پر مقدم سمجھتے ہیں۔

۷۔ ساتواں طائفہ، حکیمیہ ہے یعنی پیر داں ابو عبد اللہ محمد بن علی حکیم ترمذی، حکیم ترمذی تیسری صدی ہجری کے مشاہیر صوفیہ میں سے ہیں آپ کے مسلک کی بنیاد، نظریہ ولایت ہے آپ نے ولایت کو طریقیت کی بنیاد گردانا ہے اور دیگر تمام صوفیائے کرام نے ولایت کو تصوف کی اساس جانا ہے اور آپ نے اس کو "حقیقتِ طریقیت" سمجھا ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ:-

"مراحل سلوک کا، کسی دل کی رہنمائی کے بغیر قطع کرنا کسی طرح ہی مفید نہیں ہو سکتا"

۸۔ صاحب سنن ترمذی ایک دوسری شخصیت ہے، لفظ ترمذی سے بعض حضرات حساب

سنن ترمذی سمجھنے لگتے ہیں اس لئے یہ وضاحت کی گئی ہے۔



۸: آٹھواں طائفہ خرازیہ ہے یہ طبقہ شیخ الطریقیت ابوسعید خرازدوم ۲۸۰ھ کا ہے، شیخ ابوسعید خرازیہ ہی سب سے پہلی صدی ہجری کے شاہراہ اب تصوف سے ہیں، آپ کے مسک کی اساس "فنا و بقا" ہے، یہ موضوع مسائل تصوف یا موضوعات طریقیت ہیں سب سے زیادہ اہم اور رفیق ترین موضوع ہے، یہ گروہ اپنے نظریہ کی صداقت کا استدلال اس ارشاد ربانی سے کرتا ہے۔

كُلٌّ مِنْ عَلَيْهَا فَا ن وَ بَيْتِي وَ جِه رِبِكْ ذَو الْجَلَالِ وَ الْاَكْرَامِ

اور

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ

مسک خرازیہ کے نظریہ کی اساس ہی ارشادات باری تعالیٰ ہیں۔ "فنا و بقا" کے نظریہ کی توضیحات و توجیہات میں آپ کے متبعین نے عجیب و غریب نکتہ آفرینیاں کی ہیں، اس طائفہ کے تمام متبعین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ "بندے کے تمام اوصاف فنا ہو جانا چاہئے تاکہ بقائے تام حاصل ہو سکے۔"

۹۔ نواں طائفہ "خضیفیہ" کا ہے جس کے سرخیل شیخ الطریقیت عبداللہ محمد بن خضیف رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے متبعین ہیں ان کے مسک اور نظریہ تصوف کی اساس، غیبت و حضور سے، حضور سے مراد دلالت یقین پر "حضور سی قلب" سے تاکہ حکم غیبی حکم عینی بن جائے اور غیبت و بفتح اول سے مراد حق تعالیٰ کے سوائے، تمام موجودات سے دل کی غیبت ہے یہاں تک کہ سالک کو اپنی ذات سے ہی غیبت حاصل ہو جائے، اس کی علامت رسومات سے اعراض ہے۔ حضرات مشائخ میں سے یعنی حضرات نے، غیبت پر "حضور" کو مقدم رکھا ہے اور بعض نے اس کے برعکس، غیبت و حضور اور "سکر و صحو" میں فرق ہے، "سکر و صحو" میں دونوں اوصاف کی نہیں پائی جاتی ہے اور غیبت و حضور میں تمام اوصاف فنا ہو جاتے ہیں پس یہ مرتبہ "سکر و صحو" سے کہیں بڑھ کر ہے۔



۱۰۔ دسواں طائفہ "شیاریہ" ہے اس طائفہ کو شیخ الطریقیت شیخ ابوالعباس شیاری سے نسبت ہے، صاحب کشف المحجوب ان کو پیشوئے "مرو" بناتے ہیں، آپ صاحب کشف المحجوب کے معاصرین میں سے ہیں، طائفہ شیاریہ کے مسلک طریقت کی بنیاد "جمع و تفرقہ" ہے، جمع و تفرقہ کے معنی عرفان کی نظر میں یہ ہیں کہ جو کچھ سالک کی ذات سے منسوب ہے وہ "تفرقہ" ہے اور جو کچھ خداوند تعالیٰ کے مواہب و عطا یا سے ہے وہ "جمع" ہے، بندے کے مکاسب اس کے دظائف زندگی پر قیام کے جو نتائج ہیں یہ سب کے سب "تفرقہ" ہیں، مواہب الہیہ اس کے الطاف و احسان اور فضل خداوندی ہے، یہ سب "جمع" ہے۔

مندرجہ بالا ان طوائف یا فرقوں کو عوام و خواص میں قبولیت اور پسندیدگی حاصل ہے اور جو فرقے مطرود و مردود ہیں وہ حلولیبہ اور دینوریہ "ہیں یہ دونوں فرقے حصول یا امتزاج اور نسخ ارواح کے قائل تھے، ان کو عوام و خواص میں کبھی بھی قبول حاصل نہیں ہوا جس طرح ارباب شرع نے ان کو رد کیا اسی طرح اصحاب طریقت نے بھی ان کو مردود گردانا۔ یہ دونوں فرقے "فرق ضالہ" میں شمار کئے گئے اور اب دنیا سے مٹ چکے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری تک صوفیائے کرام کے یہ مشہور و معروف طوائف تھے جن کا میں نے آپ سے تعارف کرایا، اس قرن سے پہلے طریقت سے مراد تھی اخلاقیات و تہذیب اخلاق، اور قوائے روحانی کی پرورش، اور خواہشات طبعی پر پھر پور قدرت کا حصول، باطن کا تصفیہ، زاہدانہ زندگی اور طلب تصرف میں دنیاوی علائق سے امراض، یہ صورت حال قرن سوم تک برقرار رہی، اس قرن تک نظریہ تصوف میں انفرادیت... کارفرما تھی۔

قرن چہارم اور اس کے بعد آنے والے فرقوں میں طریقت میں یہ انفرادی شان باقی نہیں رہی بلکہ وہ طوائف، اخراب یا مختلف گروہوں کی شکل میں نظر آنے لگی، زاہدانہ زندگی و اوصاف سے متصف فرد کی شخصیت کو مرشد یا شیخ کی حیثیت سے تسلیم کرنا تو کوئی نئی



بات نہیں تھی یہ سلسلہ طریقت میں اس نظریہ کے قیام سے منسلک چلا آ رہا تھا لیکن ایک شیخ کے بہت سے مریدین کا ایک مخصوص جماعت یا طائفہ سے خود کو منسوب کر لینا تیسری صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ یہ پیردان طریقت مختلف قوموں یا فرقوں میں بٹ گئے اور مسلک طریقت کے متبعین نے اپنے اپنے مخصوص گروہ اور جماعت کے لئے مختلف نظام تربیت مختلف نظریات قرب الہی کے حصول اور تزکیہ باطن کے لئے قائم کئے جیسا کہ آپ ۱۰ طوائف کے تعارف میں مخصوص نظریہ کی پیروی اور ایک خاص حال و مقام کو اپنانے کے سلسلہ میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ ایک طائفہ نے فنا و بقا کو نصب العین ٹھہرایا، ایک دوسرے طائفہ نے جمع و تفریق کو اپنے مسلک کا محور بنا یا ایک جماعت نے، غیبت و حضور، کو اپنا کر منزل قرب کا راستہ طے کرنا شروع کیا!

جب طریقت کے نظریہ پر معاشرت کا رنگ چڑھا لیتی ایک صاحب باطن اور خدا رسیدہ شخصیت نے اپنے زہد و اتقا، مجاہدہ اور نفس کشی سے لوگوں سے دور رہتے ہوئے بھی شہرت کی بلندیوں کو چھو لیا تو وہ ایک شیخ طریقت اور مرشد بنکر انفرادیت سے اجتماعیت کے دائرے میں داخل ہو گیا اس وقت مرشد کی اطاعت و فرمان برداری بھی آداب طریقت کا ایک جزو لانیفک بن گئی، مرشد اور شیخ کے حقوق کی رعایت حد سے زیادہ کی جانے لگی۔ یہاں تک کہ جب ایک فرد طریقت کے راستہ پر قدم رکھ کر ایک مرید کی حیثیت سے ایک شیخ سے بیعت کر لیتا تھا تو اس کے معنی یہ تھے کہ اس نے کامل طور پر خود کو مرشد کی سپردگی میں دیدیا! پھر وہ ریاضت و مجاہدہ، عزلت نشینی یا بادیہ پیمائی پر مامور کیا جاتا ہر طائفہ طریقت میں مریدین کا یہ نظام بھی جداگانہ نوعیت کا تھا، ان میں بھی یکسانیت نہیں تھی ہر طائفہ اور ہر گروہ کا نظام مریدین جداگانہ تھا جس طرح اس عملی زندگی میں طوائف مرتبہ میں تنوع اور رنگارنگی تھی۔ اسی طرح مسائل نظری میں بھی ان فرقوں کے مابین یک رنگی مفقود ہو گئی جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں ہر فرقہ یا شیخ کے مریدین و متبعین کے لئے طریقت کے احوال گونا گوں اور



مقامات بوقلموں سے ایک مقام یا ایک حال کو پیر طریقت نے سلوک کا محور یا اساس قرار دیدیا۔ کسی شیخ نے توکل کو اپنی طریقت کی اساس قرار دیا، کسی نے مقام، رضا، کو نصب العین قرار دیا، کسی نے نظریہ دلایت، کو سلوک کا مہنی ٹھہرایا اور کسی نے "ایثار" کو اس راہ میں اپنا مطیع بنایا اور اس شیخ کے متبعین و مریدین یہ کہہ کر اس پر پورے انہماک سے کار بند ہو گئے کہ:-

بے سجادہ رنگین کن گرت پیرمضاں گوید کہ سالک نے خبر ہو ذرا راہ در ہم منزل ہا

دنیا سے تصوف میں چوتھی صدی ہجری مختلف طوائف سر یہ کے خصوصی نظریات پر اجمالا لکھا جا چکا ہے اور ہر ایک فرقہ کی انفرادی خصوصیت کو ہی نمایاں کر دیا گیا ہے اب آپ کی توجہ ایک ایسی قدر مشترک کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو تصوف کے تمامی طوائف میں پائی جاتی ہے اور اس میں انفرادیت کا رنگ نہیں ہے بلکہ ہر طائفہ تصوف نے اس کو اپنایا ہے اور آج بھی کہ "مسک تصوف" پر بارہ سو برس سے زیادہ گزر چکے ہیں وہ اسی طرح اپنے ابتدائی رنگ اور نہج کے ساتھ موجود ہے، یہ ہے "سند شجرہ کرسی نامہ" یا کرسی نامہ، ہر طائفہ اپنے سلسلہ کے مشائخ مرشدین کو چند واسطوں کے ایصال کے ساتھ حضور سرور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے، امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ واسطے کرسی نامہ یا شجرہ میں بڑھتے گئے ہیں اور اب تو بیسیوں اسمائے گرامی بطور واسطے کرسی نامہ میں مشترک ہوتے ہیں، پہلے صرف چند نام ہی ہوتے تھے اور شیخ کا سلسلہ نسبت سرور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا تھا۔

سند یا کرسی نامہ کا طریقہ اس طریقے سے بالکل مشابہہ کہ علمائے حدیث، حدیث کی

صحت کے ثبوت کے لئے اپنے رواد کا سلسلہ سرور ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں۔

جس میں کذب کا شائبہ نہیں ہوتا، صوفیائے برصغیر اور ایران کے اکثر و بیشتر سلاسل کا منتهی

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ کی ذات گرامی سے بعض سلاسل امیر المسلمین حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ پر منتهی ہوتے ہیں، برصغیر ہندو پاک کا نقشبندی سلسلہ آپ ہی کی ذات گرامی



پر ختم ہوتا ہے، ان سلاسل کی درمیانی کڑیوں کے باور کرنے میں کوئی احتمالہ بائیس و پانچ کی گنجائش نہیں ہے؛ متعدد سلاسل کے یہ تمام واسطے ایک تاریخی حقیقت ہیں البتہ کسی واسطے سے تقدم یا تاخر کا احتمال ممکن ہے۔ ان سلاسل کی اسناد کا یہ صدق ہدایت اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ طریقت کی تعلیم کسی زمانہ میں بھی غیر اسلامی نہیں رہی ہے اور ہر سلسلہ کے واسطے ایسی بلند پایہ شخصیتیں ہیں جو شریعت میں بھی بلند مقام کی حامل رہی ہیں۔

## تصوف قرن پنجم میں

جس طرح قرون سابقہ سیاسی اور عمرانی ہرج و مرج کی داستانیں اپنے روز و شب کے دامن میں سمیٹے ہوتے ہیں ان فرقوں میں ہونے والی جنگوں، قتل و جدال، غارتگری کی قوتیں داستانیں تاریخ کے صفحات پر آج بھی درج ہیں، اس طرح قرن پنجم بھی سکون و پرامن ماحول کا پیام لے کر نہیں آئی بلکہ خلافت عباسیہ کے حکمرانوں کی فتنہ سامانیوں سے ہر روز ایک نئی تباہی کا عوام کو سامنا کرنا پڑتا۔ بغداد کبھی امن و امان کا گہوارہ، علم و فضل کا مرکز، شان و شکوہ کا مرقع تھا اب تباہیوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا استقلال و استحکام سلطنت نام کی کوئی چیز اب باقی نہیں تھی، عباسیوں کا عروج یکصد سالہ تیسری صدی ہجری ہوں دم توڑ چکا تھا، خلافت عباسیہ یا طوکت عباسیہ کا آغاز ربیع الاول ۱۶۲ھ میں ہوا اور اس کے خاتمے کا سال ۶۵۶ھ ہے، سلطنت عباسیہ کا دور عروج ۱۳۳ھ سے ۲۳۲ھ تک بہند ہے یعنی سفاح کی تخت نشینی سے واثق باللہ ابن مقشرم باللہ تک، عباسی حکومت کا یہ زوال کچھ غیر متوقع نہیں تھا، ہارون الرشید کے بعد ابن مامون کے مابین تخت سلطنت کے حصول کے لئے خونریز جنگ، امن کی شکست، اس جنگ میں ہزاروں بندگان خدا کا خون بہہ گیا، فتنہ خلق قرآن اور مسلمانوں کی بے بسی امام احمد غنبل رضی اللہ عنہ پر جبر و تشدد اور زوال برعکھ نے اس عروج سلطنت عباسیہ کو



زوال آشا بنار یا اور اسی صدی میں حصول تخت تاج کے لئے باپ کا بیدریغ سل یعنی مستنصر باند نے اپنے باپ المتوکل باللہ کو قتل کر کے تخت سلطنت حاصل کر لیا، ترکوں کا حکومت بر اقتدار اور عباسی بادشاہ کا ان کے اشارہ چیم روبرو پر عمل کرنا منہدی باللہ کے دور کی شورشیں جن میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہ گیا، فرنگیوں کی بصرہ پر یغارا اور مسلمانوں کی تباہی، باطنیوں اور قرامطہ کا زور پکڑنا، اہل سنت و جماعت پر ظلم کی فراوانی، ابوطاہر قراہلی کے ہاتھوں مکہ منظر میں حجاج کرام کا بیدریغ قتل ۳۲۳ھ میں دیالمہ کا عروج، ترکوں کے اقتدار کا زوال، شیعہ سنیوں میں خونریز فساد، معزالدولہ کی پشت پناہی اور شاہراہ سلطنت کا قتل عام!

۳۵۶ھ میں تمام دمشق پر قرامطہ کا قبضہ ہزاروں سنیوں کا تہ تیغ ہونا۔ اقلیم مغرب، مصر اور عراق کا شیعوں کے قبضے میں چلا جانا ۳۹۸ھ میں پھر بغداد میں شیعہ سنی فساد اور عظیم خونریزی! ایران کا عباسیہ حکومت کے قبضے سے نکل جانا اور سلجوقیوں کا اکثر صوبہ ہائے فارس پر قبضہ جس کے نتیجے میں ہزاروں سپاہیوں کا خون بہ گیا۔

یہ تھے تیسری اور چوتھی صدی کے شہر آشوب کا ایک اجمالی خاکہ، ۴۱۲ھ میں قائم بامراشد تخت نشین ہوا اور دشمنوں کی بغاوتوں کو فرد کرنے میں ہزاروں مسلمان کام آگئے ۴۵۱ھ میں سلطان ابراہیم بن سعود بن محمود بن سبکتگین اور والی خراسان کے مابین عظیم جگ کا برپا ہونا۔ سلطان ابراہیم کو کامیابی اس جگ میں بھی ہزاروں سپاہی تہ تیغ ہوئے۔

طغرل بک سلجوقی کے انتقال کے بعد اس کا برادر زادہ الپ ارسلان والی خراسان، اس کا جانشین ہوا، الپ ارسلان کے دور میں شیعوں کی چیرہ دستیوں کمزور پڑ گئیں ۴۶۰ھ میں اس نیک عادل اور رعیت پرور سلطان الپ ارسلان کا انتقال ہوا اور اس کا فرزند ملک شاہ سلجوقی سربر آئے سلطنت ہوا۔ نظام الملک بدستور وزارت عظمیٰ پر فائز رہے۔ باغیوں کا زور بالکل نہیں ٹوٹا تھا اور ملک میں جگہ جگہ شورشیں برپا کرتے رہتے تھے اور تفرکاران ہی کے ہاتھوں ہی نظام الملک لوہی کا قتل واقع ہوا اور ملک میں عظیم پیمانے پر فتنہ و فساد اور قتل



وغارتگری کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ ۱۹۲۰ء میں باطنیوں نے عراق میں ہر قوت پکڑی اور وہاں ان کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔

تیسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری تک مالک اسلامیہ میں جو خلفشار، بد امنی اور قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوا، اس کو بیان کرنے کے لئے سینکڑوں صفحات کی ضرورت ہے، میں نے تو ان فتنہ سامانیوں کے صرف عنوانات پیش کئے ہیں اور وہ بھی بہت ہی اختصاراً کے ساتھ، مستند تاریخوں کے اوراق ان خرمین واقعات کی تفصیلات کے ساتھ ہیں ان دو شہر آشوب صدیوں میں خلق خدا کے دلوں سے سکون رخصت ہو چکا تھا، جان و مال اور عزت و ناموس، ایک آن کے لئے بھی محفوظ نہ تھے، دنیا و دولت دنیا کے حصول کے لئے بیدریغ خون بہا رہی تھی، مسلمانوں کا خون پانی کی طرح ارزاں تھا، اس خونریزی اور ابتلائے عظیم میں صرف صوفیائے کرام کے قلوب ایسے تھے جن کو سکون اور طمانیت میبہ تھی، دنیا و دولت دنیا کے لئے خون بہا رہی تھی لیکن یہ حضرات اس پر آشوب دنیا اور دنیا پرستوں سے دور اور بہت دور ویران گوشوں میں عبادت الہی میں مشغول تھے، اس وقت جبکہ ملکی سیاست کے شاطرجوع الارض سے مجبور ہو کر نت نئی چالیں چل رہے تھے، یہ اللہ والے گوشہ ہائے قناعت میں مراقب اور ذکر الہی میں اپنے روز و شب گزار رہے تھے، ان کو ان فتنہ سامانیوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ یہ حضرات متاع محبت الہی کو اپنے سینوں سے لگائے طریقت اور معرفت کی راہ پر گامزن تھے ان حضرات کی خانقاہیں اور گوشہ ہائے عزت شکستہ خاطر اور افسردہ دل مسلمانوں کے لئے اپنی آغوش دیکھنے والے تھے جو یہاں آتا رہ ان کے دامنِ کم میں آکر آرام و سکون کی سانس لیتا ہے وہ اسباب تھے جن کے باعث ان دو صدیوں میں تصوف نے ترقی کی اور طریقت و معرفت کے متوجہ نظریات ہمارے سامنے آئے، میں تیسری اور چوتھی صدی کے نظریات معرفت، طریقت کو نہایت اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں، اب پانچویں صدی ہجری میں تصوف کے ارتقائی مراحل اور ترقی پذیر نظریات کو



ملاحظہ کیجئے۔

**قرن پنجم**۔ قرن پنجم کے صوفیائے کرام کے سلاسل اور ان کے مختلف طوائف، اپنے اپنے مخصوص نظریات، اعمال و مقامات اور طریق مجاہدہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ان تمام طوائف اور اخراپ کو کسی ایک حکم کلی کے تحت نہیں لایا جاسکتا ہے جب اس قرن کے صوفیائے کرام کے اقوال و آثار کا گہری نظر سے جائزہ لیا جاتا ہے اور ایک جماعت کے نظریات کا دوسرے گروہ کے نظریات سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ہر طائفہ کے اپنے مخصوص نظریات ہیں اور ایک خاص طرز مجاہدہ ہے اور ایک مخصوص زوہدانی تعلیم ہے یہاں تک کہ بعض طبقات کے مابین افکار و خیالات میں بعد از مشرق ہے مثلاً شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شطیحات کے اعتبار سے نہیں بلکہ شوریدگی حال اور مستی کی بدولت اس وقت کے طوائف صوفیہ سے بالکل الگ تھک ہیں وہ دنیا سے کنارہ گیری عزت نشینی اور استغراق عبادت میں کوئی دوسرا گروہ ان کا مثل اور ہمسر نہیں ہے۔

شیخ الطریقیت حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ قرن پنجم میں وحدت الوجودی نظریہ کے عظیم مبلغ ہیں وہ ایک عارف سرست ضرور ہیں لیکن اہل دنیا کی صحبت سے نفور نہیں ہیں بلکہ وہ صحبت پسند ہستیوں میں ممتاز ہیں۔ سماع و شوریدگی و حال و وجد کے دلدادہ ہیں اسی صدی کے ایک اور بزرگ بابا طاہر عریاں ہیں وہ سراپا ایک عاشق سوختہ سامان ہیں انہوں نے اپنے شور باطن کو اپنے سراپا سوزر باعیات کے ذریعہ ظاہر کیا ہے، انہوں نے اپنی رباعیات میں تصوف کی اصل دولت، عشق و محبت کو لطیف ترین اور حقیقی پیرائی بیان میں ادا کیا ہے انہوں نے اپنی رباعیات کے دلوں میں آتش شوق کو شعلہ بار بنا دیا ہے

قرن پنجم کے ایک اور بزرگ شیخ الطریقیت شیخ احمد غزالی دبر اور حجتہ الاسلام محمد غزالی ہیں، آپ کی کتاب، سوانح، آپ کے شوریدگی حال اور اس کی ترجمان ہے، آپ بابا طاہر عریاں کی طرح شوریدگی و مستی میں محبت سے نفور نہیں ہیں۔



شیخ الطریقیت حضرت ابوالقاسم قشیری صاحب رسالہ القشیریہ کا تعلق بھی اس قرن سے ہے آپ ایک اعتدال پسند پیر طریقیت ہیں حضرت ابوسعید ابوالخیرؓ اور حضرت بابا طاہر عرباں حبسی شوریدگی اور مستی آپ کے اندر نہیں ہے، آپ نے اس راہ میں اعتدال کے راستہ کو اپنایا ہے۔ "رسالہ قشیریہ" میں آپ کے اقوال باطنی تعلیم کے سلسلہ میں آپ کے اس اعتدال سے شاہد ہیں۔

شیخ الطریقیت حضرت علی بن عثمان البجوری الغزنوی رحمۃ اللہ علیہ المعروف "داتا گنج بخش لاہوری" ہیں جن کا تعلق قرن پنجم سے ہے مسلک تصوف میں ایک اعتدال پسند بزرگ ہیں، شوریدگی و مستی سے آپ احترار رکھتے تھے، صوفیہ کرام میں آپ ایک بلند مقام رکھتے ہیں، آپ کی مشہور زمانہ کتاب "کشف المحجوب" تربیت نفس اور اصول و طریقیت میں ایک شیخ کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔

حجتہ الاسلام امام محمد غزالیؒ آپ کی ذات گرامی تشریح اہل ظاہر صوفیؒ کی ہے ہر چند کہ ابتدائے حال میں شوریدگی کے باعث برسوں آپ دیرانوں میں پھرتے رہے اس کے بعد مزاج میں اعتدال پیدا ہوا، آپ علوم شریعت کے ایک بحرنا پیدا کنار تھے، آپ کی تعلیمات پر فقہانہ رنگ کا غلبہ ہے شوریدگی سے آپ کے افکار کا کوئی تعلق نہیں ہے۔  
"احیائے العلوم" اور "کیمیائے سعادت" میں آپ ایک صوفی سے زیادہ ایک مصلح اور ایک معلم اخلاق کی حیثیت سے نظر آتے ہیں، آپ نے تصوف کو تہذیب اخلاق اور اتباع سنت احمد مختار رصلی اللہ علیہ وسلم کا مرقع بنا کر پیش کیا ہے۔

شیخ الاسلام احمد نامقی جامی المعروف بہ "زندہ پیل"، بھی آواخر قرن پنجم کی ایک بزرگ ہستی اور شیخ الطائفہ ہیں، ان کے یہاں طریقیت سے مراد، گنہگاروں کو گناہوں سے تائب کرانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر استقرار و قیام یعنی محاسبہ ہے اسی طرح اس قرن پنجم میں اور ایسے متعدد اصحاب طریقیت ہیں جن کے یہاں یہ نظری اختلاف



یا انفرادی خصوصیت موجود ہے جب آپ ان حضرات کی مکمل سوانح حیات کا مطالعہ کریں گے یہ فرق آپ پر بخوبی واضح ہو جائے گا۔

اس قرنِ پنجم میں اربابِ طریقت اپنی ذات اور اپنے نظریاتِ تصوف نیز اپنے مریدین کو ان مجادلات و مناظرات اور مذہبی تعصب سے بالکل دور رکھا۔ اس صدی میں اصحابِ ظاہر کا ایک شیوہ رفتہ بن گئے تھے البتہ انہوں نے یہ کوشش ضرور کی کہ وہ مسلکِ تصوف کو جس پر بعض ماخذین نے غیر مذہبی نظریات کا حامل ہونے کی تہمت لگائی ہے، اس تہمت سے بری اور پاک ثابت کریں اور تصوف کو مذہبی رجحانات و نظریات سے قریب ترین نظریہ کی صورت میں پیش کریں جیسا کہ اصل میں وہ ہے چنانچہ اس قرن کے اصحابِ قلمِ صوفیہ نے ایسی کتب کی تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کی جس میں ہر ایک عرفانی موضوع یا اصل طریقت کو محض قرآنی اور حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسناد سے شریعت کے جن مطابقت ثابت کیا اس طرح ان حضرات نے بعض ماخذین تصوف کے اس اعتراض کو باطل کر دیا۔ کہ تصوف کا مبنی اور ماخذ حکمت اشراق فلسفہ نوافلاطون اور "بدانت ہے" اور میں سمجھتا ہوں کہ ان حضرات کی یہ ساعی بڑی ہر محل اور بروقت تھیں ورنہ آئندہ قرون میں تصوف پر ایسے اعتراضات کا ایک فتر مرتب ہو جاتا، اور ابن جوزی کہ "بلیس ابلیس" نامی جیسی نامعلوم کنفی تنقیدی اس مسلک پر کی جاتیں اور اس کو غیر اسلامی ثابت کرنے کی کوششیں جاری رہیں۔ اس قرن میں تصوف کے اصولی مسائل یا نظریات میں کوئی ابداع! طرح نو کار فرما نظر نہیں آتی لیکن تنوع ضرور پیدا ہوا اور رسائلِ عرفان و طریقت میں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا

۱۵ : ملاحظہ کیجئے، علیہ الاولیاء از محدث و صوفی ابو نعیم اصفہانی بجا مجلد، رسالہ قشیریہ از شیخ ابو القاسم

قشیری، کشف المحجوب از حضرت داتا گنج بخش، حالات و سخنان شیخ ابوسعید ابوالخیر، اسرار التوحید

سوانح حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر، و نبات الاحیان از فلکان، اخبار الاخیار از حضرت محدث دہوی



چکا ہے۔ بڑی بختگی پیدا ہو گئی اور ایسی بختگی اور استحکام کہ انقلابات زمانہ اس کو اپنے نصب العین سے سرسبز نہ ہٹا سکے اور قرون مابعد میں ہزرگان طریقت کے روحانی اعمال و اشغال نے اس میں مزید استحکام پیدا کر دیا۔

قرن پنجم میں تصوف کے موضوع پر ایک نکتہ اور قابل تفریح و تشریح ہے کہ اس قرن میں نظریہ تصوف نے شعر میں نفوذ پیدا کر لیا، قرن پنجم کو شاعری پر نظر ڈالئے یہ نفوذ آپ کو بھرپور طریقے پر کار فرما نظر آئے گا اور یہ اثراتنا بڑھا کہ قرون مابعد میں شاذ و نادر ہی کوئی ایسا شاعر ہو گا جس کی شاعری، مضامین عرفان و معرفت سے خالی ہو یہ نفوذ کسی ایک زبان کی شاعری سے مختص نہیں ہے بلکہ عربی و فارسی، ترکی یہاں تک کہ اردو زبان میں ہی اس کے بہترین نمونے موجود ہیں ہر چند کہ اردو شاعری گیارہویں صدی ہجری کی پیداوار ہے اور اس کا تعلق صرف برصغیر پاک و ہند سے ہے۔

پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد کی صدیوں میں جبکہ تصوف شاعری میں نفوذ کر چکا تھا، فارسی شعرا میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا کہ انہوں نے قرن چہارم کی مصطلحات بلکہ صوفیانہ زبان کو بعینہ اپنی شاعری میں جگہ دی لیکن یہ فرق ضرور پیدا ہوا کہ اب یہ الفاظ اور مصطلحات جو محض مہازی تخیل اور استعارات و کنایات کے دوسرے پہلو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے تھے، اس منزل پہنچ گئے کہ ایسے اشعار کا سمجھنا عوام کے فہم سے خارج چیز بن کر رہ گیا، ان اشعار کو اس وقت تک نہیں سمجھا جاسکتا جب تک تصوف کے احوال و مقامات سے آگاہی نہ ہو

و مدت الوجود کے مسائل اور مصطلحات نے ہی عربی اور فارسی میں استفادہ نفوذ کیا کہ ان دونوں زبانوں کی شاعری میں اس کے اثرات نمایاں نظر آنے لگے، اردو شاعری



میں بھی ان معنائین کو اور مصطلحات کو فارسی شاعری کی تقلید میں جگہ مل گئی۔

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے ایک نکتہ کی طرف بحث کی توجہ اور مبذول کراؤں گا کہ قرن پنجم کے صوفیائے کرام، بحیثیت مجموعی ہمتا و دو ملت کے تنازعات و مجادلات سے بالکل الگ تھگ ہے، وہ صرف اپنے نظریات کی تکمیل یعنی حساب الہی، ذکر الہی اور خدمت خلق ہی میں مصروف رہے اسی وجہ سے وہ سلاطین زمانہ، امراء و اعیان اور عوام و خواص کی نظر میں مورد احترام اور مستحق تائش سمجھے جاتے رہے، سلاطین زمانہ ان کا احترام اس طرح بجالاتے کہ امراء و اعیان سلطنت حیران رہ جاتے، کتب تاریخ تصوف اور تاریخ ملوکیت و سیاست میں متعدد ایسی حکایات اور احترام کے واقعات موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کی پاکیزہ زندگی سلاطین زمانہ اور امراء عظام کی نظر میں کس قدر مورد احترام و اکرام رہی ہے مثلاً سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہو "کے سفر میں شیخ طریقت شیخ ابوالحسن طرقانی کی خانقاہ میں حاضر ہونا اور شیخ سے طالب دعا ہونا، بے سلطان طفل سلجوقی کا بابا باطا ہریریاں سے ہمدان میں ملاقات کرنا اور طالب نصائح ہونا۔ اس قبیل کے متعدد واقعات، کتب تاریخ میں منضبط ہیں میں یہاں ان کی تفصیل میں نہیں جاسکتا۔ صرف اتنا عرض کروں گا کہ ان حضرات کی مثالی زندگی نے سلاطین و اعیان سلطنت کو ان کی طرف متوجہ کیا خود ان حضرات نے ان کے تقرب کی کبھی خواہش نہیں کی جبکہ علمائے کرام ہمیشہ اس تقرب کے خواہاں رہے، چونکہ صوفیائے کرام زہد و قناعت اور دنیا سے ہے خلوت کے عالم میں زندگی بسر کرتے تھے اس لئے ان کو اس تقرب کی ضرورت نہیں تھی دوسرے یہ کہ یہ حضرات دوسرے فرقوں سے بحث و جدل میں کبھی نہیں پڑے ان کا مسلک تمام فرقوں کے ساتھ صلح اور صفا، کا تھا ایک دوسرے کی بدگوئی و تفسیق و تکفیر سے یہ ہمیشہ محترز رہے اور نہ انہوں نے حکومت وقت کے خلاف سازش یا علم بغاوت بلند کرتے ہیں کبھی تعاون کیا جس کے ہر وقت مواقع موجود رہتے تھے، ان حضرات کو مراقبہ اور یاد الہی کے سوا ان پوج اور لچر کاموں کے لئے نہ فرصت تھی اور نہ ضرورت؛



قرن پنجم کے ایسے باکمال عرفا اور صلحاء میں یہ حضرات بہت بلند اور نمایاں مقام رکھتے ہیں، ہر چند کہ ان میں سے بعض حضرات کا ذکر میں مختلف نظریات تصوف کے ضمن میں مختصراً کر چکا ہوں لیکن یہاں اس عنوان کے تحت ان کا ذکر کا اعادہ ہو جائے گا۔ تاکہ سررشتہ سخن ہاتھ سے نہ جائے :

قرن پنجم کے تحت جن صوفیائے کرام کا ذکر کیا جا رہا ہے ان میں سے بعض حضرات وہ ہیں جنہوں نے قرن پنجم میں صرف چند سال حیات مستعار کے گزارے، بعض ایسے حضرات ہیں کہ قرن پنجم کے آخری سالوں میں ان کی ولادت ہوئی لیکن ان کی تربیت قرن ششم میں ہوئی لیکن چونکہ انہوں نے قرن پنجم کو پایا ہے اس لئے ان کا شمار بھی قرن پنجم میں بھی کیا ہے۔ چنانچہ شیخ الطریقیت حضرت ابوعلی دقاق رضی اللہ عنہ نے مشکوٰۃ میں وصال فرمایا لیکن آپ کو پانچویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام ہی میں منسوب کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ ابوعلی دقاق قدس سرہ العزیز، شیخ طریقیت اساذ ابوالقاسم قشیری صاحب رسالہ قشیریہ، شیخ طریقیت اور ان کے اتاد ہیں۔ اتاد ابوالقاسم قشیری رضی اللہ علیہ کو ان کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے!

شیخ الطریقیت پیر ابو الفضل سرخس قدس اللہ سرہ: آپ قرن پنجم کے مشہور شیخ الطریقیت ہیں، آپ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ کے پیر طریقیت ہیں، حضرت ابوسعید ابوالخیر کی تربیت آپ ہی نے فرمائی۔ شیخ الطریقیت نے شہر سرخس میں سکونت میں وصال فرمایا۔ شیخ الطریقیت شیخ ابو عبد الرحمن سلمیٰ نیشاپوری صاحب "طبقات الصوفیہ" آپ عارف بزرگ حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ العزیز کے پیر طریقیت ہیں شیخ ابو الفضل سرخسی کے وصال کے بعد حضرت ابوسعید ابوالخیر نے آپ سے آگ کتاب فیض کیا۔ جب حضرت ابوسعید ابوالخیر آپ کی خدمت میں منازل عرفاں طے کر چکے تو حضرت عبد الرحمن سلمیٰ نے اپنے دستِ خاص سے آپ کو فرقہ پہنایا اور اجازت قربت مریدان سے نوازا، اس طرح حضرت ابوسعید



ابوالخیر قدس اللہ سرہ کے پیر شیخ بیعت پیر ابو الفضل سرخی رحمۃ اللہ علیہ، اور پیر فریقہ حضرت شیخ ابو عبد الرحمن سلمی انیشاپوری ہیں اس سلسلہ میں مزید توضیح بفرع "اسرار التوحید" میں موجود ہے جس کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ شیخ الطریقیت ابو عبد الرحمن سلمی قدس اللہ سرہ نے ۱۲۱۲ھ میں وصال فرمایا۔

شیخ ابو عبد اللہ داتانی قدس اللہ سرہ۔ آپ شیخ ابوالحسن خرقانی کے معاصرین اور اقران سے ہیں آپ نے ۱۲۱۲ھ میں وصال فرمایا۔

شیخ الطریقیت ابو علی سیاه ر۔ آپ شیخ ابو علی دقاق کے اقران و معاصرین سے ہیں آپ نے ۱۲۲۳ھ میں وصال فرمایا۔

شیخ الطریقیت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس اللہ سرہ۔ آپ اصحاب شکر میں بلند مقام کے حامل ہیں، طریقت و سلوک میں آپ حضرت بایزید بطامی قدس سرہ کے مدرسہ فکر کے متبعین میں سے ہیں ۱۲۲۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

شیخ ابواسحاق ابراہیم بن شہر یار گازرونی، آپ شیخ ابوالحسن خرقانی کے اقران و اصحاب سے ہیں ۱۲۲۶ھ میں آپ کا سال وفات ہے۔

محدث عظیم حافظ ابو النعیم صفحانی صاحب، حلیۃ الاولیاء چار ضخیم جلدوں میں، آپ نے ۱۲۳۳ھ میں وصال فرمایا۔

شیخ الطریقیت ابو سعید فضل اللہ بن ابی الخیر قدس اللہ سرہ آپ کی ولادت محرم ۵۹۰ھ میں شہر سرخس میں ہوئی اور شعبان ۶۰۴ھ میں شہر میہنہ میں تراسی سال کی عمر میں وصال فرمایا آپ کے تفصیلی حالات "اسرار التوحید" میں ملاحظہ کیجئے، شیخ الطریقیت شیخ ابو عبد اللہ شیرازی المعروف یہ ابن باکو یہ و بابا کوہی، آپ کا وصال ۱۲۲۲ھ میں ہوا۔

شیخ الطریقیت شیخ ابوالقاسم گورگانی دیاگرگانی، قدس اللہ سرہ آپ نے ۱۲۵۰ھ میں وصال فرمایا۔ آپ شیخ ابو سعید ابوالخیر کے اصحاب و اقران سے ہیں۔



شیخ بابا طاہر عریاں رحمۃ اللہ علیہ۔۔۔ طریقت میں آپ کا بلند مقام ہے آپ کو باسیات  
منازل طریقت اور حقایق عرفان کے ترجمان ہیں ۱۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا، یوم جمعہ سال وفات  
کاتعین نہیں ہو سکا ہے

شیخ الطریقت اساذ ابو القاسم قشیری قدس اللہ سرہ آپ کی تصنیف رسالہ قشیریہ تصوف  
کی بلند پایہ کتابوں میں شامل ہے اور مشہور زمانہ ہے آپ کا سال وفات ۱۲۹ھ ہے۔  
شیخ الطریقت ابو الحسن علی بن عثمان ہجویری الغزنوی قدس اللہ سرہ "کشف المحجوب"  
کے مصنف ہیں فارسی زبان پر تصوف کے موضوع پر پہلی کتاب ہے، آپ شیخ القاسم قشیری  
کے معاصرین سے ہیں آپ نے شہر لاہور میں قریباً ۱۲۸۰ھ میں وصال فرمایا۔

شیخ الطریقت ابو علی فارمدی قدس اللہ سرہ آپ شیخ الطریقت ابو القاسم قشیری اور  
شیخ ابو القاسم گرگانی کے تربیت یافتہ اصحاب میں سے ہیں اور حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ  
کے شیخ طریقت ہیں ۱۲۸۰ھ میں آپ کا سال وفات ہے۔

شیخ الطریقت خواجہ عبداللہ انصاری ہروی مولف کتاب طبقات الصوفیہ و منازل السائرین  
آپ کا وصال ۱۲۸۰ھ میں ہوا۔

شیخ الطریقت شیخ ابو بکر نیاج آپ شیخ احمد غزالی کے استاد طریقت و مرشد ہیں، آپ  
ہی شیخ ابو القاسم گرگانی کے تربیت یافتہ ہیں، ۱۲۸۰ھ میں آپ کا سال وصال ہے۔

حجۃ الاسلام شیخ ابو حامد محمد غزالی قدس اللہ سرہ، صاحب، احیاء العلوم، کیمیائے سعادت  
الہیہ، التہانۃ الفلاسفہ، المنقذ من الضلال، آپ کثیر التصانیف، شیخ طریقت ہیں آپ کا سال ولادت  
۱۲۵۰ھ ہے اور سال وفات ۱۲۵۰ھ ہے، زندگی کا قریب قریب تمام ترقیہ قرن پنجم میں گزرا،  
اس لئے آپ کا شمار قرن پنجم کے صوفیائے کبار میں کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو الجعد مجدود ابن آدم سانی غزنوی قدس اللہ سرہ، صاحب حدیقہ الحقیقت  
و جز فارسی زبان میں موضوع معرفت پر شاہکار ثنوی ہے، آپ کی پیدائش امام غزالی کی طرح قرن پنجم

۱۲۵۰ھ



کے وسط میں ہوئی اس لئے آپ کا شمار بھی سو فیائے قرن پنجم میں کیا جاتا ہے۔

شیخ الطریق محمد الدین ابو الفتوح احمد غزالی قدس سرہ بھی پانچویں صدی ہجری کے سو فیائے کرام میں شامل ہیں، آپ کی تصنیفات میں "سوانح العشاق" "الذخیرہ فی العلم البصیرہ" زیادہ مشہور ہیں اور طباعت پذیر ہو چکی ہیں۔ آپ کے مکتوبات بھی ہیں جو... مکاتیب من القضاہ ہمدانی کے نام سے مشہور ہیں، رسالہ غنیہ اور تازیانہ سلوک بھی آپ کی تصنیفات سے ہیں لیکن سوانح العشاق اور الذخیرہ "فی العلم البصیرہ" زیادہ مقبول ہیں آپ نے <sup>۱۲۲ھ</sup> میں انتقال کیا۔

شیخ الاسلام احمد تاملی جامی قدس اللہ سرہ المعروف بہ زندہ پیل بھی قرن پنجم کے مشائخ طریقت میں سے ہیں آپ کی ولادت <sup>۱۲۲ھ</sup> میں ہوئی قرن پنجم کے اواخر میں آپ نے تمام مراحل طریقت و سلوک طے کر لئے تھے، آپ پر امر بالمعروف نہی عن المنکر کا غلبہ تھا... اس لئے لوگوں کے احتساب میں پیش پیش رہتے تھے۔

یہ تھے قرن پنجم کے شاہراہ باب سلوک اصحاب طریقت، مذکورہ اصحاب طریقت و مشائخ کرام علاوہ بھی اس صدی میں دوسرے اصحاب طریقت گزرے ہیں، یہاں صرف مشاہیر کا ذکر کیا گیا ہے، تمامی حضرات کا ذکر اس مختصر مقدمہ میں ممکن نہیں تھا، آپ نے یہ بات مطالعہ کی ہوگی کہ اس قرن پنجم میں مشائخ کرام کی توجہ تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ ہے، تصوف کی بہترین اور بلند پایہ کتب جتنی اس صدی میں تصنیف کی گئیں قرون مابعد میں تصنیف نہیں ہوئیں، جیسا کہ سابقہ اور ماضی میں عرض کر چکا ہوں "تصوف" کے اصول و مبانی میں قرن پنجم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی جبکہ تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ رہی، تصنیف و تالیف میں زیادہ تر تصوف اصحاب صوفیہ کو رہا، ہر ایک شیخ طریقت نے قلم نہیں اٹھایا، حضرت شیخ الطریق ابو سعید ابوالخیر قدس سرہ نے ابتداءً حال میں قلم اٹھایا تھا اور اپنی بعض تصانیف کے سلسلہ میں پیش نظر رکھی تھیں لیکن ایک روز عالم شرروستی میں اپنے مسودے امدان تمام قلمی کتابوں کو جو آپ کے پاس تھیں زمین میں دفن کر دیا، دفن کرنے وقت آپ ان کتب کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے جاتے تھے:-



لَعْدُ الدَّلِيلِ اَنْتَ وَالِاشْتِغَالِ بِالذَّلِيلِ بَعْدَ الْوَصُولِ مَحَالٌ

بے شک خدا شناسی کہ تم ایک ایسی دلیل ہو لیکن وصل الی اللہ کے بعد تم میں مشغول ہونا ایک

امر محال ہے۔

حضرت ابوسعید ابوالخیر نے یہی سبب ہے کہ آپ کی یادگار کوئی تصنیف نہیں ہے  
کوئی تصنیف یادگار نہیں چھوڑی آپ کی ذات سے منسوب جو یہ دو کتابیں ہیں یعنی  
سخن ان ابوسعید ابوالخیر اور اسرار التوحید، یہ آپ کے ملفوظات اور آپ کی سوانح حیات  
ہیں، اس سلسلہ میں مزید وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مقدمہ ان ہی دو کتابوں کا  
ایک تحقیقی جائزہ ہے۔

## اسرار التوحید

دوسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری کے اواخر تک تصوف کی نظریاتی  
تاریخ اور ہر قرن میں اس نظریہ کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیاں اور ان کے مہمراں و  
متقیات آپ کے سامنے اختصار کے ساتھ پیش کر دیئے ہیں تاکہ جب آپ پانچویں صدی ہجری  
کے مشہور شیخ طریقت حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ العزیز کی مفصل اور مدلل سوانح حیات  
اسرار التوحید کا مطالعہ کریں تو دوران مطالعہ پیش آنے والے اوقات تصوف، مختلف نظریات  
اور ہر عصر و قرن کی خصوصیات پر آپ کی پوری پوری نظر ہو اور آپ اس سہ صد سالہ دور  
کی ادبی، علمی اور فکری تاریخ کے علاوہ سیاسی تاریخ سے بھی واقف ہوں۔

چونکہ اسرار التوحید میں شیخ الطریقت خواجہ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ کی زندگی  
اور باطنی احوال کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہ کتاب آپ کو وفات کے قریب  
ایک سو سال بعد مرتب ہوئی ہے اور مرتب و مؤلف اس خاندان کا ایک فرد ہے اپنے بزرگوں  
کے بارے میں سنا اس بریقین نہ کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں،



اس لئے ان روایات کو پورے وثوق کے ساتھ کتاب کے مندرجات میں شامل کر لیا گیا۔  
 اس لئے میں حضرت شیخ قدس اللہ سرہ کی سوانح حیات کے سلسلہ میں کچھ بھی عرض  
 نہیں کروں گا کہ اسرار التوحید اس سلسلہ میں سند کا درجہ رکھتی ہے البتہ بعض روایات کے سلسلہ  
 میں کچھ کہنے کی میں نے جسارت کی ہے علاوہ ازیں، شیخ قدس اللہ سرہ کے سلسلہ میں لکھی  
 جانے والی دونوں مشہور کتابوں کا آپ سے تعارف بھی کر رہا ہوں یعنی حالات و سخنان ابوسعید  
 ابوالخیر، اور اسرار التوحید جس کا ترجمہ میرے فاضل دوست پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب  
 نے بڑی خوبی سے کیا ہے، عبارت کی روانی و دل نشینی کی خوبی کہیں ضائع نہیں ہونے دی ہے  
 اور ان ہی کی فرمائش پر اس بارے میں شمس بریلوی نے یہ مقدمہ تحریر کیا ہے جو آپ کے سامنے ہے  
 باوجود علالت کے مجھے محترمی فاروقی صاحب کے ارشاد کی تعمیل کرنا پڑی کہ

خیال خاطر اجاب چاہئے بر دم انیس ٹھیس نہ لگ جائے آگینوں کو  
 اب میں حضرت ابوسعید ابوالخیر کی ان دونوں بلند پایہ سوانح عمریوں کے بارے میں کچھ  
 عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا تالیف کے اعتبار سے چونکہ..... حالات و سخنان ابوسعید  
 ابوالخیر کو اولیت حاصل ہے اس لئے میں نے بھی اس تقدم زمانی کو پیش نظر رکھا ہے۔  
 حالات و سخنان ابوسعید ابوالخیر، جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں حضرت ابوسعید  
 ابوالخیر قدس اللہ سرہ نے تصنیف و تالیف پر قلم نہیں اٹھایا بلکہ آپ کے حالات اور سوانح  
 آپ کے طریقہ تصوف پر یہ دو کتابیں لکھی گئی ہیں، یہ دونوں کتابیں چھٹی صدی ہجری میں تصنیف  
 ہوئی ہیں یعنی آپ کے وصال سے تقریباً ایک سو سال بعد، حالات و سخنان ابوسعید ابوالخیر  
 کے مؤلف کمال الدین محمد بن ابی روح لطف اللہ بن ابی سعید ہیں جو شیخ قدس اللہ سرہ کے قریبی  
 اصفاء و بزرگان سے ہیں، یہ کتاب ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے، ان ابواب کی  
 تفصیل اس طرح ہے :-

باب اول - حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کی ابتدائی زندگی اور اس کے سوانح :-



باب دوم: حضرت شیخ قدس اللہ سرہ کی ریاضیات اور ان کا قنوع اور کیفیت۔

باب سوم: حضرت شیخ قدس اللہ سرہ کی کرامات۔

باب چہارم: حضرت شیخ کے ارشادات گرامی اور ان کی گراں مانگی اور افادیت۔

باب پنجم: حضرت شیخ قدس سرہ کے وصایا اور آپ کی وفات۔

یہ کتاب معمولی ضخامت کی ہے یہ روسی مستشرق ژولسکی کے اہتمام سے ۱۸۹۵ء مطابق

۱۸۹۵ء میں پیرزبرگ سے شائع ہوئی، اس کے متن کی تصحیح پر خاص توجہ کی گئی ہے۔ فارسی

زبان میں کسی شیخ طریقت کی قدیم ترین سوانح حیات ہے، اس کتاب کی تاریخی اہمیت کے علاوہ

ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ قدیم سادہ نثر فارسی کی محدودے چند کتابوں میں سے ایک

بند پایہ کتاب ہے غالباً اب تک اس کا اردو ترجمہ شائع نہیں ہوا ہے۔

اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابوسعید: یہ کتاب عموماً اسرار التوحید کے نام سے مشہور

ہے اولیٰ شیخ محمد منور بن ابی سعید بن ابی طاہر بن ابی سعید ابو الخیر کی تالیف ہے۔ اس کی تالیف

۵۸۰ھ میں ہوئی یعنی حالات و سخنان ابوسعید ابو الخیر کی تالیف چند سال بعد اس کو مرتب

کیا گیا! اس کے مولف ہی شیخ ابوسعید کے اصفاذ نمیزگان (پڑ پوتے) سے ہیں اور حالات و

سخنان ابوسعید ابو الخیر کے مولف شیخ محمد بن منور کے اعمام کی اولاد سے ہیں۔

کتاب اسرار التوحید شیخ طریقت ابوسعید ابو الخیر کی ایک مفصل اور جامع سوانحی ہے

اور اس کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ "حالات و سخنان ابوسعید ابو الخیر" کے بعد صرف یہی ایک

جامع سوانح حیات ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے، اس کتاب کو بھی روسی مستشرق ژولسکی نے

تصحیح کے بعد ۱۸۹۹ء مطابق ۱۳۱۷ھ میں پیرزبرگ سے شائع کیا ہے اور آٹانے بہن یار نے

اس پر ایک مفید مقدمہ لکھ کر تحقیق کا حق ادا کیا ہے، آٹانے بہن یار نے اس پر حواشی بھی تحریر

کئے ہیں، آٹانے بہن یار کے مقدمہ اور تصحیح کے ساتھ اسرار التوحید تہران سے شائع ہوئی ہے پیش نظر

ترجمہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب مکتبہ نبویہ لاہور، اکی کاوش کا نتیجہ ہے۔ ترجمہ نہایت سلیس



اور شگفتہ ہے اور اردو زبان کے تمام محاسن کا حامل ہے۔

کتاب اسرار التوحید میں ابواب اور چند فصول پر مشتمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔  
باب اول :- حضرت شیخ الطریقیت کے ابتدائی حالات پر مشتمل ہے۔  
باب دوم :- حضرت شیخ کی اواسط حیات کے ذائق اور حالات ابواب چار فصولوں  
پر مخصوص ہے۔

فصل اول ' میں شیخ کی کرامات اور آپ سے منسوب حکایات ہیں۔  
فصل دوم میں وہ حکایات ہیں جن سے حکمت و معرفت کے فوائد متبسط ہوتے ہیں  
فصل سوم میں حضرت شیخ قدس اللہ سرہ کے ارشادات و ملفوظات پر  
مشتمل ہے۔

فصل چہارم شیخ کے ارشادات کی اہمیت اور ان کلمات و ارشادات کی  
رفعت و ان ارشادات کے بعد شیخ کے دعاوی، مکتوبات  
اور شیخ کے اشعار ہیں۔

باب سوم :- شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ کے ظاہری زمانہ حیات کے ذائق ابواب بھی  
میں فصولوں پر مشتمل ہے۔

فصل اول میں آپ کے وصایا ہیں۔

فصل دوم میں شیخ طریقیت کی وفات محفل سالہ ہے۔

فصل سوم شیخ الطریقیت کی وفات کے بعد آپ کی کرامات پر مشتمل ہے۔

کتاب اسرار التوحید، اپنی تاریخی اہمیت کے علاوہ ایک شیخ طریقیت کی فارسی زبان میں  
پہلی سوانح عمری ہے جو اس قدر تفصیل سے لکھی گئی ہے اس سوانح حیات میں شیخ سے متعدد  
معاصرین کا بھی مختصراً ذکر ہے جس کے باعث اس کی تاریخی اہمیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔  
اسرار التوحید بہت سی مفید جغرافیائی معلومات پر بھی مشتمل ہے، علاوہ انہیں پانچویں صدی ہجری



کی اجتماعی زندگی پر ہی اس سے کوششی پڑتی ہے، یہ تالیف ہی اپنے طرز بیان و زبان کی شیرینی اور سادگی کے باعث قدیم نثر فارسی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ "اسرار التوحید" کے طرز پر پانچویں صدی ہجری تک کسی شیخ طریقت کے سوانح حیات معرض تحریر میں نہیں آئے تھے یہ دونوں کتابیں (سوانح شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ) جو یکے بعد دیگرے تالیف ہوئیں اس انفرادیت کی حامل ہیں لیکن "اسرار التوحید" اپنی جامعیت کے اعتبار سے اول الذکر کتاب سے زیادہ بلند پایہ اور اہمیت کی حامل ہے۔

مشائخ طریقت کے سلسلہ میں عقیدت مندوں کا ہمیشہ سے دستور

مشائخ کی کرامات :- رہا ہے کہ وہ اپنے اپنے شیخ کی نسبت ایسی حکایات اور روایات کو بھی قبول کر لیتے ہیں جس سے شیخ کی عظمت میں اضافہ کے بجائے اس کے منصب شوخیت پر حرف آتا ہے اور جب ایسی حکایات اور روایات کی کسی کتاب میں کثرت ہو جاتی ہے تو وہ پایہ اعتبار سے گر جاتی ہے، "اسرار التوحید" میں ایسی متعدد حکایات موجود ہیں لیکن کم ہیں "ان میں بعض حکایات ایسی ہیں جو شیخ الطریقت کے ارفع و اعلیٰ مقام کے منافی ہیں مثلاً یہ حکایت جس کو "محمد بن منور" مؤلف کتاب "اسرار التوحید" نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

الحکایت :- ہم درآں وقت شیخ مادر، قاین بود، امے بود دیگر در آسخت بزرگوار اور امام خواجہ محمد قاینی گفتندے، چون شیخ ما آنجا رسید و بنویک شیخ آدبہ سلام... بیشتر اوقات در خدمت شیخ بودے و بہر دعوتے کہ شیخ را بروندے و ہواقت شیخ حاضر آمدے و بسماع نشے بروزے بعد از دعوت سماع می کردند، شیخ ما را حالتے پدید آمدہ بود و جملہ جمع درآں حالت بودند کہ وقت خوش پدید آمد، موزن بانگ نمازہ پیش گفت و شیخ ہچناں در حال بود و جمع در وجد و رقص می کردند بانعرہ می زدند در میان آل حالت امام محمد قاینی گفت، نماز ما شیخ ما گفت کہ ما در نمازیم و ہچناں در رقص بودند، امام محمد قاینی ایشان را گذاشت و بہ



نماز قضا شد (اسرار التوحید باب تہران صفحہ نمبر ۱۸۶)

حیرت ہے کہ صاحب "اسرار التوحید" نے یہ روایت بغیر غور و فکر کے اسرار التوحید میں درج کر دی جبکہ شیخ طریقت ابوسعید ابوالخیر علوم دینیہ اور احکام شریعت کے پاسدار بھی تھے، وہ کس طرح اس وجد و رقص اور سماع کو "نماز" سے تعبیر کر سکتے تھے اور وہ یہ فرماتے کہ "ہماری نماز یہی ہے۔"

اس قبیل کی حکایات جب بزرگانِ طریقت سے منسوب کی گئیں تو اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ معاندین و مخالفین، تصوف کو بہت کچھ کہنے کا موقع مل گیا۔ ابن حمزہ کی "تلبیس ابلیس" ایسی ہے حکایات کو بزرگانِ طریقت سے منسوب کرنے کے نتیجہ میں موخر ذیل انداز میں لکھی گئی۔  
عصر حاضر میں، تاریخ تصوف اسلام کے مولف میرے خواہر زادے پروفیسر یوسف سلیم چشتی (مرحوم) نے اپنی کتاب میں شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ سے منسوب ایسی ہی لہجہ اور غیر مصدقہ روایات کا سہارا لے کر تنقید کی ہے۔ حضرت شیخ قدس اللہ سرہ کی دوسری سوانح عمری "حالات و سخنان شیخ ابوسعید ابوالخیر" میں بھی بعض ایسی ہی غیر مصدقہ روایات کو شیخ الطریقت سے منسوب کیا گیا ہے مثلاً وہ ایک مستند حوالہ کے ساتھ کہتے ہیں کہ :-

از جدم شیخ الاسلام ابوسعید را شنیدم کہ یک روز شیخ را سخن می رفت دانشمندے فاضل حاضر بود، آہستہ گفت کہ ایں سخن کہ شیخ گفت در ہفت سبوح قرآن بھیج جائے نیت، شیخ گفت ایں سخن در سبوح ہشتم است :- آں دانشمند گفت سبوح ہشتم کہ ام است ؟ گفت ایں ہفت سبوح آنت کہ یا ایہا الرسول بلغ ما أنزل إلیک ؛ و سبوح ہشتم آنت کہ نا و حیا ایلی ۔ عبیدہ ما اوحی شمانیدارید کہ سخن خدائے تعالیٰ معدود و محدود است، آں در حصر و عدد نیاید و منقطع نہ گرد و ہر لحظہ از سبوحے رسولے بدل بندگاں می ماند چنانکہ پیغمبر علیہ السلام خبر داد، اتقوا فراست المؤمن فانہ لا ینظر الا بنور اللہ



پس گفت مرا تو راحت جانی معائنہ، نہ خبر کرا معائنہ باید، خبر چہ سو دکنڈہ

رحالات و سخنان ابوسعید ابوالخیر باب ۲۵ ص ۵

یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ ایسی حکایات کسی شیخ سے منسوب کر لینے سے شیخ کے مرتبہ میں اضافہ ہوگا اور لوگ اس کو شیخ کامل سمجھنے لگیں گے جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ خاص اور ارباب علم و فہم میں اس سے سوا ظن پیدا ہوتا ہے، پس ایسی حکایات کو شیخ الطریقیت سے منسوب کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

ہر چند کہ شیخ الطریقیت حضرت ابوسعید ابوالخیر کا مسک، وحدت الوجود ہے جیسا کہ اس سے قبل صراحت کی جا چکی ہے، اُن کے متعدد ارشادات اور ملفوظات سے اس کا بخوبی اظہار ہوتا ہے حضرت شیخ کا اس سلسلہ میں صرف ایک ارشاد یہاں نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں۔

چند گاہ ایں بود کہ حق را می جستم، گاہے بودے کہ یافتے و گاہ بودے کہ نیافتے،  
اکنوں چناں شدم کہ ہر چند خود را می جویم نمی یابم، ہمہ او شدم زہرا کہ ہمدوست؟

اسرار التوحید صفحہ ۲۵، باب تہران

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ کے ارشادات و ملفوظات کے سلسلہ میں، ص ۵۱  
مقدمہ اسرار التوحید نے بہت کچھ لکھا ہے جس کا ترجمہ قارئین کرام مطالعہ فرمائیں گے، میرا  
یہ مقدمہ چونکہ بہت طویل ہو چکا ہے لہذا میں اس سلسلہ میں مزید کچھ عرض نہیں کروں گا، صرف  
ایک نکتہ ابھی اور پیش کرنا ہے اور وہ ہے شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ کی شاعری، عام  
طور پر آپ کو ایک نغز گو معرفت طراز شاعر سمجھا جاتا ہے، اس پر صغیر پاک و ہند میں شیخ  
ابوسعید ابوالخیر کی شہرت کا طعنہ گونجا رہا۔ اور عرصہ تک پنجاب یونیورسٹی کے  
امتحان منشی فاضل میں یہ مجموعہ رباعیات داخل درس ہوا لیکن تحقیق کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ رباعیات  
شیخ الطریقیت کی نہیں ہیں بلکہ جب آپ وابستگان طریقیت سے مصروف گفتگو ہوتے تو اثنائے  
کلام میں آپ وضاحت سخن یا نور کلام پیدا کرنے کے لئے اپنے بزرگان طریقیت سے سنا ہوا۔



دوسرے بزرگوں کا کلام پیش فرمادیتے تھے، آپ کے ملفوظات کا اہلکار نے والے حضرات یا بعد میں اس کلام کا مطالعہ کرنے والے اصحاب حال وارباب طریقت نے اس کو آپ کی ذات گرامی سے منسوب کر دیا حالانکہ سوانح نگار حضرات نے اس خصوص میں وضاحت کے ساتھ یہ ہے کہ حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ شعر گوئی سے شغف نہیں رکھتے تھے، صاحب اسرار التوحیدؒ لکھتے ہیں کہ

” درویشے بودہ است در نیشاپور کہ اورا، حمزۃ التراب“ گفتدے روزے از تواضع کہ در او بود شیخ مارا رقعہ نوشت، بوسہ رقعہ تواضع و نوشت کہ، خاک تراب قدم“ شیخ مابو ظہر رقعہ بہ نوشت، گرتو خاکی، خاک ترا، خاک شدم چون خاک ترا خاک شدم پاک شدم، اسی سلسلہ میں صاحب اسرار التوحیدؒ کہتے ہیں کہ:-

جدد عاگوئے خواجہ ابوسعید آوروہ اند کہ جماعتے گمان بر مذ کہ بیت ہائے کہ در میان سخن بزبان مبارک شیخ، رفقہ است، او گفتہ است نہ چنان است کہ اورا چنداں استغراق در حالت مشاہدہ حق بودے کہ اورا پر دایے تفکر در بیت نمود در ہمہ عمر الیاد میں یک بیت کہ بر پشت رقعہ حمزہ نوشتہ است، ایں دیگر در بیت (رباعی)

جاں! بزین خابراں خائے نیت کش با من و روزگار من کاے نیت  
بالطف و نغارش و خیال تو... مرا وروادن صد ہزار جاں عارے نیت  
دگر ہرچہ بزبان اور رفقہ است، ہمہ آں بودہ است کہ از پیران خویش یادداشتہ است؛  
(اسرار التوحید چاپ تہران صفحہ ۱۶۷-۱۶۶)

یہاں میں شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ کی ذات گرامی سے منسوب چند رباعیات کو پیش کر رہا ہوں حالانکہ یہ آپ کا کلام نہیں ہے بلکہ اثنائے کلام اور تلقین و مواعظت کے



دقت آپ اپنے مشائخ سے سُننا ہو ایہ کلام، ملفوظات میں شامل فرمادیا کرتے تھے تاکہ ان میں زور و شور اور سوز و ساز پیدا ہو جائے !

### چند رباعیات

مارا بجز ایں جہاں، جہانے دگرہست  
جز دوزخ، فردوس، مکانے دگرہست  
قلاشی و عاشقیش، سرمایہ ماست  
قرآنی و زاہدی، جہادے دگرہست

موراہ یگانگی نہ کفرست و نہ دیں  
یک گام زخمد بروں بہ نہ دراہ یہ بن  
اے جانِ جہاں تو راہِ اسلام... گزیریں  
بامارسیہ بہ نشین و با خود... بہ نشیں

خواہی کہ کسے شوی، زستی کم کن  
ناخوردہ شراب و صل، مستی کم کن  
بازلف بُتاں و راز دستی کم کن  
بُتِ راجہ گنہ، توبت پرستی کم کن

اے دوست ترا بھلگی گشتم من  
حقاکہ دریں سخن نہ زرق است نہ فن  
گر تو ز وجودِ خود، بُروں حُبتی چاک  
شاید صنما! بجائے تو، ہستم... من

حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ سے ایک رباعی اور منسوب ہے، بعض ارباب سلوک و اصحاب طریقت نے اس کی شرحیں بھی تحریر کی ہیں۔

رباعی یہ ہے :-

حور بنظارہ نگارم صف زد  
رضوان ز تعجب کف خود بر کف زد  
یک خالی سیہ برآں رخاں مطرف زد  
ابدال ز بیم چنگ در مصحف زد



حضرت شیخ الطریقیت جہانگیر اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گرانقدر ملفوظات موسوم بہ لطائف اشرفی میں اس کے معانی بسط و تفصیل تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں، میری نظر سے وہ تفصیل گزر چکی ہے۔ خواجہ عبید اللہ بن محمود شاتہی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی اس رباعی کی شرح لکھی ہے اور بہت تفصیل سے اس رباعی کی شرح کو انہوں نے ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کیا ہے اور اس رسالہ کا نام، رسالہ مورلیہ، رکھا ہے لیکن جیسا کہ عرض کیا جا چکا تھا کلام شیخ الطریقیت سے منسوب کرایا گیا ہے اور یہ آپ کا طبع زاد کلام نہیں ہے۔۔۔

”کتاب اسرار التوحید“ کے ابواب اور فصول کی تشریح گذشتہ ادراک میں پیش کر چکا ہوں ان ابواب اور فصول کے مطالعہ سے شیخ الطریقیت کے سوانح احوال، آپ کی ریاضت اور آپ کے مقام کے سلسلہ میں تمام تر معلومات سے آپ بہرہ ور ہو سکتے ہیں، میں نے اس سلسلہ میں قلم نہیں اٹھایا ہے بلکہ۔۔۔ شیخ کے مسک تصوف کو قرن دوم سے قرن پنجم ہجری تک پیش کر دیا ہے اور اس تین سو سالہ دور میں اس نظریہ میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کی وضاحت کر دی ہے اور حضرت شیخ الطریقیت کے معاصرین اور اس عصر تک ظہور میں آنے والے طوائف الصوفیہ، کا ذکر کیا ہے بعد کہ یہ مقدمہ قارئین کی دلچسپی اور معلومات میں اضافہ کا موجب ہوگا۔ فقط :-

ناچیند  
شمس بریلوی

۶۱ بی / ۱۱  
فیڈرل بی ایریا۔ کراچی



# اسرار التوحید سے مقامات صوفیاء تک

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

یہ کتاب ایضاً شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی النخیر المعروف بہ ابوسعید مینہی نور اللہ مرقدہ و قدس سرہ  
محرم ۱۳۵۷ھ، شعبان ۱۳۴۰ھ کے احوال و مقامات پر ایک قدیم دستاویز ہے جسے شیخ کے نواسے  
محمد بن منور بن ابی سعد بن ابی طاہر بن ابی سعید مینہی نے شیخ کی وفات کے ایک سو تیس سال (۱۵۷۰ء بعد  
پیر و قلم کیا تھا۔ ایک عرصہ تک یہ کتاب نوکِ قلم اور سویدِ خطی سے مزین ہو کر اہل ذوق کو فروغِ عرفان  
سے نوازتی رہی ہے۔ تصوف کے خانوادوں کے کتاب خانے اس کتاب کے مختلف قلمی نسخوں کے امین  
رہے ہیں۔ اور اہل تصوف نے اپنی نگارشات میں اس کتاب کو ایک قابل قدر حوالہ کی حیثیت سے جگہ دی  
ہے ہمارے سامنے فارسی کی مطبوعہ کتاب اسرار التوحید فی مقامات ایضاً ابوسعید کا ایک مستند نسخہ ہے۔  
ڈاکٹر ذبیح اللہ صفاء نے اپنے اہتمام میں ترتیب دے کر ۱۹۸۲ء میں تہران۔ ایران سے شائع کیا تھا۔  
اور زیر نظر اردو ترجمہ کی عمارت انہی بنیادوں پر اٹھائی گئی۔

۲۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر المینہی رحمۃ اللہ اپنے دور کے بلند پایہ صوفی تھے تصوف کی اکثر کتابوں میں  
آپ کو دنیائے تصوف کے اولین اور معتد میں صوفیاء اسلام میں شمار کیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ ابوالحسن  
البخاری الغزنوی رحمۃ اللہ المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری نے آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے  
کشف المحجوب میں پورا باب پر قلم کیا ہے۔

شیخ کا دور علم و عرفان کا اسلامی دنیا میں ایک شاندار دور مانا گیا ہے۔ دنیائے اسلام میں جہاں  
مختلف علوم و فنون کی ہمہ جہت ترقی ہوئی وہاں تصوف و عرفان کی، ضیاء باریوں نے چار دانگ عالم  
کو منور کر دیا تھا۔ انہی ایام میں ایک طرف محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں شعراء اور باقصاب  
و مناقب میں بے مثال کارنامے سرانجام دے رہے تھے تو دوسری طرف ایوان تصوف میں



ابوالحسن خرقانی۔ ابوسعید ابوالخیر۔ ابوالقاسم قشیری اور امام احمد غزالی جیسے بلند پایہ صوفیاء علم و عرفان کی شمعیں روشن کئے ہوئے تھے یہ حقیقت ہے کہ محمود غزنوی کے دربار کے بعض علماء فقہانے شیخ ابوسعید اور ان کے حلقہ نشین صوفیاء پر ان کے بعض اختلافی نظریات کی وجہ سے تنقید و تفسیک کی۔ وہاں نیشاپور اور طوس کے جلیل القدر علماء ملکشاہ اور سنجر سلجوقی کے زیر سایہ شیخ کی خانقاہ سے توحید و عرفان کے امور سے آگاہی حاصل کرنے میں مشغول تھے آپ اس روحانی میراث کے تقسیم کار تھے۔ جو بایزید بسطامی سے ہوتی ہوئی ابو عبد اللہ داستانی اور ابوالحسن خرقانی کو پہنچی تھی۔ اسرار التوحید کی اپنی ہی ایک روایت کے مطابق حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ اکثر مسائل تقنوت کی تشریح کے لئے حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر المبینی رحمۃ اللہ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ صاحب چہار مقالہ نے شیخ ابوسعید کی اس ملاقات کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو اس دور کے عظیم فلسفی بوعلی سینا سے ہوئی تھی۔ اس ملاقات کے بعد بوعلی سینا نے اعتراف کیا تھا کہ ہر چہ میں می دائم شیخ می بنید“

صاحب اسرار التوحید نے یہ روایت بھی درج کی ہے کہ ایک بار بوعلی سینا اپنے شاگردوں کو لے کر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ کی مجلس و عظم میں خاموش بیٹھے ہتے رہے حضرت شیخ نے بوعلی سینا سے پوچھا کہ آپ خاموش کیوں ہیں؟ بات کیوں نہیں کرتے۔ نہایت ادب سے جواب دیا۔ ایک مطلب کو بیان کرنے کے لئے دو ترجمانوں کی ضرورت نہیں ہوتی“

صاحب نورالعلوم نے حضرت ابوالحسن خرقانی اور شیخ ابوسعید۔ ابوالخیر کی اس ملاقات کا شد و مد سے ذکر کیا ہے۔ جس میں شیخ ابوسعید حضرت خرقانی کو ملنے آئے تو آپ نے اپنے صاحبزادہ احمد کو اپنے مریدوں کی جماعت کے ساتھ شیخ کے استقبال کے لئے کئی منازل آگے بھیجا تھا۔

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے معاصر صوفیاء اور علماء کے برعکس ذکر بالجہر کے ترجمان تھے اور محفل ذکر و سماع کو برپا رکھتے۔ مریدوں کو تلقین سماع فرماتے۔ اور سماع۔ وجد اور رقص کو اس حد تک لازم قرار دیا کرتے تھے۔ کہ بعض اوقات ضروری مشاغل چھوٹ جاتے۔ ابوالحسن



خرقانی اور امام ابوالقاسم قشیری کو ابتدائے کار میں شیخ کے رقص و سماع سے شدید اختلاف تھا مگر ایک وقت آیا کہ دونوں حضرات شیخ کے سماع کو مباح قرار دینے لگے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ سے علماء و صوفیاء نے دریافت کیا کہ یہ رقص کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ رقص وہ کرے کہ اگر وہ پاؤں زمین پر مارے تو اسے تخت شریٰ تک ہر چیز نظر آجائے۔ اور اگر آستین اٹھائے۔ تو اس کی نگاہ عرش پر پڑے۔ اگر اسے یہ کیفیت حاصل نہیں تو اسے چاہیے کہ بایزید بطامی۔ جنید بغدادی۔ اور شبلی کے چشمہ سے پانی پیئے اور رقص نہ کرے۔ شیخ اپنے احباب کو فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر لوگ پوچھیں کہ تم رقص کیوں کرتے ہو تو انہیں بتا دیجئے کہ ہم تو اپنے پیر و مرشد کی موافقت اور اتباع میں کرتے ہیں۔ حضرت شیخ نے خراسان کے صوفیاء میں رقص و سماع کو رواج دیا۔ اور اس بات کی پرواہ نہ کی۔ کہ فقہاء اور علماء ان کی مخالفت میں کیا کیا فتویٰ دیتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب نے اپنی مشہور تصنیف "جستجو در تصوف ایران" میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی النخیر المعروف بوسعید مہنہ یا پیر مینہہ ادبیات عرفانی میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ کو ایران کی سرزمین میں بڑی شہرت ملی۔ وہ پہلے صوفی ہیں جنہوں نے سماع۔ قوالی۔ غزل کو خراسان کے صوفیاء میں رواج دیا۔ آپ کے اس اقدام پر علماء و صوفیاء کو اس قدر اختلاف تھا۔ کہ آپ کی شکایت محمود غزنوی کے دربار میں کی گئی۔ دربار سے اتنے شدید احکامات جاری ہوئے کہ آپ کو اور آپ کے درویشوں کو زندیق اور فاسق کہا جانے لگا۔ لہذا التوحید کی روایات کی روشنی میں آپ مینہہ روحا بیورد اور سرخس کے درمیان واقع ہے، چار شعبان ۳۲۰ھ میں فوت ہوئے۔ ہزارہ ماہ زندگی گزارے۔ اس طرح آپ کی ولادت محرم ۳۵۶ھ کو ہوئی آپ کے والد ابو النخیر مینہہ میں عطاری کا کام کرتے تھے۔ یہ پیر عطار صوفیاء کی مجلس میں شریک ہوتے۔ اپنے بیٹے کو ان پاکیزہ مجالس میں لے جاتے مجالس سماع میں بھی حاضری دیتے۔ انہی مجالس سماع کا اثر تھا۔ کہ شیخ ابوسعید سماع کے رسیا تھے حضرت شیخ کی ابتدائی تعلیم ابوالقاسم کے بستر یا سین (م ۳۸۰ھ) مکتب میں ہوئی پھر ایک مجذوب نقمان سرخسی نے آپ کی طبیعت پر اثرات مرتب کئے آپ



ان دنوں علم حدیث و فقہ کی تحصیل میں مصروف تھے آپ اسی بذوق کے ساتھ مرو ہیں رہے اور پیر ابو الفضل سرخسی رحمۃ اللہ علیہ سے شناسائی ہوئی جو ابو نصر سراج قدس سرہ کے فیض یافتہ تھے۔ اس طرح حضرت ابو سعید بوعلی فقہیہ سرخسی کے مدرسہ سے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خانقاہ ابو الفضل میں بھی حاضر رہا کرتے تھے آپ نے ان ایام میں سخت ریاضتیں کیں شب بیداری کی منازل سے گزرے اور زہد و عبادت کا یہ دور کئی سالوں پر محیط رہا۔ ایک عرصہ کے بعد آمل میں آکر شیخ ابو العباس قصاب کی صحبت میں رہے۔ اور وہاں سے ہی فرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور ریاضت شاقہ سے سلوک کی منازل طے کرنے لگے اسی شناسائی میں آپ نے حضرت ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے بھی فرقہ خلافت حاصل کیا۔ ظاہری علوم و فنون سے کنارہ کش ہو گئے اپنی کتابوں کو زمین میں دفن کر کے اس پر ایک درخت لگا دیا۔ اور اس طرح درختوں کو کتابی علوم سے ہٹا کر مجاہدہ و ریاضت کی منازل طے کرانے لگے طوس اور نیشاپور میں آپ کی مجالس و گون کی توجہ کامرکز بن گئیں۔ ان مجالس کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ دوسرے صوفیاء کے طریق سے بہت کم مجلس ذکر و سماع میں ذوق و شوق کو فروغ دینے میں مصروف رہے تو ال غزل و اشعار سنانے، ررویش، قص و وجد کرنے اور حضرت شیخ پر تکلف و عوتوں کا اہتمام کرتے۔ ان مجالس کو جہاں اہل ذوق نے پسند کیا۔ وہاں شہر کے علماء و آئیہ نے ناراضگی کا اظہار کیا خصوصاً علماء احناف و کرامتیہ تو شیخ کی اس روش کو نہایت مکرہ خیال کرتے تھے۔ معتدل صوفیاء بھی جن میں حضرت ابو القاسم امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش تھے شیخ کی مجالس سماع و رقص کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اس شور و احتجاج کے باوجود شیخ نے اپنے اطوار میں ذرہ بھر تبدیلی قبول نہ کی وقت کے ساتھ ساتھ بعض صوفیاء اور علماء شیخ کے ہم نوا ہونے لگے اور عوام الناس بھی حضرت شیخ کی کرامات اور خوش گفتاری سے متاثر ہو کر آپ کے حلقہ ارادت میں آنے لگے۔ ایک وقت آیا کہ نیشاپور۔ طوس۔ مرو اور مینہہ جیسے شہر شیخ اور ان کے مریدوں کی شہرت سے گونج اٹھے۔ آپ کی مجالس سماع کی شہرت خراسان کی سرحدوں سے آگے پھیلی گئی اور ساتھ ہی آپ کی کرامات اور حکیمانہ گفتگو زبان زد عام ہونے لگی حضرت ابو الحسن خرقانی اسی شہرت سے متاثر ہو کر حج کو جاتے جاتے رک گئے شیخ رئیس بوعلی سینا غزنی سے چل کر نیشاپور پہنچے



شیخ سے ملاقات کی۔ اور واپسی پر سلسلہ خط و کتابت ایک عرصہ تک جاری رہا۔

شیخ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد اور جانشینوں نے آپ کے طریقہ تصوف کو ایک عرصہ تک جاری و ساری رکھا۔ آپ کی کرامات اور مقامات کی تشریحات لکھی گئیں۔ زیر نظر کتاب فی مقامات ابی سعید اسرار التوحید جسے ہم مقامات صوفیاء کے نام سے اردو میں شائع کر رہے ہیں۔ آپ کے حالات و اقوال پر ایک قریب ترین مآخذ ہے۔ شیخ اشعار اور رباعیات میں شہرت رکھنے کے باوجود کوئی دیوان مرتب نہ کر سکے۔ اور اس قدر حکیمانہ ذہن کے باوجود کوئی نثری تصنیف یا دگار نہ چھوڑ سکے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ میری کرامات اور احوال کو عام نہ کیا جائے فرماتے "حکایت نویس نہ ہو۔ بلکہ زمانہ کی داستان بنو"۔ حضرت شیخ ابوسعید نے عربی۔ فارسی اشعار سے ہمیشہ اپنی مجالس کو مزین رکھا یہ اشعار متقدمین صوفیاء کا نتیجہ فکر ہوتے یا طبع زاد۔ آپ صوفیانہ رباعیات کے موجد مانے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے زمانے میں رباعیات ابوسعید ابو الخیر کے نام سے ایک مجموعہ شائع ہوا ہے۔ جس میں اکثر و بیشتر اشعار آپ کے علاوہ دوسرے اساتذہ سخن کے بھی جمع کر دیئے گئے ہیں۔ آپ کے اقوال اور واقعات کو ایک دوسری کتاب حالات و سخنان ابوسعید میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ان واقعات میں شیخ کی زندہ دلی اور خوش روی مہلکتی ہے۔ ان واقعات میں بچے پر لطف اور دل نشین نکتے بیان کئے گئے ہیں۔

شیخ ابوسعید ابو الخیر آپ کے بعد آنے والے صوفیاء کی ممدوح اور مرغوب شخصیت رہے ہیں آپ کے اقوال۔ لطائف۔ نکات صوفیاء کی مجالس کی رونق بنے اور آپ کے حکیمانہ اقوال نے کئی صدیوں تک علمی ذہنوں پر اپنا نقش قائم رکھا اور اس دریا سے نہریں جاری ہوتی رہیں اور اس شمع سے چراغ روشن ہوتے رہے۔ حضرت امام ابوالقاسم قشیری ریشی کے معاصر، حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری الغزنوی لاہوری۔ شیخ احمد غزالی (برادر امام غزالی) شیخ فرید الدین عطار۔ مولانا جلال الدین رومی ضوال اللہ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر صوفیاء آپ کی تعلیمات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اور آپ کے اقوال کی مہلکیاں ان بزرگوں کے اقوال و اشعار میں مہلکتی دکھائی دیتی ہیں۔

کتاب اسرار التوحید فی مقامات ابوسعید کے کئی ایک نسخے ہمارے سامنے آئے انقلاب ایران



کے بعد اسلامی لٹریچر کی از سر نو اشاعت ہونے لگی۔ تو جہاں ہمیں تصوف کی بے پناہ کتابوں سے دیدہ دل کو منور کرنے کا موقع ملا۔ وہاں یہ کتاب ہمیں ان کتابوں میں ملی جو ہمارے فاضل دوست جناب سید مصطفیٰ موسوی نے رشت سے بھیجی تھیں۔ اس کتاب کی شہرت تو ایک عرصہ سے اہل علم کے حاشیہ ذوق پر اپنا نقش ثبت کر چکی تھی۔ مگر جب اس کتاب کا تازہ ایڈیشن پاکستان پہنچا تو ہمارے کرم فرما دوست جناب سید اسرار بخاری ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج ربوہ نے اسے اردو لباس میں مزین کرنے کا اعلان کیا۔ بخاری صاحب صوفیاء اسلام کی تعلیمات سے اتنے شناسا ہیں کہ وہ مجلس میں اہل اللہ کے اقوال اس جلالت آمیز روانی سے بیان کرتے جاتے ہیں جیسے ابھی ابھی ان پاکیزہ مجالس سے اٹھ کر ہمارے سامنے آ بیٹھے ہیں وہ اس سے پہلے تصوف کی مشہور کتاب "کتاب اللع" کا ترجمہ کر چکے تھے۔ انہوں نے یہ کام شروع کیا۔ کئی صفحات کا ترجمہ کیا۔ مگر آخر کثرت کار اور ان کی تدریسی مصروفیات نے ان کے راہوار قلم کو زنجیر بن کر ترجمہ کی شاہراہ پر چلنے سے روک دیا۔ یہ حادثہ اہل علم اور اہل محبت کی دنیا میں اکثر آتا ہے۔ کہ چلتے چلتے قدم رک جاتے ہیں۔ بار بار التجا کے باوجود فاضل مترجم وقت نہ نکال سکے اور کئی ماہ کی تعویق کے باوجود آپ کے تدریسی مشاغل نے اجازت نہ دی۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا۔ کہ ہم اس قند قلم مترجم کی صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

یہ کام میرے لئے نہایت مشکل تھا۔ مطالب تصوف کی سنگلاخ وادی کو طے کرنا میرے جیسے ہچمداں کے لئے بڑا دشوار تھا۔ مگر بخاری صاحب کے ذوق ترجمہ کی کچھ چاشنی نوک قلم سے لگائے انہاں خیزاں روانہ ہوا۔ الحمد للہ یہ منزل طے ہوئی اور آخرین ابواب کے ترجمہ کی سعادت مجھے نصیب ہوئی۔ میں اپنی بے سرو سامانی کے باوجود ایک عظیم صوفی کی نگارشات فکر کو اردو لباس میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ قبول نظر ہو تو زہے نصیب! ورنہ اچھے لوگوں سے لغزشوں کو معاف کرنے کی توقع پر قدم بڑھانے کا حوصلہ رہتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے جلیل القدر مؤلف۔ مترجم۔ اور کرم فرما فاضل جناب شمس بریلوی دامت برکاتہم لطالیہ کا احسان ہمیشہ یاد رہے گا۔ کہ انہوں نے کمال لطف و محبت سے ہماری درخواست پر



کتاب کے لئے ایک مسبوٹ مقدمہ سپرد قلم کیا۔ جسے ہم ابتدائے کتاب میں بدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔ یہ مقدمہ جہاں حضرت شیخ ابوسعید ابی الخیر کی ذات والا صفات پر ایک منفرد تعارف ہے۔ وہاں شیخ کے معاصرین بلکہ تصوف کے مختلف سلاسل اور مقتدر صوفیاء کے کارناموں کا بھرپور تذکرہ ہے۔ قارئین کتاب اس مقدمہ کو ایک قابل قدر اضافہ محسوس کریں گے۔

مکتبہ نبویہ نے جہاں مختلف موضوعات پر علمی کتابوں کی اشاعت میں نام پیدا کیا ہے وہاں علوم تصوف و تذکار صوفیہ پر متعدد کتابیں شائع کر کے اہل محبت سے داد وصول کی ہے۔ زیر نظر کتاب مقاماتِ صوفیاء بھی اہل نظر اور اہل ذوق کی خدمت میں وہی مقام پائے گی جو مکتبہ نبویہ کی دوسری مطبوعات کو ملا ہے۔ ہم جہاں سید مصطفیٰ موسوی، پروفیسر سرار بخاری ایم اے اور جناب شمس بریلوی بالقابہ کے مضمون ہیں وہاں مکتبہ نبویہ کے اراکین کے پاس گزار ہیں کہ انہوں نے اس ددرگواں باری میں نہر کثیر خرچ کر کے صدیوں قدیم صوفیاء کی تعلیمات کو شائع کیا۔

۔ المنة لله که درمیکده بازار است!





## مقدمہ

### ڈاکٹر ذبیح اللہ صفاء - تہران - ایران

قارئین آپ کی خدمت میں پیش کی جانے والی کتاب کا نام "اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید فضل اللہ بن ابی النجیر المہینی" ہے۔ اسے ادب فارسی میں اہمیت کی نسبت کا اور بہ مسائل ربانی ہے۔ اور یہ فارسی ادب کے اساتذہ کی زبان میں غریب ترین میں لائی گئی تھی۔ تحریر کی روانی، جملوں کی شگفتگی اور فصاحت و بلاغت میں اس کتاب کو بڑی شہرت ملی۔ اس کا سن تالیف چھٹی صدی ہجری کے آخری ایام میں ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فارسی ادب میں مصنوعی عبارت آرائی کا آغاز ہو چکا تھا تاہم اس کی تحریر میں تصنع کا اثر نہیں بھی دکھائی نہیں دیتا۔ چھوٹے چھوٹے جملے۔ پر مطالب طلمات۔ سادہ فارسی تراکیب۔ اور عمدہ ترکیبات کتاب کے صناعات پر جا بجا پھیلی نظر آئیں گی۔ واقعات اور سرگزشت کی مختلف کڑیوں کو اس حسن و خوبی سے ترتیب دیا گیا ہے کہ قارئین کتاب کی نظریں جذب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ عربی کے کلمات اور تراکیب بہت کم ملتی ہیں۔ اور راجع الوقت فارسی کی جانشینی سطر سطر سے چمکتی ہے۔



اسرار التوحید تین بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کی زندگی کے ابتدائی حالات ہیں۔ دوسرے باب میں جوانی کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اور تیسرے میں زندگی کے آخری ایام کا ذکر ہے تین بابوں میں خصوصاً دوسرے باب میں حضرت شیخ قدس سرہ کے اقوال، فارسی اشعار اور ملفوظات نقل کئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں اس زمانے کی فارسی زبان کی نظم و نثر کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ دراصل فارسی زبان پانچویں صدی کے آغاز میں ایک خصوصی تبدیلی کی نشاندہی کرتی ہے۔ چونکہ اس کتاب میں ایک شخص کی زندگی کے حالات درج ہیں۔ بایں ہمہ اس وقت کے سیاسی اور روحانی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ تاریخ تصوف پر تحقیق کرنے والوں کے لئے ایک بہترین مطالعہ ہے۔

ابوسعید فضل اللہ بن ابی النخیر بن احمد مینہی قدس سرہ جن کے حالات زندگی اس کتاب کا سرمایہ عزیز ہیں۔ اپنے زمانہ کے شاہیر علماء، محدثین میں شمار ہوتے تھے خراسان میں آپ نظریہ وحدت الوجود کے ترجمان تھے۔ آپ کی ولادت ۳۵۶ھ مینہہ میں جو خاورآن کے دیہات میں سے تھا۔ ہوئی۔ آپ کی وفات ۴۲۰ھ میں اسی گاؤں میں ہوئی۔ آپ کے والد عطاری کا کام کرتے تھے۔ مگر صوفیاء کی مجالس میں نہایت عقیدت سے حاضری دیتے تھے۔ حضرت ابوسعید انہی مجالس صوفیاء سے متاثر ہوئے اور تربیت پاتے رہے۔ اور آپ اپنے والد کے ساتھ رہ کر تصوف کے ابتدائی حالات سے واقف ہوئے۔ ہوش سنبھالا۔ تو ظاہری علوم شرعیہ کی تحصیل کے لئے مینہہ مراد و سرش کے مدارس سے وافر حصہ پایا۔ سرخس میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن سرشی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد ابوعبدالرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ آمل میں آکر حضرت ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا۔ اس عرصہ میں حضرت شیخ نے ریاضت اور سلوک میں کئی منازل طے کیں۔ اور ایک عارف کامل کی حیثیت سے ابھرے۔ پھر مینہہ میں اپنی خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح کچھ عرصہ نیشاپور میں رشد و ہدایت کو عام کیا۔ آپ کا طرز بیان کشف اور کرامات معاشرے کے مختلف طبقات پر اثر انداز ہوئے۔



ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے بزرگ مشائخ میں سے تھے۔ آپ تفسیر، حدیث، فقہ اور ادبیات و عظیم شہرہ آفاق ہوئے۔ ان علوم پر عبور حاصل کرنے کے بعد آپ کے ذوق لطیف، ہمتِ طبع، حدتِ ذہن، ظنِ بیان اور بصیرتِ افزوز باتوں نے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا اور وہ آپ کے قدموں میں سر ہی نہیں بدیہ دل بھی پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ آپ کی مجالس و عظمیٰ شاعروں کے ابیات اور اشعار سے پُر ہو تیں۔ فارسی ادب کے بہترین قطعات، عمدہ اشعار اور برجستہ باعیات آپ کی زبان سے پھول بن کر جھڑتیں، لوگ ان موتیوں سے جھومیاں بھرتے اور وجد و نشاط میں جھوم جھوم جاتے۔

حضرت شیخ ابوسعید بسا اوقات اپنے اشعار بھی سناتے ہم از رہ تحقیق کہہ سکتے ہیں کہ ایسے اشعار آپ سے پیشتر صوفیاء کی زبان سے نہیں سنے گئے تھے۔ گویا آپ پہلے صوفی ہیں جنہوں نے اسرار تصوف کو شعری زبان سے بیان کرنے کا آغاز کیا۔ اندرین حالات ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس سلسلہ میں سنائی اور عطار کے پیشرو تھے۔ آپ کے اثر یافتہ صوفیائے بھی رباعیات اور اشعار میں صوفیانہ اسرار بیان کرنے شروع کئے۔ اس کتاب کے ایک حصہ میں آپ کے اپنے اشعار اور رباعیات کے علاوہ دوسرے شعرا کے ابیات اور اشعار بھی ملتے ہیں جو آپ کی زبان سے نکلنے والے اشعار آپ کی مجالس و عظمیٰ کا حسن ہوتے۔ آپ کے مرید اور عقیدت مند انہی اشعار کو مترنم آواز سے سناتے۔ اور از پر کر کے دنیائے اسلام کے گوشے گوشے تک لے گئے حتیٰ کہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے شعرا نے بھی آپ کے اثرات سے دافر حصہ لیا۔ باین سبب ہمیں تعجب ہے کہ اس کتاب کے مؤلف محمد منور رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کو فارسی شاعر ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اس کتاب کے علاوہ حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کے حالات، مقامات، کرامات اور اقوال پر ایک اور کتاب بھی ملتی ہے جو "حالات و سخنان شیخ ابوسعید ابوالخیر" کے نام سے مشہور ہوئی۔ زیر نظر کتاب کی بنیاد اور تفسیر کتاب ہے۔ بعد میں طبقات صوفیہ نسبی رجبہ چہارم، آثار البلاد



اخبار السباد ذکر یا بن محمد بن محمود قزوینی، الانساب سمعانی، تذکرۃ الاولیاء، عطار، نفحات الانس  
 (رجامی) اور دوسرے تذکروں نے حضرت شیخ کے حالات لکھے ہیں مگر ان تذکروں کے آغاز و منابیح  
 زیر نظر کتاب اور مذکورہ صدر کتاب ہے۔

حضرت شیخ ابوسعید کے حالات زندگی سب سے پہلے آپ کے پڑپوتے جمال الدین  
 ابوروح لطف اللہ بن ابی سعد بن ابی طاہر بن ابی سعید مینہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھے۔ ان  
 کے متعلق اس کتاب میں لکھا ہے۔

” اس سے پہلے امن کے زمانہ میں امام اجل عالم بے بدل جمال الدین ابوروح لطف  
 اللہ بن ابی سعد جو اس دعا گو کے چچا کے بیٹے ہیں۔ نے ایک کتاب لکھی جو ایک عقیدہ مند  
 کی استدعا پر تیار کی گئی۔ اس کتاب میں پانچ باب تھے۔ ہر باب میں مستند حوالوں کے  
 ساتھ روایات جمع کی گئی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب میں حضرت کے فضل و کمال  
 کا تذکرہ کیا گیا ہے حضرت شیخ کے اقوال و احوال کو خصوصیت سے بیان کیا ہے“

یہ ابوروح لطف اللہ آٹھویں صدی ہجری کے اول حصہ میں زندگی بسر کر رہے تھے  
 لیکن ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کب تک زندہ رہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ اسرار توحید  
 (زیر نظر کتاب) کی تصنیف کے وقت زندہ نہیں تھے کیونکہ محمد بن منور مؤلف کتاب نے  
 اپنی کتاب میں ان کا دوبار ذکر کیا مگر ایسے ذکر کیا جیسے فوت شدہ لوگوں کا کیا جاتا ہے  
 آپ کی زندگی کے آخرین ایام جنہیں ہم محسوس کرتے ہیں ۵۳۲ھ ہے جب اتسر خوارشاہ  
 سلطان سنجری ختا کے کنارے شکست اور اس کی سلطنت کے زوال کا آنکھوں دیکھا حال  
 بیان کرتے ہیں۔ اس واقعہ میں اتسر خوارشاہ خاوران میں گیا۔ اور اس نے ارادہ کیا کہ  
 مینہہ کو غارت کر دے لیکن بعض مشائخ اور بزرگان دین نے اسے ایسا کام کرنے سے روک  
 دیا۔ چنانچہ وہ تین دن تک مینہہ میں رہا۔ اس اثنا میں حضرت شیخ کی اولاد اور صوفیاء جو اس  
 وقت وہاں موجود تھے۔ باہر نکلے۔ وہ بڑی عزت و اکرام سے پیش آیا۔ جمال الدین ابوروح



جو اس دعا گو کا غم زاد تھا۔ علوم فنون میں بے پناہ حصہ رکھنا تھا۔ انہوں نے حضرت شیخ کے حالات، کرامات، ریاضات اور اسرارِ حجب کے پانچ بادشاہ نے اور لوگوں کو تو لوٹا دیا مگر جمال الدین کو اپنے ساتھ رکھا۔ اور بعد از نماز عشاء، حضرت کے مزار کی زیارت کو حاضر ہوا۔ زیارت کے بعد جمال الدین کو بھی واپس بھیج دیا۔ اور ہدایت کی کہ کل بچ پھر آئیں۔ اس طرح دو تین دن باقاعدگی سے حاضری دینا رہا۔

حضرت جمال الدین ابوروح نے حضرت شیخ کے حالات و کلمات اگرچہ مختصر لگے۔ مگر بڑے جامع اور مستند تھے یہ نہایت مفید حالات تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان صفحات سے محمد بن منور نے اپنی کتاب اسرار التوحید کے لئے بہت سا مواد لیا ہے۔ اس کتاب کا آغاز حدیث نبوی سے کیا گیا۔ پھر اس حدیث کی تشریح کی گئی۔ پھر احوال و کرامات احوال و ملفوظات حضرت شیخ بیان کی گئیں۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جو برطانیہ کے عجائب خانہ کی لائبریری میں موجود ہے۔ اسے روسی پروفیسر و ایٹن ڈوکوفسکی مشہور مستشرق نے بیٹریگ (لینن گراڈ) سے ۱۸۹۶ء مطابق ۱۳۱۵ھ پہلی بار شائع کرایا تھا۔ پھر یہی کتاب دوسری بار تہران میں چھپی اور اس کا نام "حالات و سخنان شیخ ابوسعید" رکھا گیا۔ ابوروح کا طرز نگارش بھی نہایت نظر کتاب کے مولف غلام محمد بن منور کی طرح سادہ اور مختصر ہے۔

اس کتاب کے مولف حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ کے پڑپوتے محمد بن منور بن شیخ الاسلام ابن سعد بن ابی طاہر بن ابی سعید فضل اللہ بن ابوالخیر المہینی قدس سرہم ہیں۔ ابن منور نے اس کتاب کو حضرت شیخ قدس سرہ کے احوال، اخبار، اقوال اور کرامات سے مزین فرمایا ہے۔ یہ ساری چیزیں مختلف ذرائع سے جمع کیں اور اپنے زمانہ کے حکمران ابوالفتح غیاث الدین محمد بن سام بادشاہ غوری متوفی ۵۵۹۹ھ کے نام منسوب کیا۔

سلطان سنجر کو ۵۴۸ھ میں غزوں نے شکست دی۔ ان وحشیوں نے خراسان کی سرزمین میں قتل و غارت عام کر دی۔ بستیوں کو ویرانوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ فاضل مولف کا گھر مینہ



خصوصی طور پر ان کی بربریت کا نشانہ بنا۔ اس وقت کے شیوخ خاندان کے بوڑھے حضرت شیخ ابوسعید کے مرید۔ پشتہ دار چچا کے لڑکے تمام کے تمام اسی جگہ موجود تھے۔ پھر ان لوگوں نے اپنی یادداشتوں سے اس کتاب کو مزین کیا۔ جمال الدین ابوروح کی کتاب بھی اس کتاب کی بنیاد بنی۔

چنانچہ ہم اس کتاب اسرار التوحید کا سال تالیف غزوں کے ۵۲۸ھ حملوں کے بعد

قرار دیتے ہیں۔ اس قوم کی تباہ کاریوں کے اثرات ہی اس امر کا باعث ہیں کہ مولف غم زان

واقعات کو حوادث کی گرد سے صاف کیا اور اسے کنا بی شکل میں ترتیب دیا۔ چنانچہ کتاب کے آخرین

حصہ میں ان واقعات کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ کتاب ان واقعات سے کئی سال بعد مکمل

ہوئی۔ مولف کتاب اپنے دادا کی کرامات بیان کرتے وقت محمد بن عبدالسلام جو حضرت شیخ کے خادم

کے لڑکے تھے۔ کو نظر انداز نہیں کر سکے۔ یہ بزرگ غزوں کے حملوں کے بارے میں حضرت شیخ کے

روضہ اقدس پر پڑے رہے اور تقریباً بیس سال تک اس خانقاہ کے مجاور رہے۔ ابن منور نے انہیں

سے آخری عمر میں اپنے دادا کی قبر پر ملاقات کی۔ اور ان سے گفتگو کی۔ اور خصوصیت سے پوچھا

کہ "اتنے عرصہ تک آپ حضرت کے روضہ پر رہے ہیں کوئی کرامت بھی دیکھی ہے؟"

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابن منور نے اپنی کتاب کو غزوں کے حملہ کے بہت

بعد تقریباً چوبیس سال کی حدود میں تالیف کیا۔ یعنی ۵۵۷ھ کے لگ بھگ سال تالیف ہے۔ بعد

میں اسے غیاث الدین غوری کے نام پر منسوب کیا مگر پروفیسر ژرد کوفسکی اسرار التوحید کا سال تالیف

۵۵۳ھ سے ۵۸۱ھ کے درمیان بتاتے ہیں۔

اس کتاب کو پروفیسر ژرد کوفسکی نے ۱۸۹۹ء، ۱۳۱۰ھ میں پیر برگ رینن گراڈ، لایبیری

سے قلمی نسخہ سے ترتیب دے کر طبع کرایا تھا۔ ان دو نسخوں کے درمیان جو اختلاف لفظی پایا جاتا

تھا۔ اسے کتاب کے حواشی میں واضح کر دیا گیا۔ پھر ۱۳۱۳ھ شمسی میں مرحوم احمد بہنیا راستہ د

دانشگاہ تہران نے ژرد کوفسکی کے نسخہ کو بعض ترامیم اور حواشی کے ساتھ ترتیب دیا۔ اور ایک

گراں قدر مقدمہ لکھا۔ ژرد کوفسکی کے مقدمہ کو بھی کتاب کے آغاز میں طبع کرایا۔



۱۳۳۱ شمسی میں آقائی حفصی ناظم انتشارات امیر کبیر نے راقم کو ایک نسخہ عنایت کیا تاکہ اسرار التوحید کو پروفیسر ڈوکوفسکی کے انداز پر زور طبع سے فرین کریں چونکہ مجھے محض ایک نسخہ کو بنیاد بنا کر کام کرتے درست معلوم نہ ہوتا تھا۔ میں نے مزید تگ و دو کی اور کوئی اور نسخہ بھی سامنے رکھنے کے لئے آگے بڑھا تاکہ یہ کتاب قارئین کے لئے مزید مفید ہو سکے۔ اتفاقاً انہی دنوں میرے فاضل دوست آقائی مجتبیٰ مینوی استاد دانشگان تہران جو استنبول کے سفر سے واپس آئے تھے وزارت تعلیم سے ایک نادر نسخہ کا عکس لائے جو نہایت مہربانی فرماتے ہوئے عنایت فرمایا میں ان کے احسان کے اظہار کے لئے قوت بیان نہیں پاتا۔

مذکورہ نسخہ قلمی جواب قومی لائبریری کی ملکیت ہے میرے پاس رہا۔ اور مجھے اسرار التوحید کو از سر نو ترتیب دینے کا شوق پیدا ہوا۔ اب استاد ڈوکوفسکی کے دو نسخہ اور تیسرا یہ نادر نسخہ میرے سامنے رہے مجھے امید ہے کہ اہل تحقیق اسے زیادہ مفید پائیں گے۔ جہاں جہاں متن میں اختلاف نظر آیا۔ میں نے حاشیہ میں نشاندہی کر دی ہے۔

آغاز کار میں مجھے خیال پیدا ہوا کہ استنبول کے قلمی نسخہ کو پہلے دو نسخوں سے موازنہ کروں۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان تین نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان تمام اختلافات کو بھی نظر انداز نہ کروں جو ان تینوں میں مطلب کی وضاحت کے لئے مناسب ہوں چنانچہ زیر نگاہ کتاب ان تینوں قلمی نسخوں کا بہترین مواد ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ عربی عبارات۔ عربی جملے۔ آیات قرآنیہ۔ احادیث نبویہ کو علیحدہ علیحدہ لکھوں حضرت شیخ کے ان اشعار و ابیات کو بھی ایک حصہ میں ترتیب دوں۔ تاکہ قارئین کرام پوری طرح استفادہ کر سکیں۔



شیخ ابوسعید ابوالخیر

## حضرت ابوالحسن سید علی بن عثمان الجلالی البجوری

المعروف داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ — کی نظر میں

آپ متاخرین صوفیہ سے شہنشاہِ مہمان ملکِ اہلک صوفیاء حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد مہنبی رضی اللہ عنہ ہیں سلطانِ وقت و جمالِ طریقت گزرے ہیں۔ تمام اہل زمانہ آپ سے مسخر تھے کوئی آپ کے دیدار کا مشاق رہتا۔ کوئی آپ سے حسنِ عقیدت رکھتا۔ کوئی آپ کی قوتِ حال کا قائل تھا۔ علوم و فنون میں مانے ہوئے عالم ہونے کے علاوہ اشرافِ قوم میں عظیم الشان درجہ رکھتے تھے۔ مزید برآں طریقت میں آپ کی نشانیاں اور براہین بے حد ہیں۔ چنانچہ آج تک آپ کے آثارِ کمالات اتنے ظاہر ہیں کہ دنیا جانتی ہے۔

ابتدائی زمانے میں آپ بغرضِ حصولِ علم مقامِ مہنبہ سے مقامِ سرخس میں آئے اور حضرت ابوعلی رضی اللہ عنہ جاپیکسوار کی خدمت میں رہے۔ آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ تین روز کا سبق ایک دن میں پڑھا کرتے اور تین دن عبادتِ الہی میں بسر فرماتے۔ امام ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے جب آپ کی یہ راست روی ملاحظہ فرمائی تو آپ کی عظمت فرمانے لگے۔ اور تعلیم میں کچھ زیادتی کر دی۔ اس زمانہ میں دالی سرخس شیخ ابوالفضل حسن تھا۔ ایک دن حضرت فضل اللہ ابوسعید جو نیار نہر پر گلگشت فرما رہے تھے کہ ابوالفضل دالی سرخس سے دو چار ہو گئے۔

ابوالفضل حسن نے آپ سے کہا۔ ابوسعید جس راستے پر تم جا رہے ہو یہ تمہارا راستہ نہیں،



حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور سیر فرما کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔ اور اپنے مشاغل ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے درہدایت کھولا اور حضرت ابوسعید کو مدارج علیا پر فائز فرمایا۔

شیخ ابومسلم فارسی فرماتے ہیں کہ مجھے ابوسعید فضل اللہ سے دیرینہ خصومت تھی لیکن ان کے زہد و ورع کا شہرہ سُن کر جب ان کی زیارت کا شوق ہوا تو میں ایسی حالت میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میرے جسم پر ایسا خرقہ تھا کہ میلا ہو کر چمڑے کی طرح ہو گیا تھا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا آپ تخت مرصع پر روائے مصری ڈالے تشریف فرما ہیں۔ میں نے اپنے دل میں یہ اعتراض کیا کہ یہ مرد دعویٰ فقیری کر کے اس قدر علائق دنیاوی میں پھنسا ہوا ہے اور تمام علائق۔۔۔ انقطاع کر کے مدعی فقر ہونے سے میری اس کے ساتھ کیونکر موافقت ہوگی۔

ابوسعید فضل اللہ اپنے نور فراست سے میرے اس خطرہ سے واقف ہو گیا اور سرائٹھا کہ مجمع سے فرما۔ يَا اَبَا مُسْلِمٍ فِي اَيِّ دِلْوَانٍ وَجَدْتَ مَنْ كَانَ قَلْبُهُ قَائِمًا فِي مُشَاهِدَةِ الْحَقِّ يَتَّقِعُ عَلَيْهِ اسْمُ الْفَقِيرِ ابومسلم تم نے کس کتاب میں دیکھا کہ جب کسی کا دل خدا کے مشاہد قائم ہو اس پر نام فقر آتا ہے یعنی جو اصحاب مشاہدہ ہیں وہ اپنے رب کے ساتھ غنی۔ جو فقیر ہیں وہ ارباب مجاہدہ کہلاتے ہیں۔

ابومسلم نے کہا یہ جواب سُن کر میں اپنے دل میں خجل و پریشان ہوا اور نے بے جا دوسرے سے توبہ کی۔

آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ لَتَسُوْفُ قِيَامُ الْقَلْدِ

بِلَا وَاسْطَةٍ تَصَوْفُ قِيَامُ رِجَالٍ بِسَمَاءٍ بَعْدَ بِلَا وَاسْطَةٍ

شارہ ہے۔ اس لئے کہ مشاہدہ غلبہ دوستی سے ہوتا ہے اور مشاہدہ استغراق



میں ہوتا ہے اور فنا جسے کہتے ہیں وہ بقا بحق کہلاتی ہے۔

اس بحث کو کتاب الحج کے عنوان سے مشاہدہ وجود کی تفصیل کے لئے علیحدہ

باب میں بیان کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایک بار حضرت ابوسعید فضل اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نیشاپور سے طوس کا قصد فرمایا۔

راستہ میں سردی سخت تھی۔ حتیٰ کہ موزوں کے اندر بھی پائے مبارک سردی محسوس کرنے لگے

ایک درویش کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ اپنی کمر کی پٹی کے دو ٹکڑے کر کے پائے مبارک

میں لپیٹ دوں۔ مگر میرے دل نے اس کا ٹٹا گوارا نہ کیا۔ اس لئے کہ وہ بہت

عمدہ تھی جب ہم طوس آگئے۔ ایک روز محفل میں میں نے عرض کی کہ حضور و سوا اس

شیطانی اور الہام میں کیا فرق ہے۔ فرمایا۔ الہام وہ ہے جس میں تجھے کہا گیا کہ کمر پٹی کاٹ

کر ابوسعید کے پیروں کو سردی سے محفوظ کر، اور و سوا اس شیطانی وہ ہے جس نے تجھے اس

کام سے روکا۔ اور اس قسم کی بہت سی باتیں متواتر ہیں۔ لیکن اس مختصر میں یہ ہی بس ہے

واللہ اعلم بالصواب۔



اسرار التوحید

# فی مقامات شیخ ابی سعید

قالیف:

محمد بن منصور بن ابی سعید بن ابی طاہر بن  
ابی سعید مہندی



## مقدمہ مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَوَّرَ قُلُوْبَ اَوْلِیَّیْهِ بِلَطَیْفِ  
اَنْوَارِہِ وَجَعَلَ سَرَیْرِ اَحْیَائِہِ وِدْوَا طِنْہُمْ

کَنْوَزِ اسْرَارِہِ وَکَشَفَ عَنْ عَقُوْلِ اَصْفِیَائِہِ

حُجْبَ الطُّغْیَانِ وَاسْتَارَہُ وَالصَّلٰوۃُ  
وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِہِ وَنَبِیِّہِ وَخَیْرِہِ

مِنْ اَخْیَارِہِ وَعَلٰی اٰلِہِ وَاَصْحَابِہِ وَاَعْوَابِہِ

وَاصْبَارِہِ وَسَلَامٌ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

بے شک اسی کی ذات اعلیٰ صفات نے بغیر کسی غرض یا طلبِ منفعت اپنے خاص مہر و کرم کمالِ لطف و عنایت اور محدود قدرتِ کاملہ کے ساتھ اس عالمِ رنگ و بو کو پیدا فرمایا، پھر اسے نادر و بے مثال مجائب سے آراستہ کیا اور انہی عجائباتِ نادرہ میں سے نبی نوع انسان کے باپ سیدنا آدم صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں مشرتِ خاک سے وجود بخشا، ان کے سیاہ مٹی کے گائے سے بنے ہوئے قالب کو ساہا سال مکہ و طائف کے درمیان چھوڑ دیا، تا آنکہ اُس میں استعدادِ روح اور نفسِ انسانی کی تکمیل پیدا ہو گئی تو اُسے ”وَنَفَخْتُ فِيْہِ مِنْ رُوْحِی“ کے زیور سے سجا کر ان بیت کے نام سے موسوم کیا، بعد ازاں، انسان، اُنس اور مؤانست جیسے متناسب کلمات کے سبب علم



بالغہ کا تقاضا تھا کہ اُسے کسی مونس و ہمدم کا محتاج کیا جائے تاکہ یہ تنہائی کی وحشت کو اپنے مونس کی رفاقت کے ذریعے دور کرے، لہذا اُمّ البشر حوا علیہا السلام کو آدم کے بائیں پہلو سے اپنے تخلیقی اجازت کے ساتھ ظاہر فرما دیا، پھر شہوت جو نفس حیوانی کے عوارض میں سے ایک ہے کو دونوں (آدم و حوا) کی سرشت میں ودیعت کیا تاکہ اس کے سبب اُن میں تو والد و تناسل کا سلسلہ قائم ہو اور اس قدر آدمی روئے زمین پر پیدا ہوں کہ وہ مختلف اقوام و نسل میں بٹ کر اپنی جدا جدا زبانیں بولیں۔ اُن کی اصل ایک اور شاخیں لا تعداد ہوں تاکہ یہ سب مل کر تنوع اور رنگارنگی میں اپنے پیدا کرنے والے کی خَلاتی و صنّاعی پر دلیل ثابت ہوں۔

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهِ آيَاتٌ تَدُلُّ عَلَىٰ أَنَّهُ وَاحِدٌ

ہر شے میں اُس کا نشان موجود اور ہر چیز میں اُس کے ایک ہونے کی دلیل ظاہر ہے، خالق برحق جل ذکرہ نے آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ فرزندوں میں سے انبیاء و اولیاء و رسل علیہم السلام مقرر فرمائے، جنہوں نے بندہ و معبود اور خالق و مخلوقات کے درمیان تعلق جوڑا، ان نفوس قدسیہ کو اس نے دنیا سے علیحدگی اور بلندی کی طرف جانے میں کمال عطا فرمایا یہ صورت میں خلق کے ساتھ اور صفت کے لحاظ سے حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں حقیقت حق سے جو ملے اُسے لے لیتے ہیں اور نور نبوت سے مشاہدہ کرتے ہیں، لوگوں کو رشد و ہدایت کی طرف بلا نما اور انہیں گمراہی و سرکشی سے باز رکھنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں، تاکہ وہ جہالت کے اندھیروں اور پریشانی کے صحراؤں سے نکل کر ساحل نجات اور کنارہ ہدایت کو پالیں۔ اور حیوانیت چھوڑ کر انسانیت و معقولیت کی صفات سے متصف ہوں، انبیاء علیہم السلام کے بعد اولیاء کو ہم کا درجہ ہے کہ صاحب کرامات و مقامات ہیں اور اللہ سے مناجات کرتے ہیں۔ یہ طبقہ بامعنی انبیاء و رسل سے نزدیک ہوتا ہے اور ان کا باہمی فرق یہی کچھ ہے کہ انبیاء بیک وقت اللہ اور خلق سے تعلق قائم رکھے ہوئے ہوتے ہیں جبکہ اولیاء اگر خلق سے تعلق قائم رکھیں تو تعلق باللہ میں خلل واقع ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر نبی دعوت و ارشاد پر مامور ہوتا ہے جبکہ ہر ولی کا دعوت و ارشاد



پر مامور ہونا ضروری نہیں۔

اُس نے اپنے کمالِ کرم اور انتہائی حکمت کے ساتھ طبقہ اولیاء کو پیدا فرمایا کیونکہ ہر قرن میں بعثت انبیاء و رسل مشکل ہے لیکن اصحابِ کرامات و اربابِ مقامات کا وجود ہر وقت ممکن ہے اولیاء کا وجود اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ اُن کے اقوال و اعمال کو سمجھیں اور ظاہر سے باطن کی دنیا کو آئیں، اور انہیں معلوم ہو کہ اس جہانِ ظاہری و بے معنی کے دُور سے ایک جہاں اور ہے کہ آدمی کو اُس کے لئے پیدا فرمایا ہے، تاکہ بندہ اس دنیا میں اُس دنیا کا زاد اکٹھا کرے خود میں اس سے طے کی صلاحیت پیدا کرے، اگر درجہ ملائکہ روحانی تک نہ پہنچ سکے تو درجہ حیوانات سے تو بندی اختیار کرے۔

معبودِ برحق جسلِ جلالہ کی حمد بے حد اور شکر و سپاس بے اندازہ کے بعد دل کی گہرائیوں سے بے شمار تہیات و صلوات اور درود و آفرینِ روح پاک تربتِ مطہرہ و ضئہ معطر یہ انبیاءِ قدوہِ اصفیاء محمد مصطفیٰ صلوات اللہ و سلامہ علیہ کی ذاتِ اقدس کو اس طرح مسلسل پہنچے کہ اگر تارے رُک جائیں اور پہاڑ چل پڑیں تو بھی درود و سلام کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔

یہ درود عالمِ علیہ السلام پر درود کے بعد ہزاروں سلام و آفرین صحابہ طیبین اور اہل بیت کی مقدس ارواح پر کہ اُن میں ہر ایک آسمانِ ہدایت کا ستارہ اور رشد و عنایت کی شمع ہے یہ بندہ گنہگار محمد بن المنور بن ابی سعید بن ابی طاہر بن الشیخ البکیر سلطان الطریقیت و برہان الحقیقت ابی سعید فضل اللہ بن ابی الخیر المیہنی قدس سرہ عرض کرتا ہے کہ آغازِ بچپن و عنفوانِ شباب سے میری یہ کوشش رہی کہ :-

اپنے جدِ ماجد شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر المیہنی قدس سرہ کے آثار و احوال جمع کروں اور اس سلسلے میں، میں شیخ کی اولاد میں سے اکابر ہستیوں سے اُن کے بارے میں معلومات اکٹھی کر کے ان کی صحتِ سند میں حتی الامکان کوشش کرتا رہتا تھا۔ یہ عہدِ دین کی حکمرانی کا عہد اور طریقتِ شریعت کی تازگی کا زمانہ تھا، کیونکہ یہ عہدِ آسمانِ دین کے آفتابِ ائمہ کرام اور فلکِ نقیبین کے درختہ ستاروں سے معمور تھا، زمینِ مشائخ کبار سے بھری پڑی تھی، مریدانِ صادق جن کے ارادے طلبِ شریعت کے



پابند اور جن کی کوششیں راہِ طریقت کو پانے میں صرف ہوتی تھیں وہ اکثر حضرت کے ملفوظات و اعمال کو یاد کرتے اور اُن کا ذکر کرتے رہتے تاکہ اُس کے ذریعے سعادت و برکت حاصل کریں اور یہ معلوم کریں کہ نفسانی خیالات اور الہامات ربانی میں کیا فرق ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے خاندان کے مشائخ کرام نے اُن ملفوظات اور آثار و احوال کے جمع کی طرف توجہ نہ دی کیونکہ ہر طرف ہر شخص کی زبان پر وہ جاری تھے اور کوئی محفل نہ تھی جو اُن کے ذکر و اذکار سے معطر نہ ہو لہذا انہوں نے ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ اُن ملفوظات کو کتابی صورت میں جمع کرتے۔

یہاں تک کہ فتنہ خراسان اور جنگ و جدل کا حادثہ رونما ہوا، خراسان میں بالعموم اس فتنہ کے مصائب ظاہر ہوئے مگر میہنہ میں جو بیتی سو بیتی اور جو مصیبتیں ہم نے اٹھائیں اُن کی شہرت خراسان میں اس قدر نہ تھی جتنی میہنہ میں، اور اس حدیث کہ "أَشَدُّ الْبَلَاءِ لِلْأَنْبِيَاءِ بِرُؤْيَاكُمْ" پر پھر اُن کے بعد اُن حبیبوں پر، کی حقیقت ہم پر اور تمام اہل خراسان پر میہنہ میں کھلی،

مختصر یہ کہ میہنہ میں ایک سو پندرہ افراد چھوٹے، بڑے شیخ ابو سعید کی اولاد میں سے طرح طرح کی سزاؤں مثلاً آگ اور مٹی وغیرہ کے ساتھ ہلاک کئے گئے، بعض کو تلوار سے شہید کیا گیا، کچھ دوسرے شہروں میں شہید ہوئے اور کچھ اس حادثے سے پیدا ہونے والے قحط و وبا سے چل بسے، خدا اُن سب کو اپنے جوار رحمت میں رکھے، اسی طرح مریدان صادق اور مجاہدان حقیقت شناس کو بھی اسی پر تکیاں کر لیں کتنے بزرگانِ دین اور پیشوایانِ طریقت زیرِ خاک چلے گئے، زمانے میں غلبہ دین اور مسلمانوں کا قحط پڑ گیا، دین کو شدید دھچکا لگا، انتشارِ عظیم نے معاملاتِ دین کو متاثر کیا، ائمہ دین و پیرانِ طریقت باقی نہ رہے۔ اور حق تعالیٰ نے "أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا" (۱۳: ۳۱) کے



دکھایا۔ اور اس قول کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ: ان اللہ تعالیٰ لا ینزع العلم  
انتزاعاً ینزعہ و لکن یتقبض العلم بقبض العلماء؛ (بے شک  
اللہ تعالیٰ علم کو جبر سے نہیں اکھیرتا مگر اُسے روک لیتا ہے علماء کے روک لینے کے ذریعے،  
طلب باقی نہ رہی اور عقیدے بگڑ گئے، بیشتر اہل اسلام برائے نام مسلمان رہ گئے اور طریقت  
و حقیقت سے رسمی تعلق باقی رہ گیا، اسی دوران اس حقیر کے دل میں جذبہ پیدا ہوا اور مریدوں کا مطالبہ اس  
بات کا باعث بنا کہ مقامات اور احوال و آثار جہاد مجد سلطان طریقت شیخ ابوسعید ابی الخیر قدس سرہ کو یکجا  
کروں۔ جن سے طریقت میں آنے والوں کی رغبت بڑھے اور ساکوں کے لئے راہ سلوک میں رہنما ثابت  
ہوں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: "وانا علیٰ اثارہم ہتدون" لہٰذا ترجمہ

، ایک اور جگہ جماعت اصفیاء

کا ذکر یوں فرمایا: "اولئک الذین ہدی اللہ فہم اقتداء" لہٰذا ترجمہ

، چونکہ بار بار

کی تباہی اور غارت گری کے واقعات نے میہنہ کے حالات اس قدر ابتر کر دیئے تھے کہ شیخ ابوسعید  
علیہ الرحمۃ کے آثار میں سے بجز تربت و خانقاہ اور کچھ باقی نہ رہا تھا، اس لئے تلاش بسیار و سعی مسلسل  
کے بعد کم مواد ہاتھ آیا اور ہر جانب سے منشر معلومات ملیں جو حافظے میں محفوظ تھا وہ بھول گیا، اور  
شغلی الشعیر عن الشعر کے مصداق، توجہ سے ہی نکل گیا۔

شیخ ابوسعید کی عمر ہزار ماہ تھی جو کہ تیرا سی برس اور چار ماہ بنتے ہیں جیسا کہ خود دم رخصت اُن  
کی زبان سے ادا ہوا کہ اُن کو ہزار ماہ پورے ہو گئے اور ہزار سے اوپر یہ گنتی نہیں جائے گی۔ اب اس  
مدت کو کیونکر ضبط میں لایا جاتا یہ اپنی جگہ محال تھا کہ ان کی ساری زندگی کی حرکات و سکنات کو محیطہ تحریر  
میں لایا جاسکتا، بہر حال جس قدر اس دعا گو کے بس میں تھا اکٹھا کر دیا اور اس میں انتہائی کوشش کی،



ہر بات کی سند کی تصحیح میں فایت درجہ احتیاط برتی، جس روایت کی سند میں ضعف یا شبہ پایا اسے حذف کر دیا میری اس کوشش سے پہلے زمانہ امن میں میرے چچا زاد بھائی عالم اجل جمال الدین ابورح لطف اللہ بن ابی سعد نے ایک مرید کی درخواست پر ایک مجموعہ سپرد قلم کیا تھا جس کے پانچ ابواب تھے اور ان میں سند کے ساتھ واقعات و حالات بیان کئے گئے تھے۔ ہر باب میں بیان کردہ واقعات کی تشریح میں ایک ایک فصل قائم کی تھی، یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے تاہم اپنے مندرجات کے لحاظ سے فاضل مؤلف کی فصاحت و بلاغت اور خلوص کلی کی آئینہ دار ہے میں یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کے مقابل کوئی کتاب مرتب کرتا مگر اس قدر ضرور کیا ہے کہ ان کے جمع کردہ احوال و آثار اور اپنی معلومات، جن کو صحیح پایا انہیں ایک جگہ اکٹھا کر دیا، تاکہ یہ یادگار ہمارے بعد کے لوگوں میں باقی رہے اور فتنہ خراسان کے نتیجے میں جو نقصان ہوا اس کی تلافی ہو سکے، کیونکہ جوں جوں روزگار زمانہ لوگوں کو ان سے دور کرتا جاتا ہے ان کے ارادوں میں کمزوری واقع ہوتی جاتی ہے۔ سالیکن راہ حقیقت کم ملتے ہیں اور علم ہر شخص کے ہاتھ نہیں آتا۔ عمل کرنا اپنی جگہ اکیس ہے، اس راہ کے چاہنے والوں کے لئے ہماری یہ کاوش بھی مفید ثابت ہوگی اور اس بزرگ دین اور یگانہ عہد کی باتیں، ان کے سامعے نوازتی رہیں گی اور مدعیانِ طریقت کے لئے باعثِ فرحت ہوں گی، جیسا کہ کہتے ہیں۔

گرتنگِ شکرِ حشرِ یدمی نتوانم - باری نگس از تنگِ شکرِ ے رانم

ترجمہ: اگر شکر کی گون نہیں خرید سکتا تو آخر کار شکر کی گون سے مکھیاں تو ہٹاتا ہوں۔

بزرگوں کا مقولہ ہے: نیکو کاروں کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔

جیسا کہ تمام انسانوں کے حالات و اعمال میں درجوں یعنی آغاز و وسط اور انجام سے خالی نہیں ہوتے

اسی لئے میں نے بھی اس مجموعہ کو تین ابواب پر تقسیم کیا ہے۔

باب اول :- یہ باب حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے ایام طفولیت سے لے کر چالیس برس کی عمر

تک کے احوال پر مبنی ہے جن میں ان کی تعلیم، ریاضات و مجاہدات، مشائخ و پیرانِ طریقت سے

ان کی نسبتِ علم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے سلسلہ طریقت کی تفصیلات درج ہیں۔



**باب دوم :-** یہ باب اُن کے درمیانی عرصہ زندگی سے متعلق ہے، اس کی تین فصلیں ہیں فصلِ اول میں ان کی کرامات کے واقعات ہیں جو میرے نزدیک ثقہ راویوں سے صحیح ثابت ہیں، فصل دوم میں وہ حکایات درج ہیں جن میں فوائد و نکات بیان کئے گئے ہیں اور بعض ملفوظاتِ مشائخ ہیں جن کا ذکر شیخ نے کیا فصل سوم میں فوائد، نکات، اقوالِ صوفیہ، ادعیہ، اشعار متفرق اور کچھ خطوط ہیں جو مجھ تک پہنچے ہیں۔

**باب سوم :-** یہ باب اُن کے آخری ایام زندگی پر مشتمل ہے۔ یہ تین فصلوں پر منقسم ہے فصلِ اول میں عند الوفات اُن کی وصیتیں مذکور ہیں، فصل دوم میں حالت و کیفیت وفات کا ذکر ہے اور فصل سوم اُن کرامات پر مشتمل ہے جو ان کی وفات کے بعد ظاہر ہوئیں ان میں وہ کرامات بھی شامل ہیں جن کی خبر انہوں نے زندگی ہی میں دے دی تھی۔

اس مجموعہ کا نام "سرار التوحید فی مقامات ایشخ ابی سعید" رکھا اللہ تعالیٰ سے اس کی تکمیل اور خلق کے لئے موجب ہدایت ثابت ہو سکی دعا کرتا ہوں، اختصار کے پیش نظر اسانید حذف کر دی ہیں، اللہ اپنے لطف و کرم سے اہل عقیدہ کے مقصود کو اس سے پورا فرمائے، اور نقصان و غلطی سے اپنی امان میں رکھے،  
وَنُحَوِّذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخَوْرِ بَعْدَ الْكُورِ فَإِنَّهُ خَيْرٌ مِّنْ مَّوْتِنَا وَمُعِينٌ :-

میں اپنی اس کتاب کو بادشاہِ اسلام سلطانِ معظم ابو الفتح محمد بن سام کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کرتا ہوں، چونکہ یہ تحفہ بے مثل اور لافانی و غیر دنیاوی ہے اسی لئے میں امید رکھتا ہوں کہ شہنشاہِ عالی مقام اس شایانِ شان نذرانے کو مقبولیت بخشیں گے، بادشاہ کی امور دینیہ میں دلچسپی ظاہر و باہر ہے اور اس لحاظ سے بھی اس کی مقبولیت کے ہم توقع ہیں۔ یہ تحفہ لاثانی و لافانی ہے کیونکہ اس جہانِ رنگ و بو میں سوائے متابعتِ سنتِ مصطفیٰ صلوات اللہ علیہ و اتباعِ سیرتِ اولیاءِ سب کچھ فنکے سے ہمکنار ہونے والا ہے۔ والحمد لله رب العالمین والصلوة علی نبیہ محمد وآلہ  
اجمعین وحسبنا اللہ وحدہ وهو نعم المولیٰ ونعم المعین :-



## باب اول

# شیخ ابوسعید کے ابتدائی حالات زندگی

ایک وضاحت :- یہاں ہم قارئین کو یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے شیخ قدس سرہ نے کبھی اپنا ذکر "میں" یا "ہم" کے الفاظ سے نہیں کیا بلکہ اپنی بابت یوں فرماتے کہ انہوں نے یوں کہا اور یوں کیا، اگر میں یہاں اس کتاب میں انہی کے الفاظ کو ان کے احوال و واقعات میں استعمال کرتا تو اس کے مطالب عامۃ الناس کے فہم سے قریب نہ ہوتے بلکہ اکثر لوگ ترتیب مفہوم اور سیاق کلام میں غلطی کر بیٹھتے اور کسی کو یاد ہی نہ رہتا کہ شیخ نے "انہوں نے کہا" سے خود اپنی ذات مراد لی ہے۔ اور اسی ضمن میں کتاب کو آغاز سے مطالعہ نہ کرنے والے قاری تو ضرور مغالطہ میں پڑتے لہذا اس اندیشے کے پیش نظر اس دعا گو مولف کتاب نے جہاں جہاں شیخ نے اپنے بارے میں "انہوں نے کہا" فرمایا وہاں اس کی جگہ لفظ "ہم نے کہا" درج کیا، کیونکہ یہی انداز لوگوں میں معروف و متداول اور ان کے فہم سے قریب تر ہے۔

شیخ نے خود کو "میں" یا "ہم" کے الفاظ سے کیوں نہیں یاد کیا اس میں ایک لطیف نکتہ پوشیدہ ہے، بس عقل مند کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔

شیخ ابوسعید کے والد محترم کا اسم گرامی ابو الخیر تھا جبکہ میمنہ میں انہیں بابا ابو الخیر کے نام سے پکارا جاتا تھا، پیشہ کے لحاظ سے عطار تھے۔ صاحب ورع و دیانت اور شریعت و طریقت سے کامل آگاہی رکھتے تھے اور اہل تصوف و طریقت سے وابستگی اور مستقل صحبت حاصل تھی۔



شیخ ابوسعید ابوالخیر علیہ الرحمۃ اتوار کے روز یکم محرم ۳۵۷ھ میں بمقام میہنہ پیدا ہوئے  
**ولادت :-** آپ کے والد ماجد صوفیہ کی ایک جماعت کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، اس جماعت  
 کا یہ طریق تھا کہ ہفتہ میں ہر رات کسی ایک رکن جماعت کے ہاں اکٹھے ہوتے ماحضر اور اوراد و نماز  
 سے فارغ ہو بیٹھتے تو محفل سماع برپا کرتے، ایک شب آپ کے والد کے ہاں درویشوں کی دعوت تھی  
 آپ کی والدہ نے بابا ابوالخیر سے کہا کہ ابوسعیدؒ کو بھی ساتھ لے چلو تاکہ درویشوں اور صوفیوں کی نگاہ  
 اس پر پڑے، آپ کے والد آپ کو ساتھ لے گئے اور سماع میں مشغول ہو گئے اسی وقت قوال نے  
 یہ اشعار لکھے۔

این عشق جلی عطائی درویشانست ، خود را کشتن ولایت ایشان است

دینار و درم نہ زینت مردانست - جان کردہ نثار کار آں مردانست

ترجمہ اشعار :- ۱۔ بلاشبہ عشق جیسی بخشش درویشوں ہی کو عطا ہوئی ،

اور خود کو قتل کرنا ہی ان کی ولایت ہے۔

۲۔ درہم و دینار مردوں کی زینت نہیں بلکہ شیوہ مردان جان قربان

کر دینا ہے۔

جوہنی قوال نے یہ دو شعر پڑھے درویشوں پر وجد طاری ہو گیا اور اس رات تا سحر انہی

اشعار پر رقص کرتے رہے۔ قوال کے بار بار دہرانے سے وہ اشعار آپ کو یاد ہو گئے، اور جب والد

کے ہمراہ گھر لوٹے تو آپ نے پوچھا کہ ان اشعار کا کیا معنی ہے جن کو سن سن کر درویش وجد و سرور

میں آجاتے تھے۔ آپ کے والد ماجد نے فرمایا خاموش جس بات کا پتہ نہ ہو اس سے کیا مطلب بعد

میں جب شیخ ابوسعیدؒ نے مقام حاصل کر لیا اور ان کے والد ماجد جو ارجمت میں چلے گئے تو آپ اکثر

اپنی گفتگو میں ان اشعار کو دہراتے اور فرماتے کہ آج بابا ابوالخیر ہوتے تو میں ان سے کہتا کہ اس

وقت جو کچھ آپ نے سنا تھا اُسے خود بھی نہ سمجھا تھا۔

کہتے ہیں کہ آپ کے والد سلطان محمود غزنوی کے بڑے دوست تھے انہوں



نے میہنہ میں ایک محل تعمیر کرایا تھا جو اب بھی سرلئے شیخ کے نام سے مشہور ہے، جس کی دیوار پر سلطان محمود غزنوی کا نام ان کے لاؤشکر اور خدمتگاران کا ذکر، کندہ ہے، ان دنوں شیخ کمن تھے، والد سے کہا کہ میرے لئے اس محل میں ایک مکان علیحدہ تعمیر کرائیں جو صرف میرے لئے ہو، آپ کے والد نے فوری طور پر آپ کے لئے محل سراہ کے اوپر علیحدہ مکان کی تعمیر شروع کرائی۔ جب مکان مکمل ہو گیا تو شیخ نے کہا کہ اب اس مکان کی ہر دیوار اور چھت پر اسم ذات اللہ، لکھ دیا جائے، والد نے کہا بیٹے اس کا کیا مطلب؟ آپ نے جواب دیا۔ ہر شخص اپنے گھر کی دیوار پر اپنے امیر کا نام لکھواتا ہے آپ کے والد کو یہ بات بہت پسند آئی اور فرمایا کہ محل سراہ کی دیواروں پر جو کچھ لکھا ہوا ہے۔ مٹا دیا جائے، اُس دن سے آپ کے والد ماجد نے آپ کو اور نظر سے دیکھنا شروع کیا اور دل کو آپ کے معاملات کی طرف متوجہ کیا،

شیخ ابوسعید علیہ الرحمۃ نے قرآن کریم ابو محمد غازی علیہ الرحمۃ سے پڑھا جو اپنے وقت کے صاحب ورع و اتقا، بزرگ ہونے کے علاوہ خراسان کے ممتاز قراء میں سے ایک تھے ان کا مزار مقدس شہر نسائی میں موجود ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ بچپن میں جب کہ میں قرآن پڑھتا تھا تو میسے **اقلیم ولایت کی جہان بانی** :- والد مجھے نماز جمعہ کے لئے ساتھ لے جاتے تھے ایک روز راتے میں پیر ابو القاسم بشریابین علیہ الرحمۃ سے ملاقات ہو گئی، یہ بزرگ وقت کے مشاہیر علماء اور کبار مشائخ میں سے تھے اور میہنہ میں سکونت رکھتے تھے، انہوں نے جو نہی مجھے دیکھا تو میرے والد سے فرمایا۔ اے ابوالنخیر یہ بچہ کس کا ہے؟ میرے والد نے کہا میرا، پھر وہ میرے قریب آ کر دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور میرے چہرے کے قریب اپنا چہرہ لاکر آب ذیدہ ہو گئے، پھر فرمایا۔ اے ابوالنخیر! میں ایسی حالت میں اس دنیا سے رخصت نہیں ہو سکتا تھا کہ ولایت کو خالی پاتا اور ان درویشوں کو ضائع ہوتا دیکھتا اب جبکہ تیرے اس بیٹے کو دیکھا تو مطمئن ہو گیا کہ اس بچے کو ولایت میں سے حصہ وافر ملے گا، جب نماز سے فارغ ہو لو تو اُسے میرے پاس لے آنا۔ ہم جب نماز ادا کر چکے تو



میرے والد گرامی مجھے اُن کی خدمت میں لے گئے، جب ہم اُن کی نشست گاہ میں گئے تو دیکھا کہ ایک طاقتور بہت بلند اُن کے حجرے میں تھا۔ وہ میرے والد سے کہنے لگے۔ ابو سعید کو کاغذ پر بٹھا کر اونچا کر دتا کہ طلپتے میں پڑھی ٹکیہ نیچے لے آئے، میرے والد نے شانے پر بٹھا کر مجھے اونچا کیا اور میں نے ہاتھ مار کر وہ ٹکیہ طلپتے میں سے اٹھالی یہ جو کی ٹکیہ تھی جس کی گرمی کو میں نے اپنی ہتھیلی میں محسوس کیا، ابو القاسم نے وہ ٹکیہ میرے ہاتھ سے لے لی اور بچشم پُرم اُسے دو نیم کیا ایک حصہ مجھے کھانے کو دے دیا اور دوسرا خود کھا لیا جبکہ میرے والد کو اُس میں سے کوئی حصہ نہ دیا، میرے والد نے کہا۔ شیخ! کیا بات ہے کہ مجھے آپ نے اس تبرک سے کچھ عطا نہ کیا؟ ابو القاسم نے جواباً فرمایا۔ اے ابو الخیر مجھے یہ ٹکیہ اس طلپتے میں رکھے ہوئے تیس برس ہو گئے اور مجھ سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ یہ ٹکیہ جس کے ہاتھ میں پہنچ کر گرم ہو جائے گی۔ ایک جہاں اس کے ذریعے زندہ ہو جائے گا، اور اُس پر بات ختم ہو جائے گی۔

اب یہ بشارت پوری ہو گئی کہ وہ شخص تیرا ہی بیٹا ہوگا۔ بعد ازاں ابو القاسم بشر علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اے ابو سعید! یہ کلمات یاد کرو اور ہمیشہ پڑھا کرو۔ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ عَلَىٰ حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ عَلَىٰ عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ۔

میں نے یہ کلمات یاد کر لئے اور مستقلاً اور دِزبان بنائے پھر ہم اُن کی مجلس سے باہر آ گئے میں نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے اُس روز کیا کہا تھا، تا آنکہ پیر ابو القاسم اُرحلت فرما گئے اور ابو سعید جب پختگی کو پہنچے تو اُن کلمات سے بے شمار فوائد حاصل کئے۔

شیخ ابو سعید فرماتے ہیں جب میں نے قرآن ختم کر لیا تو میرے والد نے فرمایا۔ کل تمہیں معلّم کی خدمت میں جانا چاہیے۔ میں نے اپنے اتاد سے کہا میرے والدیوں کہتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا۔ مبارک ہو، پھر میرے لئے دعا کی اور فرمایا۔ یہ لفظ مجھ سے یاد کرو۔ اِنَّ مَرْدِهْمَكَ عَلَىٰ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ خَيْرٌ لَّكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ،



راگرتیرا ارادہ اور توجہ پلک چھپکنے کی مدت کے برابر بھی اللہ کی جانب ہو جائے تو یہ سارے جہاں کی ملکیتوں سے بہتر ہے، میں نے ان کلمات کو یاد کر لیا، پھر اُتاد نے کہا۔ مجھے معاف کر دو میں نے کہا۔ معاف کیا اور انہوں نے دعا دیتے ہوئے فرمایا۔ اللہ جل جلالہ تمہارے علم میں برکت دے، اگلے روز میرے والد مجھے ابو سعید عنانزی کے پاس لے گئے، وہ امام، ادیب اور مفتی العصر تھے، ایک مدت اُن کی خدمت میں رہا۔ اسی اثناء میں، شیخ ابوالقاسم بشر علیہ الرحمۃ کی صحبت میں پہنچا اور ان سے مسلمانی کی تعلیم حاصل کی۔

آپ نے فرمایا کہ ایک روز شیخ ابوالقاسم بشر نے مجھ سے بندگی و مزدوری میں فرق :- کہا۔ اے ابو سعید! مجاہدہ کرو تا آنکہ لین دین سے طمع کو نکال باہر کرو کیونکہ اخلاص، طمع کے ہوتے ہوئے ہاتھ نہیں آتا۔ اس لئے کہ عمل، طمع کے ساتھ مزدوری اور اخلاص کے ساتھ بندگی کہلاتا ہے پھر فرمایا یہ حدیث یاد رکھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ اللہ نے شبِ معراج مجھ سے فرمایا :-

یا محمد ما یتقرب الی المتقربون  
 ائی بمثل اداء ما افترضت علیہم  
 ولا یزال یتقرب الی العبد بالنوافل  
 حتی احبہ فاذا احببہ کنت لہ  
 سمعاً و بصراً و یداً و مویداً  
 فبی یسمع و بی یبصر و بی یأخذ  
 اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرائض کی ادائیگی کے ذریعے قربت چاہنے والے اسی قدر قریب ہو سکتے ہیں جس قدر فرائض ادا کئے ہوں مگر نوافل کے ذریعے میرا بندہ مسلسل مجھ سے قریب ہوتا جاتا ہے تا آنکہ میں اسے چاہنے لگتا ہوں اور جب میں اسے محبوب رکھوں تو میں اس کی سماعت، بصارت، ہاتھ اور اس کا مؤید بن جاتا ہوں کہ وہ میرے ذریعے سنا دیکھتا اور پکڑتا ہے۔

پھر فرمایا۔ فریضہ کی ادائیگی بندگی ہے، اور نوافل ادا کرنا دوستی، بعد ازاں یہ شعر پڑھے۔



کمال دوست چه آمد دوست بے طبعی      چه قیمت آورد آن چیز کش بہا اشد  
عطا دہندہ ترا بہتر از عطا بیقین      عطا چه باشد چوں عین کیمیا باشد

ترجمہ اشعار:- ۱۔ کمال دوستی کا دار و مدار بے طبع دوستی پر ہے۔

اور اس شے کی کیا قدر ہو سکتی ہے جس کی قیمت مقرر ہو،

۲۔ یقیناً تیرے لئے عطا کرنے والے کی ذات اس کی بخشش و عطا سے کہیں بہتر

ہے کیونکہ عطا کی کیا وقعت ہوگی جبکہ خود اس کا منبع کیمیا ہو۔

شیخ ابوسعید نے فرمایا۔ ایک روز ابوالقاسم بشر یا سین علیہ الرحمۃ کی خدمت  
خدا سے باتیں :- میں حاضر تھا کہ انہوں نے فرمایا۔ بیٹے! کیا یہ چاہتے ہو کہ اللہ سے ہمکلامی

کرو؟ میں نے عرض کیا۔ کیوں نہیں۔ فرمانے لگے، جب بھی تنہائی ملے یہ کہو کہ

بے تو جانان تو انم کرد !!      احسان ترا شمار نتوانم کرد

گر بر تن من ز فان شود دھر موی      یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

ترجمہ اشعار:- ۱۔ میرے محبوب! تیرے بغیر چین نہیں آسکتا، تیرے احسان شمار نہیں کر سکتا۔

۲۔ او اگر میرے بدن کا ہر سین موز بان ہو جائے تو بھی تیرے ہزار احسانوں کا

ایک شکر ادا نہیں کر سکتا،

میں یہ اشعار اکثر پڑھتا رہا جس کے نتیجے میں کم عمری ہی میں راہ حق مجھ پر کشادہ ہو گئی۔ ابوالقاسم

بشر یا سین نے سنہ ۳۸۰ھ میں بمقام میہنہ رحلت فرمائی شیخ ابوسعید جب بھی میہنہ کے گورستان جاتے

ابتدائے زیارت آپ ہی کے مرقد پر انوار سے فرماتے،

شیخ ابوسعید فرماتے ہیں۔ ایک نابینا بزرگ مسجد میں آکر بیٹھا اور اپنا عصا اپنی پشت

کے پیچھے رکھ دیا۔ اُس نے گفتگو کے دوران یہ بتایا کہ اُس کی مسجد خانقاہ شیخ کے در پر ہے، ایک روز

میں اس کے قریب ہوا۔ اس حال میں کہ بے تہ میرے ہاتھ میں تھا کیونکہ اس وقت اس سے پڑھ کر

آ رہا تھا، میں نے اس بزرگ کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اور کہا۔ بابا ابوالخیر کے بیٹے ہو؟



میں نے کہا ہاں کہنے لگے۔ کیا پڑھتے ہو جواب دیا۔ فلاں کتاب۔ کہنے لگے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ حقیقۃ العلم ما کشف علی السرائر: مجھے تو معلوم ہی نہ تھا کہ حقیقت کا کیا معنی ہے؟ اور کشف کے کہتے ہیں تا آنکہ ساٹھ برس بعد حق تعالیٰ نے اُس قول کا معنی مجھ پر منکشف فرمایا۔

جب شیخ ابوسعید علم لغت کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو فقہ کی

**تحصیل علوم لغت وفقہ :-** تعلیم پانے کے لئے مرو تشریف لے گئے۔ اور ایک روز اٹلئے

گفتگو میں فرمایا۔ اُس روز جب میں میہنہ سے مرو کی جانب روانہ ہوا تھا تو مجھے تیس ہزار شہریاد تھے، مرو میں آپ نے فقہ کا درس حضرت امام ابو عبد اللہ الحضریٰ سے حاصل کیا، جو اپنے وقت کے امام اور مفتی ہونے کے ساتھ علم طریقت سے کمالاً بہرہ ور اور جملہ ائمہ کرام میں معتبر مانے جاتے تھے وہ ابن سترج کے شاگرد تھے، اور ابن سترج 'مُزنی' کے شاگرد تھے۔ اور مُزنی، شافعی مطلبی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔

آپ شافعی المسک تھے، اور اسی طرح اکثر مشائخ جو امام شافعی کے بعد ہوئے

**فقہی مسک :-** وہ شافعی المسک ہی تھے، اور اگر کسی شخص نے راہ تصوف اختیار کرنے سے پہلے کسی مسک سے نمسک کیا بھی تو اللہ جل شانہ نے اپنے کمال لطف و کرم سے اُسے نوازا اور وہ بالآخر مسک شافعی میں داخل ہوا جیسا کہ شیخ حصریٰ نے کیا، جو کہ بغداد میں تھے، اُن کے علاوہ اور کئی شیوخ نے بھی ایسا ہی کیا، اگر اُن تمام کے احوال یہاں بیان ہوں تو طوالت کا خدشہ ہے جہاں تک حضرت امام شافعیؒ سے قبل کے مشائخ کا تعلق ہے تو وہ سب کے سب اپنے اپنے مشائخ کے مسک پر تھے۔

بعض نے کہا کہ شیخ کبیر بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ حنفی المسک تھے، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ بایزید بسطامی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مُرید اور اُن کے سقہ تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام نے انہیں بایزید مستقا کہا ہے، اور بایزید، مسک امام جعفر صادق رکھتے تھے، کیونکہ وہ ان کے پیر اور خاندان مبارک مصطفیٰ سلوات اللہ علیہ وسلم علیہ کے امام تھے۔



طریقت میں کسی طرح بھی یہ جائز نہیں کہ مرید اپنے پیر کے علاوہ کوئی مسلک  
**مسلک شیخ کی پیروی** رکھے یا کسی طرح بھی اپنے مرشد کے عقیدہ اور حرکات و سکنات کے  
 خلاف چلے،

ہماری اس بات سے کہ مشائخ عظام مسلک شافعی رکھتے تھے۔ یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ  
 اس سے حنفی مسلک کو نقصان پہنچانا مقصود ہے۔ حاشا دکلا ہماری نیت میں مسلک امام سے متعلق ایسی  
 کوئی مخالفانہ بات موجود نہیں اور ہم ہر اس غلط خیال سے جو کسی کے دل میں پیدا ہوا اللہ کی پناہ مانگتے ہیں،  
**مقام امام ابو حنیفہ**۔ قدر کہ ہمارے علم میں ہے، بے شک وہ امت محمدیہ کے چراغ اور  
 مقتدائے ملت تھے،

مذہب شافعی اور حنفی درحقیقت ایک جیسے ہیں، اور دونوں ائمہ کرام نے جو کچھ کہا قرآن کریم  
 کی اتباع میں کہا اور جو کچھ کیا حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں کیا، اور جو شخص بی  
 ان دونوں حضرات کے معاملے میں بے تعصب ہو کر غور کرے گا تو اسے یہ معلوم ہو گا کہ دونوں ایک  
 ہیں اگر ان کے مابین فروری اختلاف نظر آئے تو اسے اختلاف امتی رحمتہ میری امت کا باہمی  
 اختلاف رحمتہ ہے، کے نکتہ نظر سے دیکھا جائے اور اگر دونوں میں سے کسی ایک نے دین کے بلے  
 میں تساہل برتا ہوا ہے مَاجِعِلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّینِ مِنْ حَرَجٍ دین کے معاملہ میں  
 تم پر کسی گناہ کو شرط قرار نہیں دیا گیا، کے مطابق مطالعہ کرنا چاہیے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 فرمان "بُعِثْتُ بِالْحَنْفِیَّةِ السَّهْلَةِ السَّهْلَةَ" "مجھے راست، نرم اور فیاض دین  
 دے کر مبعوث کیا گیا، کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے نہ کہ تعصب کو راہ دی جائے جیسا کہ اکثر  
 بیشتر ہوتا آیا ہے، اور یہ جان لینا چاہیے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا حق کے مطابق فرمایا، اور یہ  
 بزرگان کرام اس تعصب سے جو ہماری طبائع میں رچ گیا ہوا ہے یقیناً پاک صاف تھے، جیسا کہ  
 باسناد صحیح ہم تک یہ روایت ابوالدرداء اور دی سے پہنچی انہوں نے کہا: دَايِتْ مَالِكُ بْنُ



انس و اباحنیفة رضی اللہ عنہما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلوة العشاء الاخیرة و ہما یتذاکرا و یتدارسان حتی اذا وقفا احدهما علی القول الذی قال بہ و عمل علیہ امسک احدهما عن صاحبہ من غیر تعنتٍ و لا تعسفٍ و لا تخطئة لواحد منہما حتی صلیا الغداة فی مجلسہما ذلک

ترجمہ :- میں نے مالک بن انس اور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کو بعد از نماز عشاء مسجد نبوی میں کسی معاملے پر بات چیت اور بحث و تمحیص کرتے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ جب ان میں سے کوئی ایک کسی ایسے قول پر مطلع ہوا کہ جو قول و فعل رسول سے ثابت تھا تو وہ دوسرے کے حق میں بغیر اعتراض، تاویل لا حاصل اور غلطی کے دست بردار ہو جاتا اور یہ سلسلہ ان کے مابین جاری ہا تا آنکہ دونوں نے صبح کی نماز اکٹھے ادا کی۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ ظائفہ صوفیہ کا طریق احتیاط

**سنت پر عمل کی حیرتناک مثال :-** روی ہے اور شارح کرام نے ابتداء مجاہدہ میں

اپنے اوپر اکثر بعض چیزیں واجب کر لی ہیں جن میں سے کچھ کا تعلق سنت سے اور بعض کا نوافل سے ہے جیسا کہ شیخ بو عمر سحوانی نے کہا ہے کہ سید المرسل صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی اس حدیث مبارک

کہ :- **الید الیمنیٰ لِاَعَالی البدن والید الیسری لِاسافل البدن**

دایاں ہاتھ بدن کے اوپر والے حصوں کے لئے ہے اور بائیں ہاتھ بدن کے نچلے حصوں کے لئے

کے مطابق آج تیس برس ہو گئے ہیں کہ میرا دایاں ہاتھ کبھی زیر ناف نہیں پہنچا اور بائیں ہاتھ بالائے

ناف نہیں پہنچا۔

بشر حافی علیہ الرحمۃ پاؤں میں جوتا کبھی نہیں پہنتے تھے۔ آپ کہتے تھے

**دھرتی کا احترام :-** کہ قول باری ہے: **اللہ الذی جعل لکم**



الارض بساطاً، ترجمہ

(چونکہ زمین اللہ کا بنایا ہوا فرش ہے۔ لہذا میں یہ روا نہیں سمجھتا کہ اس کے بچھائے ہوئے فرش پر جوتے سمیت پاؤں دھروں، آپ ساری زندگی پا رہنے ہی چلتے تھے اسی وجہ سے انہیں حافی (برہنہ پا) کے لقب سے پکارا گیا۔

شیخ ابوسعید قدس سرہ نے فرمایا۔ جو کچھ میں نے پڑھا اور کتابوں میں دیکھا یا سنا کہ اُس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل رہا یا اس کے بجالانے کا حکم دیا اُس پر عمل کیا۔ اور پیغمبران عظام علیہم السلام کے جملہ اعمال پر بھی عمل کیا، (جن کی تفصیل اپنی جگہ پر آئے گی)

الغرض جملہ مشائخ کی زندگیاں سنت مصطفیٰ کے عملی مرقع

صوفیہ اور مسلک شافعی :- تھیں، اور نوافل تو ان کا معمول تھے، وہ ہر اس عمل کو

اختیار کرتے جس میں مجاہدہ نفس اور احتیاط کا عنصر زیادہ شامل ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ صوفیہ اکثر شافعی المذہب ہوتے تھے کیونکہ امام شافعی کے ہاں امور دین میں سختی اور شدت برتی گئی ہے۔ صوفیہ کرام کا شافعی مسلک اپنانا، اس مسلک میں مجاہدہ نفس پر زیادہ زور دینے کے سبب ہے نہ کہ ان کے ہاں دونوں مسلوں میں کسی اختلاف یا فرق کی وجہ سے،

میرے نزدیک ائمہ اربعہ کی مثال خلفاء راشدین کی سی ہے، کہ سب کو حق پر گردانا

ائمہ اربعہ :- ہوں اور تہہ دل سے ہر ایک کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے فضائل و خصائل

کو ماننا ہوں، ان کی خلافت کی حقیقی گواہی دیتا ہوں کسی طرح انکار نہیں کرتا اور امت مسلمہ کے

حق میں دُعا کرتا ہوں کہ ان کے دلوں سے صحابہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ائمہ سلف اور مشائخ کبار

رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں بغض و عناد اور طعن و تعصب نکل جائے، اور وہ سب کو

سچا مانیں، کہ ہر شخص کو اپنے سے بہتر تصور کرنا انتہائی نیک روش ہے، اور ہر حال میں اعتراض کرنے



سے احتراز بہت پسندیدہ عمل ہے، جو شخص دوسروں کے گناہ ٹوٹتا ہے۔ اس کے لئے اپنے نفس کی اصلاح زیادہ بہتر ہے۔

اللہ سب کو اپنے جو دو کرم کے ذریعے اپنی رضا سے قریب فرمائے شیخ ابو سعید نے پانچ سال مسلسل امام ابو عبد اللہ حصری سے مختلف و متفق احادیث کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم مکمل ہوئی تو امام موصوف رحلت فرما گئے۔ ان کی قبر مرو میں ہے، بعد ازاں آپ نے مزید پانچ برس تک امام ابو بکر نقال مروزی سے فقہ کا درس لیا۔ درس نقال میں شیخ ناصر مروزی، شیخ ابو محمد جوینی اور شیخ ابو علی شنجی آپ کے ہم درس تھے جو مقتدائے جہان تھے، اس مدت میں آپ نے دررس امام نقال سے مکمل کئے۔ مرو کے بعد آپ نے سرخس کا ارادہ کیا جہاں امام ابو علی زاہد بن احمد سے مشرف تلمذ حاصل کیا، امام موصوف مفسر، محدث اور فقیہ تھے سرخس میں مذہب شافعی کو انہوں نے عام کیا۔

یہ ائمہ کرام ہی تھے جن کے نفوس قدسیہ کے ویلے سے ان کے علاقوں کے لوگوں نے فتنہ اعتزال سے نجات حاصل کی اور مذہب شافعی میں داخل ہوئے، جیسا کہ حمید رحویہ نے شہر ستانہ، فراوہ اور نسایں بو عمر اور فراہی نے ہتو اور خوجان کے علاقوں میں ابو بابہ میمنی نے ایورد اور خاوران کے شہروں میں اور ابو علی فقیہ نے سرخس کے مقام پر اس کا رخیر کو انجام دیا۔

رحمۃ اللہ علیہم اجمعین شیخ ابو سعید صبح کے وقت ابو علی فقیہ سے تفسیر ظہر کے وقت علم اصول اور عصر کے وقت اخبار رسول کا علم حاصل کرتے تھے، ابو علی فقیہ کی تربت سرخس میں ہے۔ آپ ابو علی فقیہ سے اسی ترتیب کے ساتھ علم حاصل کرنے کے دوران لقمان سرخس کو دیکھا جو راکھ کے پیلا پر بیٹھے اپنی پوستین پر پوند سی رہے تھے، لقمان عقلائے مجاہدین میں سے تھے۔ ابتداء میں بہت ریاضات و مجاہدات کئے اچانک ایسا کشف ہوا کہ عقل جاتی رہی جیسا کہ شیخ نے کہا کہ لقمان ابتداء میں مرد مجتہد اور متقی تھے، بعد ازاں ان میں جنوں کے آثار ظاہر ہوئے جس سے ان کے مجاہدات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ کسی نے لقمان سے پوچھا لقمان! وہ کیا تھا اور اب یہ



کیا۔ نت ہے؛ جواب دیا جس قدر بندگی زیادہ کی ہے۔ لازمی امر ہے کہ اسی قدر زیادہ تھک گیا ہوں گا۔ لہذا میں نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔ اہی! بادشاہوں کا دستور ہے کہ جب ان کے غلام بوڑھے ہو جائیں تو انہیں آزاد کر دینے ہیں۔ تو غائب بادشاہ ہے اور میں تیری بندگی میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اب مجھے آزاد فرما دے۔ اتنے میں ندا آئی کہ اے لقمان! تجھے آزاد کیا، اور آزاد اس طرح کیا کہ اس کی عقل سلب کر لی۔

شیخ ابوسعید اشرف فرمایا کرتے تھے کہ لقمان امر نہی سے اللہ کا آزاد کردہ ہے۔ شیخ نے کہا کہ میں لقمان کے نزدیک ہوا۔ وہ بدستور پونین پر پوند لگانے میں مصروف تھا اور میں اس کی طرف دیکھنے میں مشغول، شیخ اس طرح لقمان کے قریب کھڑے تھے کہ ان کا سایہ لقمان کی پوتین پر پڑ رہا تھا۔ جب لقمان نے پوند لگایا تو کہا۔ اے ابوسعید! میں نے اس پوند کے ساتھ تہیں بھی اس پوتین پر سی دیا ہے، پھر اٹھا میرا ہاتھ پکڑا اور پیر ابو الفضل حسن کی خانقاہ پر لے گیا، دروازے پر آواز دی، پیر ابو الفضل باہر آئے لقمان نے میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ اے ابو الفضل! اس پر نوجہ کر دو کہ یہ تمہاری ملکیت ہے بلاشبہ پیر ابو الفضل اپنے عہد کے بلند پایہ صوفی تھے۔

پیر ابو الفضل حسن کے اس جہاں سے رخصت ہونے  
**فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا۔**  
 کے بعد جب کہ شیخ ابوسعید درجہ کمال کو پہنچے تو ان سے سوال کیا گیا کہ یہ رتبہ بلند کہاں سے عطا ہوا؟ فرمایا۔ پیر ابو الفضل کی ایک نظر سے اور وہ اس طرح کہ اک روز میں سرخس میں بوعلی فقیہ سے تحصیل علم کے دوران، نہر کے کنارے بارہا تھا کہ سامنے سے پیر ابو الفضل آنکے، انہوں نے جیسی سی اک نظر مجھ پر ڈالی، اور اس روز سے آج تک جو کچھ بھی رکھتا ہوں انہی کی دین ہے۔

شیخ کہتے ہیں کہ پیر ابو الفضل نے میرا ہاتھ پکڑا اور خانقاہ میں  
**اسم ذات کی جان نوازیوں**  
 سے گئے چوتروہ پر بیٹھے تو ایک بیلہ اٹھائی اور مطالعہ کرنے لگے میرے دس ہیں۔ بنیاں گزراں بیا کہ پڑھے لکے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کتاب کس فن میں



ہوگی، پیر کو معلوم ہو گیا اور کہا۔ اے ابوسعید! ایک لاکھ چوبیس ہزار مرسلین علیہم السلام جو اس دنیا میں آئے تو سب نے اپنی امتوں کے لئے ایک ہی لفظ اللہ ہی کو مقصود ٹھہرایا اور کہا کہ بس اس کے ہر جاؤ وہ افراد جن کو سماعت حاصل تھی ذہنی کلمہ کہتے رہے، تاکہ سر یا وہی کلمہ ہو کر رہ گئے، جب اپنے تمام وجود سمیت اس کلمہ کے ہو کر رہ گئے تو اسی میں منفرق ہو کر پاک صاف ہو گئے پھر یہی اسم ذات اُن کے دل میں ظاہر ہوا اور وہ اس کے زبانی کہنے سے بے نیاز ہو گئے، نیز فرماتے ہیں کہ اس بات نے میرا دل موہ لیا اور اُس رات نیند نہ آئی، حتیٰ کہ صبح کی نماز اور ادو وظائف سے نارغ ہوا تو سورج نکلنے سے پہلے پیر سے اجازت لی اور درس تفسیر میں شامل ہونے کے لئے بوعلی فقیہ کے درس میں بیٹھا، اس روز درس کا آغاز اس آیت سے ہوا۔ "قتل اللہ شو ذرہوفی خوضہم یلعبون"۔

شیخ کہتے ہیں کہ اسی لمحے مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میرے سینہ کو کھول دیا واویہائے محبت، کیا ہے اور مجھے مجھ سے چھین لیا گیا، امام بوعلی فقیہ نے میرے باطن کے اس تغیر کو دیکھ لیا، کہنے لگے۔ کل کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا پیر ابو الفضل حسن کے پاس فرمایا۔ اٹھو اور پھر وہیں چلے جاؤ کہ تیرا ان معانی بلند سے اس درس کی طرف آنا حرام ہے، میں پیر ابو الفضل کے پاس چلا گیا سخت حیران کہ سر یا کلمہ اسم ذات ہو چکا تھا، جب پیر نے دیکھا تو فرمایا۔ اے ابوسعید! مست ہو گئے ہو کہ اب پس و پیش کا بھی پتہ نہیں، میں نے کہا۔ یا شیخ! کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا۔ آؤ، بیٹھو اور اس کلمہ کے ہر جاؤ کہ یہ کلمہ نبھ سے کئی کام رکھتا ہے۔ شیخ ابوسعید فرماتے ہیں کہ ایک مدت تک اُن کی خدمت میں گفتار حق کے ساتھ اس کلمہ کا حق ادا کرتا رہا۔ ایک روز پیر نے فرمایا۔ اے ابوسعید! اس کلمہ کے حروف کے دروازے تجھ پر کھول دیئے گئے اب لشکر کے لشکر تیرے سینہ پر دھاوا بولیں گے، طرح طرح کی واویاں دیکھو گے، پھر کہا تجھے لے



گئے اٹھو اور خلوت طلب کر اپنے اور لوگوں کی جانب سے منہ موڑ لو، اور نظارہ و تسلیم کی کیفیت میں کھو جاؤ۔ شیخ ابو سعید کہتے ہیں کہ میں نے وہ سارے علوم و فنون ایک طرف رکھے اور میہنہ آگیا، یہاں گھر کے اُس ایک کونے میں بیٹھ گیا (انہوں نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا، سات سال وہاں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا رہا، جو نہی غفلت یا اونگھ حملہ کرتی تو مخراب میں سے ایک سپاہی تیشیں ہتھیار لے کر نکلتا اور انتہائی ہیبت و خوف طاری کر دینے والی آواز میں کہتا۔ ابو سعید استل اللہ! کہو اللہ! میں دن رات اُس خوف سے سونہ سکتا، اور اللہ اللہ کرتا رہتا نا آنکہ میرے پورے وجود میں سے اللہ اللہ کا آوازہ بلند ہونے لگا، اور میں پھر پیر ابو الفضل حسنؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پیر ابو الفضل حسنؒ، شیخ ابو سعید کے پیرِ سچیت تھے، جبکہ خود پیر ابو الفضل شیخ ابو نصر سراج علیہ الرحمۃ کے مرید تھے، جنہیں طاؤس الفقراء کہا جاتا ہے، علمِ طریقت و حقیقت میں اُن کی تصانیف ہیں، ان کا مسکن لوس تھا۔ مرتد مبارک بھی دیں ہے۔ ابو نصر سراجؒ نے ابو محمد عبد اللہ بن محمد المرعش کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یہ عظیم صوفی اور یگانہ عصر بزرگ تھے، بغداد میں دنات پانی شیخ المرعشؒ سید الطائفہ بنید کے مرید تھے اور جنیدؒ سری سقطیؒ کے مرید تھے، سری سقطیؒ معدنِ کونجی کے مرید تھے اور وہ داد دطائی کے مرید تھے۔ اور وہ حبیب عجمی کے مرید تھے اور وہ حسن بصری کے مرید تھے اور وہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے مرید تھے جبکہ حضرت علیؒ سید الاولین و الاخرین محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرید اور داماد تھے،

جیسا کہ گزر چکا کہ آپ دوسری بار شیخ ابو الفضل حسنؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنی خانقاہ میں انہیں ایک جگہ عطا فرمائی، اور سلسلِ آپ کے افعال پر نظر رکھتے ہوئے تہذیبِ اخلاق اور ریاضات میں آپ کی نگرانی فرماتے رہے شیخ فرماتے ہیں کہ ایک رات جماعت سو رہی تھی، خانقاہ اور قبضے کے سب دروازے بند تھے اور میں پیر ابو الفضلؒ کے ساتھ چوتھے پر بیٹھا تھا، معرفت کی گفتگو جاری تھی کہ ایک مسئلہ میں اشکال پیدا ہوا۔ اِقمانؒ کو دیکھا کہ خانقاہ کی چھت سے اُڑ کر نیچے ہمارے درمیان بیٹھ گئے اور اس طرح سے مسئلہ کی تشریح بیان کی کہ میرا



اشکال رفع ہو گیا اور وہ دوبارہ اُڑ کر روشن دان سے نکل گئے۔ پیر ابو الفضل نے کہا اے ابوسعید! اس شخص کی خانقاہ میں منزلت دیکھتے ہو؟ میں نے کہا۔ دیکھتا ہوں، کہا کہ پیر دی کئے جانے کے قابل نہیں! میں نے کہا۔ کیوں؟ کہا۔ اس لئے کہ علم نہیں رکھتا۔

شیخ ابوسعید نے جب ایک مدت خانقاہ ابو الفضل میں گزار دی تو

**عشق کی تنہائیاں** پیر نے اُن سے کہا کہ وہ ان کی خلوت گاہ میں آجائیں، پھر ایک

مدت تک پیر نے اُن کے ریاضات و مجاہدات کی نگرانی فرمائی بعد ازاں انہیں ان کی جلنے سکونت

یہنہ بھیج دیا اور حکم دیا کہ والدہ کی خدمت میں لگ جاؤ، شیخ ابوسعید میہنہ چلے آئے اور اپنی خلوت گاہ

میں بیٹھ گئے زہد پر دوام کیا، اس دوران اس قدر وسواس پیدا ہوا کہ درو دیوار تک کو دھو ڈالتے

اور نو کرنے میں کتنے ہی لوٹے پانی کے صرف کر ڈالتے، ہر نماز کے لئے غسل کرتے کسی دیوار

پر تکیہ نہ کرتے کسی بستر پر پہلو نہ رکھتے اس سارے عرصے میں اُن کے پاس ایک ہی پیرا ہی تھا جب

بھی پھٹ جاتا اس پر ایک پیوند لگا دیتے یہاں تک کہ پیوند لگاتے لگاتے اُس کا وزن بیس سیر کو

پہنچ گیا، کبھی کسی سے جھگڑانہ کرتے ضرورت پڑنے پر بھی کسی سے بات نہ کرتے، دن کے وقت

کچھ نہ کھاتے اور زمان کے ایک ٹکڑے سے افطار فرماتے، رات کو بیدار رہتے، اپنی خلوت گاہ

کی ایک دیوار میں اپنے قد کے برابر جگہ بنالی ہوئی تھی۔ دروازے بند کر کے اُس میں کھڑے ہو جاتے

اور ذکر و فکر الہی میں مشغول ہو جاتے، کانوں میں روئی ٹھونس لیتے کہ کچھ سننے نہ پائیں، اور اس طرح

اُن کی توجہ منتشر نہ ہو، اپنے باطن پر اس طرح سے توجہ کرتے کہ دل میں سوائے اللہ کے کسی شے

کا گزرتک نہ ہوتا، خلق سے مکمل طور پر علیحدگی اختیار کر لی تھی، مسلسل اسی تجرد و انفرادی زندگی

سے اُن میں لوگوں سے ملنے کی تاب باقی نہ رہی اور بالآخر وہ کوہِ دیابان کی طرف نکل گئے وہیں

رہتے اور مباحات جنگل میں سے تناول فرماتے ایک ماہ بیس دن گم رہے، ادھر اُن کے والد

ماجد دن رات تلاش کرتے مگر کہیں پتہ نہ پاتے، آخر کسی کارواں یا دہقان نے انہیں دیکھ لیا

اور آپ کے والد کو اطلاع کر دی، وہ فوراً گئے اور انہیں واپس لے آئے والد کی خوشنودی کی خاطر وہ



آگے مگر شہر میں پھر گزارہ نہ کر سکے اور دوبارہ صحراء کی جانب نکل گئے، کئی لوگوں نے شیخ کو بیابان میں سفید لباس میں بلوس ایک بار عب بزرگ کے ہمراہ دیکھا، بعد میں جب کسی نے پوچھا کہ وہ شیخ پیر سال کون تھے تو جواب دیا کہ خضر علیہ السلام تھے میں نے شیخ ابوالقاسم جنید بن علی الشرمقانی کے ہاتھ سے لکھی ایک تحریر دیکھی جس میں انہوں نے کہا تھا میں شیخ ابوسعید کے ساتھ میہنہ کے راستے میں جا رہا تھا کہ انہوں نے پہاڑ کے سامنے مجھ سے کہا۔ اے ابوالقاسم یہ پہاڑ وہ ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر لے گیا جیسا کہ فرمایا: **ورفعناہ مکانا علیا لہ**

پھر اُس پہاڑ کی طرف اشارہ کیا جو کہ ادریس علیہ السلام کی مسجد کے نام سے مشہور ہے، اور وہاں سے دو فرنگ کے فاصلہ پر حرد اور تیاران کے مقامات ہیں پھر کہا کہ اس پہاڑ میں کچھ لوگ مشرق و مغرب سے آتے ہیں اور رات کو یہیں ہوتے ہیں، اور انہوں نے کئی مساجد یہاں بنا رکھی ہیں میں بھی کئی مرتبہ اس جگہ رہا ہوں، ایک رات کو میں اسی پہاڑ پر تھا اور اُس میں ایک تو وہ ایسا پہاڑ سے باہر کو نکلا ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں جائے اور نیچے کو نگاہ کرے تو خون سے بے ہوش ہو جاتے اس تو دے پر میں نے سجادہ بچھایا اور خود سے کہا کہ دو رکعت نماز میں سارا قرآن کریم اللہ کی توفیق کے ساتھ ختم کروں گا، اسی لمحے یہ خیال بھی دل میں آیا کہ اگر نیند آگئی تو نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں گا، جب میں نے قرآن کریم کا ایک حصہ پڑھ لیا اور سجدے میں گیا تو نیند نے غلبہ کیا حالت خواب میں نیچے گر گیا، جب خواب سے بیدار ہوا تو خود کو ہوا میں معلق پایا، میں نے امان کی درخواست کی، اور حق تعالیٰ، اپنے فضل کے ساتھ مجھے پہاڑ کی چوٹی پر لے آیا۔

اکثر و بیشتر شیخ ابوسعید کی نشست رباط کہن میں ہوتی تھی اور یہ ابورد کے راستے میں میہنہ کے کنارے ایک سرایے ہے، ہمارے شیخ نے اکثر ریاضات و مجاہدات یہیں مکمل کئے۔ مرد کے راستے میں میہنہ کے دروازے سے نزدیک ایک اونچائی ہے جسے زعقل کہتے ہیں، اسی طرح حطوس



کے رستے میں سرکلہ کے نام سے میہنہ سے دو فرنگ کے فاصلے پر دامن کوہ میں ایک اور سراپے ہے اور ایک سراپے گورستان کے نام سے میہنہ کے دروازے پر واقع ہے

آپ نے کہا کہ ایک روز خوب دلدل ہو رہی تھی، میرا دل حد درجہ تنگ ہو رہا تھا اور کیفیت حضور مفضو د تھی، پکے سے نکلا اور اپنے گھر کے دروازے پر آن بیٹھا، میری والدہ نیچے آئیں اور آواز دی کہ اندر آ جاؤ، میں نے اچھا سا جواب دیا جب مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ چلی گئیں تو اٹھا جوتا ہاتھ میں لیا اور رباط گورستان چلا گیا، کچھ آگے پہنچا تو دیکھا کہ پانی چل رہا ہے۔ پاؤں دھو کر جوتا پہن لیا اور دروازے پر دستک دی، نگہبان نے در کھول دیا، وہ میرے جوتے کو دیکھتا جاتا تھا اور متعجب ہو کر کہتا تھا، اس کیچڑ و دلدل والے دن میں اس کے جوتے خشک ہیں، الغرض میں داخل ہوا، اندر ایک مکان تھا میں اُس میں داخل ہوا اور دعا کی کہ اے بار خدایا! تجھے تیری خدائی خداوندی عظمت، بلال کبریائی، سلطانی، پاکی و کامرانی کا واسطہ ہے کہ جو کچھ تیرے بندگان خاص نے چاہا اور تو نے انہیں عطا فرمایا اور ہر وہ چیز جو انہوں نے نہیں چاہی اور ان کی سمجھ آس تک نہیں پہنچی مگر تو نے اُن کے لئے مخصوص فرمائی اور وہ شے جو تیرے پوشیدہ علم میں ہے کہ کسی کو اُس کی خبر نہیں، نہ کوئی اسے پہچانتا اور جانتا ہے مگر صرف تیری ذات برحق، کہ تو اُس سے اس شے کو محروم نہیں فرمائے گا، جب میں نے یہ دعا کی تو پھر باہر آیا اور اپنے گھر چلا گیا۔ مذکورہ تمام مقامات حضرت شیخ کی عبادت گاہیں تھیں جب میہنہ میں ہوتے تو اکثر اپنی جگہوں میں رہتے اس کے علاوہ اور بھی کئی جگہیں ایسی ہیں کہ اُن کا ذکر باعث طوالت ہو گا، ان جگہوں کے ذکر سے سوائے اس کے اور کوئی فائدہ مقصود نہیں کہ اگر کسی کو اللہ توفیق عطا فرمائے۔ تو وہ اُن کی زیارت کرے۔ الغرض شیخ اکثر لوگوں سے بھاگ کر ان جگہوں پر تنہا عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے اور ان کے والد ماجد مسلسل اُن کو ایک ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ کے بعد واپس لاکر خوب نگہداشت کرتے تاکہ وہ تنگ نہ آجائیں۔



آپ کے والد بیان کرنے میں کہ ہر رات  
پدریخ کے اندیشے اور عشق کی رازداریاں جب میں نماز سے فارغ ہوتا تو گھر

کا دروازہ بند کر کے زنجیر ڈال دیتا اور کان لگائے رکھتا کہ ابو سعید سو جاتے، جب وہ سڑک پر رکھ  
لیتا اور میں یہ جان لیتا کہ وہ سو گیا ہے تو میں بھی سو جاتا۔ ایک مرتبہ نصف شب کو میری آنکھ کھلی  
تو ابو سعید کو کمرے میں نہ پایا، اٹھا اور پورے گھر میں تلاش کیا مگر بے سود، دروازے پر گیا  
تو زنجیر نہیں لگی تھی۔ پھر آکر سو گیا، صبح کی اذان کے وقت وہ دروازے پتے داخل ہوا۔ اور آکر سو  
گیا چند راتیں میں نے کان لگائے رکھے اور وہ اسی طرح کرتا رہا میں نے بھی اُس سے کوئی ذکر  
نہ کیا، بلکہ یہ ظاہر کرتا رہا کہ جیسے مجھے علم ہی نہیں، مگر ہر رات اس کے اس طرح نکل جانے سے مجھے  
شفقتِ پداری کے باعث طرح طرح کے اندیشے لاحق ہو گئے، کیونکہ الصدیق مولا بسوا لظن اور میں  
خود سے کہتا تھا کہ جو ان ہے اور الثباب شعبۃ من الجنون کے مصداق ہیں شیاطین جن یا انس نے  
اُس کا راہ نہ روک لیا ہو، مختصر یہ کہ میں نے سٹے کر لیا کہ ایک رات اُس کا تعاقب کر کے پتہ چلا لوں کہ  
کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے، اپنے معمول کے مطابق ایک شب جب وہ اٹھا اور نکل کھڑا ہوا تو  
میں بھی فاصلہ رکھ کر اس طرح اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا کہ اُسے میرا پتہ نہ تھا وہ رباط کہن پہنچ کر اس  
کے اندر چلا گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ میں اس رباط کی چھت پر چڑھ گیا، وہ رباط کے اندر کی مسجد  
میں داخل ہو گیا اور دروازہ بند کر لیا، میں اُس جگہ روشن دان سے دیکھنے لگا، مسجد میں ایک جگہ رسی  
لکڑی سے بندھی پڑی تھی اُس نے رسی اور لکڑی اٹھائی اور مسجد کے ایک کونے میں کنویں پر چلا  
گیا، رسی اپنے پاؤں میں باندھ کر اُس لکڑی کو کنویں کے منہ پر اُفقار رکھ کر خود کنویں میں اُلٹا  
لٹک گیا پھر قرآن کو ابتداء سے تلاوت کرنا شروع کیا میں سنتا رہا آنکہ سحر ہونے تک قرآن کریم ختم  
کر لیا پھر خود کنویں سے باہر نکل آیا، لکڑی کو اپنی جگہ رکھا دروازہ کھول کر باہر آ گیا، اور رباط کے  
درمیان وضو کرنے میں مشغول ہو گیا، میں چھت سے فوراً اترا اور گھر آ کر آرام سے لیٹ گیا، تھوڑی دیر  
بعد وہ آیا اور حسب عادت سر رکھ کر سو گیا، بالغرض میں اپنے ہمیشہ کے معمول کے مطابق اس کو بیدار کرتا



اور جماعت میں شامل ہونے کو اکٹھے باتے، اس کے بعد چند راتیں میں نے اس پر نگاہ رکھی تو اس کو اسی معمول پر قائم پایا۔ اور ایک مدت وہ ایسا ہی کرنا رہا۔

ایک معمول ابو سعید کا یہ بھی تھا کہ ہاتھ میں جھاڑو لئے مساجد میں صفائی کرنے رہتے اور کمزوروں ضعیفوں کا ہاتھ پٹاتے، کئی راتیں شہد مقدس کے دروازے پر لگے درخت سے نود کو معلق کر کے ذکر و نکر میں گزاریں، ہر حال میں اور سخت موسم سرما میں بھی ٹھنڈے پانی سے غسل فرماتے اور درویشوں کی خدمت خود کرتے تھے۔

ایک مرتبہ شیخ نے کہا۔ میں یہ کہا کرتا تھا کہ ہم، عمل اور مراقبہ کی کیفیت پیدا ہو چکی اب ان تمام سے خود کو غائب کرنا چاہیے تاکہ ان کا اساس بھی فنا ہو جائے تلاش شروع کی مگر سوائے خدمت درویشان کسی چیز میں اس کیفیت کا حصول ممکن نہ پایا۔ جب اللہ کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کو نفس کو زیر کرنے کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے، پس میں خدمت درویشان میں مصروف ہو گیا ان کے بیٹھنے و سونے اور پاناخانہ کی جگہ کو سادہ کرنا، ایک ٹوکرو اٹھائے رکھنا اور سارا گند اس میں ڈال کر باہر لے جاتا۔ ایک عرصہ جب اسی معمول پر قائم گذر گیا، اور یہ میری عادت میں داخل ہو گیا، تو درویشوں سے مانگنا شروع کر دیا۔ کیونکہ کوئی چیز نفس پر اس سے بھاری میں نے نہیں دیکھی، جو بھی مجھے دیکھتا پہلے پہل تو ایک دینار دیتا تھا۔ اور کچھ عرصہ گذر جاتا تو یہ معاوضہ گھٹ جاتا اور ایک دانق رہ جاتا، پھر اس قدر گھٹتا کہ ایک کشمش کے دانے تک آ پہنچتا، اور بالآخر کچھ بھی نہ رہتا، ایک روز جماعت درویشان آئی اور کوئی کشادگی کی صورت پیدا نہیں ہو رہی تھی، میرے سر پر دستار تھی میں نے وہ ان کو پیش کر دی۔ اس کے بعد جو تاج ڈالا، پھر جبے کا اندرونی استرا اور اس کے بعد بیرونی استر بھی ان کے لئے بیچ ڈالا۔ میرے والد نے ایک روز مجھے سر پہنہ اور بغیر جبے کے دیکھا تو کہا۔ بیٹے! آخر اس انداز کو کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا۔ یہ میہنہ کے اس نوجوان کی وہ باتیں ہیں جنہیں آپ نہیں جانتے،

شیخ ابو سعید برابر مساجد میں جھاڑو پھرتے اور اپنا مال و جاہ درویشوں اور خلقِ خدا پر خرچ کرتے



رہے، چاہے ایک لقمہ نان کیوں نہ ہوتا جب کبھی کوئی مسئلہ مشکل پیش آجاتا تو فوراً اپنے پیر ابو الحسن سن کے پاس سرخس تشریف لے جاتے اور اشکال رفع ہو جاتا تو واپس آجاتے۔

آپ کے ایک مرید شیخ عبدالصمد کی زبانی یہ صحیح روایت ہم تک پہنچی کہ بسا اوقات جب سرخس جاتے تو ہوا میں اڑ کر جاتے، مگر سوائے ارباب تصوف کے کوئی اور انہیں اس حالت میں نہ دیکھ سکتا، پیر ابو الفضل حسن کے ایک مرید احمد نامی تھے انہوں نے ایک روز آپ کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھا تو پیر ابو الفضل کے پاس جا کر آپ کے آنے کی اطلاع دی، اور کہا کہ ہوا میں معلق آ رہے ہیں پیر نے پوچھا تو نے انہیں دیکھا، کہا میں نے دیکھا، پیر نے فرمایا۔ دنیا سے رخصت نہ ہو گے جب تک اندھے نہ ہو جاؤ، شیخ عبدالصمد کہتے ہیں کہ احمد آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے جیسا کہ شیخ ابو الفضل نے اشارہ کیا تھا۔

شیخ ابوسعید نے ایک مدت اسی طرح مجاہدہ جاری رکھا، اور پیر ابو الفضل حسن کی خدمت میں ایک بار پھر سرخس چلے گئے۔ ایک سال مزید وہاں رہے جس کے دوران پیر نے انہیں طرح طرح کی ریاضتوں سے گزارا۔

کہتے ہیں کہ پیر ابو الفضل حسن نے آپ کو فرقہ خلافت عطا فرمایا مگر یہ روایت درست نہیں کیونکہ ان کی پوری زندگی کے دوران آپ مجاہدات میں مشغول رہے فرقہ پہننے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ پیر ابو الفضل حسن اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بعد ازاں آپ شیخ عبدالرحمن سلمی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پہنچے اور انہی سے فرقہ پایا اور شیخ عبدالرحمان سلمی علیہ الرحمۃ نے ابو القاسم نصیر آبادی علیہ الرحمۃ سے انہوں نے ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ سے انہوں نے سید الطائفہ جنید علیہ الرحمۃ سے انہوں نے سری سقطی علیہ الرحمۃ سے انہوں نے معروف کوفی علیہ الرحمۃ سے انہوں نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے والد محمد باقر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے والد علی زین العابدین رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے والد امیر المؤمنین حسین رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے والد امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے محمد مصطفیٰ صلوات اللہ علیہ سے سب اقداس سے



فرقہ پینا۔

ایک ضعیف روایت یہ ہے کہ جب شیخ نے فرقہ خلافت پہن لیا تو پیر ابو الفضل کی خدمت میں آئے انہوں نے فرمایا۔ اب مجاہدہ تمام ہوا۔ میہنہ جا کر لوگوں کو وعظ و تلقین کر کے اللہ کی طرف بلانا چاہیے۔ پیر کے حکم پر آپ میہنہ چلے آئے مگر مجاہدات و ریاضات میں مزید اضافہ کر لیا کیونکہ پیر کا یہ کہنا کہ اب مجاہدہ تمام ہوا۔ انہیں کچھ دل کو نہ لگا، اسی دوران لوگوں میں آپ کو قبولِ عام حاصل ہوا۔ جیسا ایک مجلس میں آپ کے بارے میں یہ بات چلی کہ ایک روز کسی نے آپ سے اس آیت کے بارے میں استفسار کیا۔ "شُرُّرِدُّوْا اِلٰی اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقُّ" پھر فرشتے پھیرے جاتے ہیں اپنے سچے مولیٰ اللہ کی طرف۔

آپ نے کہا کہ یہ آیت فرشتوں سے متعلق ہے، اور وہ جس جگہ لے جاتے ہیں وہ مقام وہیں ہے، کہ تمام مجاہدات، عبادات، سفر، حضر، رنج اور ذلت و رسوائی کے بعد وہاں جانا ہے، اور ان تمام مقامات سے ایک ایک کر کے بندے کو گزارا جاتا ہے، پہلے لُٹ سے توبہ کے دروازے پر لایا جاتا ہے۔ جہاں وہ توبہ کر کے مالک کو خوش کرتا ہے۔ پھر مذلتِ نفس میں مشغول ہوتا ہے، ہر طرح کے رنج اٹھاتا ہے اور اسی قدر لوگوں کو آرام پہنچاتا ہے۔ پھر ہر طرح کی طاعت میں مصروف ہو جاتا ہے رات کو بیدار اور دن کو بھوکا رہتا ہے، شریعتِ حق کے حقوق پورے کرتا ہے، ہر روز نئی جدوجہد کرتا اور خود پر چیزوں کو واجب گردانتا ہے، میں نے بھی یہ سب منازل طے کیں، ابتداء میں اٹھارہ چیزیں میں نے اپنے لئے واجب ٹھہرائیں اور ان اٹھارہ چیزوں پر اٹھارہ ہزار مخلوقات جتنی مداومت خود اپنی ذات سے طلب کی، ہمیشہ روزہ سے رہا، نغمہ حرام سے پرہیز کیا، ذکر الہی پر ہمیشگی اختیار کی۔ رات کو بیدار رہتا۔ زمین پر پہلو نہیں رکھا۔ بیٹھے بیٹھے نیند کر لیتا۔ قبلہ رو ہو کر بیٹھتا۔ تکیہ نہیں لگایا۔ امر کو بڑی نظر سے نہیں دیکھا۔ محرمات پر نظر نہیں ڈالی۔ انسانی اخلاق کی جستجو



کی۔ گدائی نہیں کی۔ قناعت کی، اور کیفیت شاہدہ میں تسلیم کی حالت میں رہا۔ ہر وقت مسجد میں رہتا۔ بازار نہیں گیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدترین جگہ بازار ہے اور بہترین جگہ مسجد ہر عمل میں متبع سنت رہا۔ ہر دن زات میں ایک بار قرآن مجید ختم کرتا۔ بنیا ہو کر نابینا رہا۔ سننے کے باوجود بہرہ رہا۔ گویائی میں گنگ رہا۔ ایک سال کسی سے بات نہ کی۔ لوگ دیوانہ کہنے لگے اور میں برواشت کرتا رہا کیونکہ روایت ہے کہ بندے کا ایمان اُس وقت مکمل ہوتا ہے جب دنیا کے لوگ اُسے دیوانہ سمجھنے لگیں۔

**اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم** ہر وہ کام جس کے بارے میں سنا اور پڑھا تھا کہ سید المرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اُس پر عمل کیا، یہاں تک کہ میں نے سنا تھا کہ غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں زخم پہنچا تھا جس کی وجہ سے آپ پاؤں پر نہیں کھڑے ہو سکتے تھے اور نماز انگلیوں کے بل کھڑے ہو کر ادا فرمانے میں نے پیروی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں چار سو رکعت نفل پاؤں کی انگلیوں کے بل کھڑے ہو کر ادا کئے۔

اپنا ہر ظاہری و باطنی عمل سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق و مطابق راست کیا۔ بالآخر اتباع سنت میرے رگ و پے میں سچ گیا، فرشتوں کے جس عمل کے بارے میں سنا تھا وہ بھی ابتداء میں انجام دیا۔

میں نے سنا اور کتابوں میں پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو نہ کوئی **حقی عبادت** ہو کر عبادت کرتے ہیں، ان کی موافقت کرنے کی خاطر میں نے ابوظاہر کی اللہ سے کہا کہ میرے پاؤں کی انگلیوں کو منج کے ساتھ باندھ کر میرے کمرے کا دروازہ مجھ پر بند کر دو۔ پھر میں نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا۔ بار خدا یا! مجھے اپنا آپ نہیں چاہیئے، مجھے اس سے نجات



عطا فرما، بعد ازاں ختم قرآن کریم کا آغاز کیا۔ جب اس آیت پر پہنچا کہ

فیسکفیلکم اللہ وهو السميع

آیت کریمہ تلاوت کرتے ہی میری آنکھوں سے خون

باری ہو گیا، اپنی خبر تک نہ رہی اور سب کچھ سیر بدل گیا

العلیم

اسی طرح کی کئی دیگر ریاضتیں اور مجاہدے جو میں نے کئے میں اپنے تئیں یہ خیال کرتا رہا کہ وہ

میری کوشش کا نتیجہ تھے حالانکہ یہ میرا پندار تھا حقیقت یہ ہے کہ مجھ پر بعد میں یہ واضح کر دیا گیا کہ

وہ سب کچھ فضل خداوندی اور توفیق ایزدی کے بموجب تھا۔ اُس میں میرا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ اب اگر کوئی

یہ کہے کہ یہ سب مجاہدات و ریاضات نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ یہ پندار ہے تو ایسا نہیں بلکہ ان کا نہ کرنا

پندار ہے کیونکہ جب تک کوئی ان سے نہ گزرے اُس پر حقیقت عیاں نہیں کی جاتی اور خود اس پندار کو

بھی اس پر ظاہر نہیں کیا جاتا، جب تک شریعت کو سپر نہ بنایا جائے خود بینی اور غرور کو بندہ محسوس ہی

نہیں کہ پاتا حالانکہ یہ خود بینی دینی کام انجام دیتے وقت بندے میں موجود ہوتی ہے اب اگر شرعی احکامات

پر عمل نہ کریں تو کفر اور اگر اختیار کریں۔ لیکن اپنے عمل پر نظر رکھیں اور خود بینی

وغرور میں مبتلا ہوں تو شرک، کیونکہ تو بھی ہو، وہ بھی ہو تو دو وجود لازم آتے ہیں اور یہ شرک ٹھہرتا

ہے، پس چاہیے کہ تو ہرے سے خود کو ہی فنا کر دے تاکہ کفر و شرک و دنوں سے بچے رہو۔

ایک مرتبہ اس حال میں بیٹھا تھا کہ اپنی فنا کا عاشق ہو چکا تھا، اتنے

عشق کی نیرنگیاں میں ایک روشنی ظاہر ہوئی جس نے میری ہستی کو مٹا ڈالا اور خداوند

عزوجل نے مجھ پر ظاہر فرما دیا کہ نہ وہ تو تھا اور نہ اب تو ہے بلکہ وہ (یعنی فنا سے عشق) میری جانب

سے تجھے ملنے والی توفیق تھی اور یہ رہتی کا ٹٹنا، میرا فضل یہ، سب سیری ربوبیت اور نظر عنایت

سے اس وقت سیری حالت پر یہ اشعار صارق آئے تھے۔

ہمہ جاں تو بینم چو دیدہ باز کم - ہمہ تنم دل گردو کہ با تو راز کم



حرام دارم باوہ گران سخن گفتن - کجا حدیث تو آمد سخن دراز کم  
ترجمہ اشعار :- چشمِ داگردوں تو ہر شے میں تیرے سن کے جلوے دکھائی دیتے ہیں میرا سارا  
تن دل بن جاتا ہے کہ تجھ سے راز کی باتیں کر دوں۔

۲۔ دوسروں سے بات کرنی حرام جانتا ہوں اور جہاں تیری بات آجاتی تو  
بات لمبی کر دیتا ہوں۔

بعد ازاں ایسی عزت عطا ہوئی کہ لوگ آتے اور میرے ہاتھ پر تائب ہو کر جلتے ہمسائے  
میری حرمت کے پیش نظر شراب نہ پیتے، یہاں تک نوبت پہنچی کہ میرے ہاتھ سے خرپوزہ کا پھلکا  
جو گر جاتا تو اسے بھی بیس دینار میں خریدیتے، ایک روز پھر پر سوار جا رہا تھا اور لوگ پھر کی خواست  
کو سراور چہرے پر ملتے۔ اس کے بعد مجھ پر یہ ظاہر کیا گیا کہ وہ میں نہ تھا، مسجد سے آواز آئی کہ ازلّم  
يَكْفِ بِرَبِّكَ، اک تو میرے یسنے میں جلوہ ریزہ ہوا اور کئی حجاب اٹھ گئے، پھر اک دوسرا  
آیا جب ان تمام لوگوں نے مجھے رد کر دیا جنہوں نے میری عقیدت مندی کے بیچارے باندھے تھے، بلکہ  
قاضی شہر کے ساتھ مل کر میرے کافر ہونے کی گواہیاں دینے لگے، اور جہاں سے میرا گزر ہوتا تو کہتے،  
اس شخص کی نحوست سے اس زمین پر سبزہ نہیں اُگے گا، یہاں تک کہ مسجد میں بیٹھا تھا تو عورتوں نے  
چھت سے مجھ پر گندگی پھینکی، اور ساتھ یہ آواز میرے کانوں میں آئی کہ ادسو یکف بر ربک،  
مسجد میں میری موجودگی سے مقصدیوں نے جماعت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے جب  
تک یہ دیوانہ مسجد میں ہے ہم جماعت میں شامل نہ ہوں گے اور میں دل میں یہ کہتا تھا۔

تا شیر بدم شکار من بود پلنگ      پیروز بدم بہر چہ کردم آہنگ

تا عشق ترا بہر در آوردم تنگ      از ہمیشہ بدون کردم را در بہ تنگ

ترجمہ اشعار :- جب تک شیر تھا، خونخوار بیڑیے میرا شکار تھے، اور جس طرف بھی متوجہ  
ہونا کامیاب ہوتا۔

۲۔ یہاں تک کہ تیرے عشق نے ہر درد میرے اوپر تنگ کر دیا اور مجھے لنگڑی لڑھی



نے جنگل سے نکال دیا۔

اس طرح میرے اوپر قبضہ کی حالت طاری ہو گئی تو کامل نیت کے ساتھ قرآن کریم کو کھولا،

سنانے یہ آیت تھی۔

« ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ والینا ترجعون »<sup>۲</sup>

قرآن نے یہ کہا کہ یہ سب کچھ تو آزمائش ہے چلے خیر ہے یا چلے شر خیر و شر کی خواہش ترک

کر کے میرے ساتھ ہو جاؤ، اس کے بعد میں نہیں تھا سب اسی کا فضل تھا سہ

امروز بہر حالی، بغداد بخارا است - کجا میر خراسان است پیرزی آنجا است

ترجمہ :- آج بہر حال میں بغداد و بخارا ہے، جہاں خراسان کا امیر ہے فتحمندی وہیں ہے۔

یہ ساری باتیں حضرت شیخ ابوسعید علیہ الرحمۃ نے ایک مجلس میں خود بیان فرمائیں، اور اُن

دنوں آپ کے والدین انتقال کر گئے تھے تو وہ رد کاوٹ بھی راستے سے دور ہو گئی جو اُن کو خوش

رکھنے کے باعث درمیان میں آجاتی تھی، اور آپ نے باورد و سرخس کے مابین ایک بیابان میں سات

سال ریاضات و مجاہدات کئے کسی نے آپ کو نہیں دیکھا، اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم ہو سکا کہ اس عرصے میں

وہاں آپ کی خوراک کیا تھی۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے اور علاقے میں بھی یہی مشہور ہے کہ

آپ کی خوراک جھاؤ کے پتے تھے۔

جب آپ مجاہدات و ریاضات کے دور سے نکل کر منصبِ رشد و ہدایت پر جلوہ گر ہوئے

اُن دنوں کا واقعہ ہے کہ آپ محفل میں تشریف فرماتے تھے کچھ مریدانِ باصفاء فریوزہ پھیلتے اور اُسے شکر

لگا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے جاتے، ایک شخص جسے یہ بات پسند نہ تھی وہاں سے گزرنے لگا

تو کہا - شیخ! یہ جو آب کھا رہے سو کیسا ذائقہ رکھتا ہے اور اُس کا ذائقہ کیا تھا جو سات برس بیابانوں

میں کھاتے رہے۔ شیخ نے جواب دیا۔ دونوں ذائقوں کا اپنا اپنا وقت ہے، اگر وقت، بسط سے

۱۔ اور ہم نہیں برائی اور نیکی کے فتنوں سے آزمائش میں ڈالیں گے۔ اور تم نے

ہماری طرف مٹنا ہے۔



ہمکنار ہو تو جھاؤ کے پتے اور جنگل کے کانٹے بھی کھانے میں اس میٹھے خربوزے سے زیادہ شیریں ہوتے ہیں، اور اگر حالت قبض کی ہو تو یہ خربوزہ اُن کانٹوں سے بھی بد ذائقہ لگے۔

اسی ضمن میں شیخ نے مزید فرمایا جس شخص نے مجھے ابتدائے حال میں دیکھا صدیقی اور زندگی :- وہ صدیق ٹھہرا اور جس نے آخر میں دیکھا وہ زندیق ہو گیا۔ یعنی اول حال میں تو صوفی ہر وقت ریاضت و مجاہدے میں ہوتا ہے لوگ چونکہ اکثر ظاہر میں اور صورت پرست ہوتے ہیں، جب وہ میری عبادات و ریاضات کو جو حق کے لئے ہوتے شاہدہ کرتے تو ان کے صدق میں اضافہ ہوتا رہتا اور درجہ صدیقان کو پایلتے تھے، اب جبکہ ریاضات و مجاہدات کے ثمرات اٹھانے اور سکون و راحت کی کیفیت کا وقت آ گیا ہے اور وہ پہلی حالت کے برعکس دیکھتے ہیں تو بدظن ہو کر اس دوسری کیفیت کا انکار کر بیٹھے ہیں حالانکہ یہ حالت بھی حق ہے، اور حق کا انکار زندیقی ہے۔ اس کے دلائل بیار ہیں جن میں سے ایک یہ ہے، اگر کوئی یہ خواہش کرے کہ بادشاہ وقت کا محرم راز و صاحب خاص بنے، تو اُس کے لئے لازم ہے کہ کئی آزمائشوں اور تکالیف سے گزرے، گرمی و سردی کی مشقتیں برداشت کرے، ہر کس و ناکس کی سخت سست باتیں سُننے، مصائب پر صبر کرے، بلکہ برضا و رغبت تکالیف اٹھاتا جائے، ہر خفا کے بدلے خدمت کرے۔ ہر کالی کے عوض دس دعائیں دے، تا آنکہ اس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ بادشاہ کا قرب پالے اور بادشاہ کی نظر میں ہزار مردم سے بھی فزوں تر ہو۔ جب اس مرتبہ کو پہنچے تو پھر اس کی اس قدر خدمات بجالائے کہ بادشاہ کو اُس پر کامل اعتماد ہو جائے، اور اسے اپنا قریبی راز دار اور محب خاص ٹھہرائے تو یکسر اُس کی مشقتوں اور خدمتوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے وہ ہر مشرف و منزلت اور نعمت و آسائش سے بہرہ ور ہوتا ہے، ایسے شخص کی اس مرتبہ پر سولے بادشاہ کے حضور میں ہمہ وقت حضور کی اور



کوئی طویل فرائض نہیں ہوتے، اور یہ بھی اس لئے تاکہ جب بھی بادشاہ اُسے کوئی راز بتانا چاہے یا اُس سے کوئی بات کرنا چاہے تو وہ حاضر ہو بے شک یہی بندے کا روشن ترین مرتبہ ہوتا ہے۔

شیخ ابو سعید علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے کہ جب بھی

## شیخ ابو العباس قصاب علیہ الرحمۃ :- کوئی اشکال پیش آتا رات کو اپنے پر

ابو الفضل حسن علیہ الرحمۃ کے پاس سرخس حاضر ہو جایا کرتا اور رات ہی کو واپس میہنہ بھی آجاتا تھا۔ جب شیخ ابو الفضل حسن رحلت فرما گئے تو میرا یہ سلسلہ شیخ ابو العباس قصاب علیہ الرحمۃ کے ساتھ

جاری رہا کیونکہ اُس وقت وہی بقیۃ السلف تھے، شیخ ابو سعید کی نظر میں جو مرتبہ شیخ ابو العباس قصاب علیہ الرحمۃ کا تھا وہ کسی اور کا نہ تھا، مگر اپنا پیر ابو الفضل حسن ہی کو کہتے تھے۔ آپ نے کہا

کہ اس کے بعد میں نے مقام آمل کا قصد کیا جو باورد اور نسا کے پہلو میں واقع ہے تاکہ بعض مشائخ کرام کے مزارات کی زیارت کروں، احمد بخارا اور محمد فضل میرے ہمراہ تھے، یہ محمد فضل تر تاپا

عقیدت کیش شیخ ابو سعید تھے، ادران کا مزار سرخس میں واقع ہے۔ بہر حال ہم تینوں باورد میں وارد ہوئے اور درہ گز کی جانب سے شاہ میہنہ کا قصد کیا، شاہ میہنہ درہ گز کے پرگنوں میں سے

ایک ہے۔ پہلے اُسے شامینہ کہتے تھے، جب شیخ کا گزر ہوا تو پوچھا اس کا کیا نام ہے، وہاں کے باشندوں نے بتایا شامینہ، آپ نے فرمایا اسے شاہ میہنہ کہو، اُس دن سے اس دیہات کا نام

شاہ میہنہ پڑ گیا، آپ نے فرمایا۔ میرا ارادہ شیخ ابو علی کے مزار پر جانے کا تھا مگر دل میں اک اندیشہ سا پوشیدہ تھا، جب اُن کے مزار کے قریب پہنچا تو وہاں ایک ندی تھی جس کے کنارے میں نے وضو

کیا، دو گناہ ادا کیا، بعد ازاں وہاں ایک لڑکے کو دیکھا کہ ہل چلا رہا ہے اور ایک بوڑھا کھیت میں چھینہ رباریک دانے کا غلہ کا بیج بکھیر رہا ہے، جب اُس کا رخ ابو علی کے مزار کی طرف ہوتا تو

ایک نعرہ باند کرتا۔ میرے سینے میں اُس وقت سخت اضطراب تھا، وہ بوڑھا، میرے سامنے آیا سلام کیا۔ اور کہا۔ کیا آپ اس بوڑھے کا بوجھ ہلکا کریں گے، میں نے کہا انشاء اللہ پھر اُس نے کہا اس وقت میرے دل میں یہ خیال آ رہا ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ اس دنیا میں کوئی مخلوق پیدا نہ



فرماتا۔ مشرق تا مغرب اور زمین تا آسمان اسے چھینے کے بیج سے بھر دیتا۔ پھر ایک پندہ پیدا کرتا اور اُسے کہتا کہ ہر ایک ہزار سال بعد اس غلہ میں سے ایک دانہ تیرا رزق مقرر ہے، اور اس کے ساتھ ہی ایک بندہ پیدا فرماتا جس کے دل میں درد و سوز بھر دیتا۔ پھر اسے کہتا کہ جب تک یہ پندہ روئے زمین کو اس غلہ سے خالی نہیں کر لیتا تو اپنے مقصود تک نہیں پہنچے گا اور تو اسی طرح اس درد و سوز کے عالم میں بے قرار رہے گا، تو پھر بھی حصولِ مراد کے لئے یہ مدت بہت کم ہوتی۔

یہ کہہ کر شیخ نے کہا کہ اس بوڑھے کی اس مثال سے میرا اندیشہ دور ہوا اور مجھ پر حقیقت آشکار ہو گئی،

اس کے بعد میں ابو علیؑ کے مزار پر گیا تو فیوضاتِ فاکرانات سے شاد کام ہوا۔ بعد ازاں قصبہ نسا کی طرف روانہ ہوا، جب شیخ یہاں پہنچے تو شہر کے کنارے اندر مان نامی گاؤں میں فروکش ہونے کا ارادہ فرمایا مگر جب پہنچا کہ اس گاؤں کا کیا نام ہے اور لوگوں نے بتایا اندر مان۔ تو شیخ نے فرمایا۔ اس کے اندر نہیں جاؤں گا کہ کہیں اندر ہی نہ رہ جاؤں۔ آپ اس دیہات اور شہر نسا میں داخل نہ ہوئے بلکہ ان کے اطراف کی جانب سے روانہ ہوئے دیہات میں عیسیہ کی جانب پڑاؤ کیا۔ اُس وقت شیخ احمد نصر جو کبار مشائخ میں سے تھے شہر نسا میں گورستان کے کنارے خانقاہ مرادی میں رہتے تھے، جو شہر کے بالائی حصہ میں پہاڑ پر واقع ہے یہاں پہاڑ پر جہاں بزرگوں کے مزارات ہیں، استاد ابو علی دقاق علیہ الرحمۃ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے کے مطابق ایک خانقاہ بنائی تھی، جب استاد ابو علی دقاق شہر نسا میں آئے تھے تو یہاں مشائخ کے قبرستان کے پاس صوفیہ کے لئے کوئی جگہ نہ تھی، رات کو سوئے تو خواب میں سید المرسل علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ان سے فرمایا کہ صوفیوں کے لئے اس جگہ ایک رہائش گاہ تعمیر کرو، اور جہاں اب خانقاہ ہے وہاں اپنے دستِ اقدس سے خرابی مٹائی کہ فرمایا کہ اس طرح تعمیر کرو، دوسرے روز صبح استاد ابو علیؑ اس جگہ پہنچے تو وہ خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا تھا بدستور وہاں موجود تھا، اپنے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اُس



خط کو دیکھا اور ہدایات کے مطابق وہاں خانقاہ تعمیر کرائی، اس کے بعد بے شمار صوفیہ کرام کے قدم وہاں تک پہنچے۔

اس خانقاہ کے پہلو میں وہ مشہور گورستان ہے جہاں چار سوا اولیاء کرام کے مقبرہ اولیاء :- مزارات ہیں یہی وجہ ہے کہ صوفیہ شہر نسا، کو شام کو چک (یعنی چھوٹا شام) بھی کہتے ہیں کیونکہ شام میں انبیاء علیہم السلام کی ترتیبیں ہیں تو نسا میں اولیاء کرام کے مزارات ہیں، خاکِ نسا صوفیہ کو بہت عزیز ہے کہ اس کا کبار مشائخ سے گہرا تعلق رہا ہے۔ مشائخ بیان کرتے ہیں جب بھی کوئی وہاں یا فتنہ شہر نسا کا رخ کرتا ہے تو ختم ہو جاتا ہے اور میں نے تو اپنی زندگی میں باہا اس کا مشاہدہ کیا، کہ ۳۹ برس میں جس قدر قتل و غارت اور فسادات ہوئے، اُس دوران جب ان فتنوں کا رخ نسا کی طرف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کے طفیل انہیں دفع فرمایا، آج بھی جبکہ دینداری کا قحط ہے خصوصاً خراسان میں کہ تصوف کا نام باقی ہے نہ عملِ حال ہے نہ قال مگر شہر نسا میں نیکو کار مشائخ اور صاحبِ حال بزرگوں کا وجود باقی ہے، خدا تعالیٰ ان کے وجود کو تادیر باقی رکھے، بلاشبہ شہر نسا میں بہم یزقون و بہم میطرون کا نظارہ دیکھنے میں آتا ہے، بے شمار صاحبِ مرتبہ و مقام پوشیدہ مشائخ بھی اس علاقہ میں فروکش ہیں، کہ کہیں اور اس قدر نہ ہوں گے، اگرچہ بیشتر اولیاء کرام "تحت قبائی لایز فہم غیر ی" کے مصداق پس پردہ رہتے ہیں مگر ان کے برکات و فیوضات عام ہیں۔

اسی خانقاہ سراوی میں شیخ احمد علیہ الرحمۃ رہتے تھے جن کی عبادت گاہ

شیخ احمد علیہ الرحمۃ :- اب بھی خانہ شیخ کے نام سے یہاں موجود ہے، شیخ احمد نے ایک مرتبہ

اپنے عبادت خانہ سے سر باہر نکالا اور چبوترے پر بیٹھے صوفیوں سے کہا جس نے شاہبازِ طریقت کو دیکھا ہو وہ شہرِ یمیمہ کا قصد کئے تاکہ وہ اسے دیکھ لے۔ شیخ ابو سعید کہتے ہیں کہ جب شہر نسا میں تھا تو وہاں سے یمیمہ کا ارادہ کیا کہ وہاں شیخ احمد علی کے مزار پر حاضری دوں۔

یمیمہ نام کا گاؤں نسا کے شہر سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ شیخ احمد علی خراسان کے

اعاظم صوفیہ میں سے تھے اور وہ شیخ عثمان حیری کے مرید تھے، شیخ عبدالرحمان سلمیٰ نے اپنی کتاب



”طبقات الصوفیۃ“ میں ان کا نام محمد علیان نسوی درج کیا ہے، جبکہ شہر نسامیں وہ احمد علی کے نام سے مشہور ہیں ان کے حالات و واقعات خاصے معروف ہیں اور ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جب شیخ ابو سعید نے اپنے بڑے بیٹے ابو طاہر کو کسی مصلحت سے شہر نساروانہ کیا۔ وہاں پہنچے تو ان کے پاؤں پر اس قدر درد شروع ہوا کہ حرکت نہ کر سکتے تھے، ابو طاہر کی غیر موجودگی میں شیخ ابو سعید کے ہاں ایک فرزند متولد ہوا جس کا مظهر نام رکھا، اور انہیں اپنی فراموشی و کرامت کے ذریعے یہ علم تھا ان کے بڑے بیٹے ابو طاہر کے پاؤں میں درد ہے، انہوں نے ایک درویش کو بلوایا کہ کہا کہ فوری ابو طاہر کو میرا پیغام شہر نسامیں جا کر پہنچا دو، آپ کے خط میں لکھا تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم عنقریب ہم تمہارا بازو تمہارے بجائی سے مضبوط کریں گے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ پاؤں میں درد ہے چاہیے کہ عیسیمہ میں شیخ احمد علی کے مزار پر حاضری دو تاکہ اللہ کے ارادے سے درد جاتا رہے جب یہ خط ان کے بڑے بیٹے ابو طاہر کو ملا تو عیسیمہ جانے کا قصد کر لیا، انہیں پاکی میں وہاں لے جایا گیا۔ ایک رات شیخ احمد علی کے مزار پر گذاری، دوسرے روز اللہ تعالیٰ نے شفا بخش دی اور درد اٹل ہو گیا۔ شیخ ابو سعید کہتے ہیں ایک مرتبہ شیخ احمد علی کے مزار پر حاضری دینے سے فارغ ہوا تو علاقہ میں فساد برپا ہو گیا، دیہات میں چلا گیا تاکہ اُس کی دوسری طرف سے نکل جاؤں کہ ایک قصاب کو دوکان پر بیٹھا دیکھا۔ وہ میرے سامنے آیا، سلام کیا اور اپنا ایک شاگرد میرے پیچھے کر دیا تاکہ معلوم کرے کہ میں کہاں اترتا ہوں، پانی کے کنارے ایک مسجد تھی وہیں قیام کیا۔ اور وضو کر کے نماز ادا کی اتنے میں وہ بوڑھا قصاب کھانے کو پہنچ گیا، جب کھانے سے فارغ ہوا تو اُس نے سوال کیا کہ کوئی ہے جو میرے مسئلہ کو حل کرے؟ اُس کا اشارہ میری جانب تھا، پھر اُس نے پوچھا شرط بندگی اور شرط مزدوری کیا ہے؟ میں نے علم شریعت سے جواب دیا اُس نے کہا: کوئی اور علم بھی ہے، میں نے طریقت اور اقوالِ مشائخ سے جواب دیا کہ کوئی اور چیز نہیں جس سے جواب دو؟ جو اب میں خاموش دیکھتا رہا پھر اُس نے ہیبت سے میرے اوپر نظریں جما کر کہا۔ مطلقہ سے صحبت اختیار نہ کرو۔ میں نے پہلا سوال کیا اور تم نے شریعت سے جواب دیا اگر علم ظاہر کو طلاق دے دی ہے تو پھر اس کی طرف رجوع



مت کر دو۔ جب شیخ ابوسعید کو شیخ لقمانؒ، ابو الفضل حسن کے پاس سرخس لے گئے تو اپنے تمام احوال اور  
 مجاہدات کا حال انہیں سنایا، اُس کے بعد شیخ قاتل سے حال کی جانب پھر گئے اور جو کچھ کتابوں میں پڑھا  
 اور لکھا تھا، زیر زمین دفن کر دیا، اور اُس کتابوں کے دہیٹنے کے اور پر ایک شاخ  
 لگا دی جو تھوڑے عرصے میں ہر ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ درخت بن گئی، جو بعد میں  
 ہمارے زمانے تک لوگوں کے لئے باعث برکت تھا اور لوگ بچوں کی ولادت اور مردوں کی تجمیر و  
 تکمین کے وقت وہاں سے ٹہنی توڑ کر لے جاتے تھے۔ غزنی کے زلزلے میں جو حادثہ خراسان میں پیش  
 آیا اُس کے باعث حالات رد و بد و خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اور تباہی و بربادی کے اس سیلاب میں  
 بزرگوں کے کئی نشان بھی مٹ رہے ہیں۔

ایک مجلس میں شیخ نے کہا۔ ابتداء میں جب میں اس راہ کی طرف  
**کون قلب اور کتابیں :-** نکلا تو کتابوں کی طرف بہت توجہ تھی، کتب خانہ بھرا ہوا تھا،  
 وقت کتابوں کے مطالعہ میں غرق رہتا۔ مگر سکون ہرگز نہ پاتا۔ اللہ کے حضور درخواست گزاری  
 یا رب مجھے ان کتابوں کے پڑھنے سے باطنی کشادگی حاصل نہیں ہوتی اور ان میں مشغول رہنے  
 سے مجھ سے دور ہوتا چلا جا رہا ہوں مجھے کسی ایسی چیز کے ساتھ غنی کر دے کہ جس کے ذریعے تجھے  
 لوں، اللہ نے فضل کیا اور وہ تمام کتب کبیر سامنے سے بٹا ڈالیں، دل کو چین نصیب ہوا اور  
 ذانِ کریم کے حقائق کو جاننے کے لئے سورہ فاتحہ سے آغاز کیا تا آنکہ سورہ انعام تک پہنچا اور  
 یہ آیت پڑھی :-

اللہ کہو پھرا نہیں چھوڑ دو اُن کی بیہودگی  
 میں انہیں کھیلتا۔

قُلِ اللّٰهُ شَرُّهُمۡ فِی  
 خَوَابِهِمْ یَلْعَبُوْنَہٗ

لہ در غزنیوں کی ایک قوم ہے جس نے سلطان سنجر کے زمانے میں خراسان کو تاراج کیا تھا : مترجم



اور اس آیت کہ میرے بعد میں آگے تلادت نہ کر سکا۔

جب شیخ نے اپنی ساری کتابیں زیر زمین دفن کر کے اُن پر پانی چھڑک رہے تھے تو کسی نے اُن کے والد شیخ ابو الخیرؒ کو خبر کر دی کہ ابو سعید ساری کتابیں زمین میں دفن کر رہے ہیں تو وہ آئے اور بیٹے سے کہا۔ ابو سعید! یہ کیا کر رہے ہو؟ شیخ نے جواب دیا۔ آپ کو یاد ہے کہ جس روز میں نے آپ کی دکان میں آپ سے پوچھا تھا کہ ان خرٹیوں اور چمڑے کے تھیلوں میں کیا چھپا رکھا ہے تو آپ نے کہا تھا۔ اے بلخی تو یہ معلوم نہ کر، میں اب آپ سے اس قدر عرض کر دں گا کہ آپ کی وہ بات دراصل یوں تھی کہ اسے مہنگی مہینہ کے رہنے والے، تو باقی نہ رہ۔

جب کتابوں کو زیر زمین دفن کر رہے تھے تو ساتھ کہتے جاتے تھے، "نعوذ باللہ انت والاشغال بالذلیل بعد الوصول محال" (بہترین رہنا تو ہے اور منزل پر پہنچنے کے بعد کسی اور رہنا میں مشغول رہنا محال) اسی دوران آپ نے مزید فرمایا۔ "بدا من هذا الامر كسر المحابر وحرق الدفاتر ونسيان العلوم" (اس امر کے سبب دواتوں کا ٹوٹنا، کتابوں کا پھٹنا اور علوم کا بھول جانا ظاہر ہوا۔)

کتابوں کو دفن کرنے کے موقع پر کچھ بزرگوں نے شیخ سے کہا کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ آپ یہ کتابیں کسی کو دے دیتے تو وہ ان سے فائدہ اٹھاتا؟ اس کے جواب میں شیخ نے کہا۔ ہم کسی کو یہ کتابیں دے کر اس سے ملاقات کے دوران اپنے احسان و بخشش پر نظر رکھنے سے دل کو خالی رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ ایک روز خواجہ امام محمدؒ ان کے حالات پڑھ رہا تھا کہ مجھے بتایا گیا کیا اس کتاب کے ہو کر رہنا چاہتے ہو، اور یہ چاہتے ہو کہ تجھے ہی کتاب دے کر لوٹا دوں، بعد ازاں میں نے توبہ کی اور استغفار کرتا رہا، یہاں تک کہ مجھے معاف کر دیا گیا۔

شیخ ابو سعید کے ایک مريد نے بیان کیا کہ ایک رات شیخ ساری رات اپنے عبادت خانہ میں روتے رہے۔ میں اس رات سو نہ سکا اور پریشان رہا۔ اگلے روز جب شیخ کمرے سے باہر آئے تو میں نے عرض کیا۔ رات کیا بات تھی کہ آپ ساری رات روتے رہے؟ شیخ نے کہا پچھلے روز میں



فلا یجئ الیئذہ منہ شیءٌ احسن نے کسی اُتاذ سے ادب و سلیقہ نہ دیکھا وہ نکما اور بے کار ہے  
 چاہے کوئی شخص اعلیٰ مرتبہ و مقام کو پہنچ جائے یہاں تک کہ غیب سے اُس پر انکشافات ہونے لگیں  
 مگر اُس کا اُتاذ پیشوا نہ ہو تو اُس سے ہرگز کچھ بھی صادر نہیں ہوتا، مدارِ طریقت پر رہے کیونکہ الشیخ  
 فی قومہ کالبنتی فی امتہ شیخ اپنی قوم میں اس طرح ہوتا ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں ایہ  
 بات واضح اور ثابت ہے کہ رہنما کے بغیر اپنے طور پر کوئی کسی مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس ضمن میں  
 مشائخ کرام کے بے شمار اقوال ہیں اور ان کے بے شمار فوائد خصوصاً شیخ ابوسعید قدس سرہ کے اقوال و  
 نکات کہ جن کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا انشاء اللہ اگر کسی کو اس راہ پر چلنے اور وادیاہائے حقائق میں  
 پہنچنے کی تڑپ ہو اور اُسے سوزِ عشق بیٹھنے نہ دے تو وہ درگاہِ مشائخ کی چوکھٹ پر پہنچ کر معتکف ہو  
 تاکہ وہ فوائد پائے کیونکہ یہ علم، راہِ عشق پر چلنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ کیس الدین بالتمنی  
 ولا بالتجلی ولكن بشرءٍ و لیرنی الغلب و صدقہ العمل، (دین کا تعلق  
 آرزو کرنے سے ہے نہ تجلی سے بلکہ اُس چیز سے تعلق ہے جو دل میں قرار و عزت پکڑے اور  
 عمل اُس کی تصدیق کرے۔)

۵۔ اے بے خیر از سوزنتہ و سوزختنی - عشق آمدنی بود نہ آموختنی

اے چلنے اور چلنے والے سے بے خبر! عشق آمد ہے آورد نہیں،

**تلاشِ شیخ :-** کسی کو ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ وہ اپنے تئیں یہ بیاناہ یا عذر پیش کرے کہ آج  
 کے زمانہ میں اس طرح کا پیر طریقت جیسا کہ مطلوب ہے، میسر نہیں اور پہلے  
 جیسے مشائخ و مقتدا بھی باقی نہ رہے، کیونکہ یہ فقط نفس کے اٹھائے ہوئے خدشے اور سستی  
 و کاہلی کے بیانے ہیں، جسے ان باتوں اور اس راہ سے عشق ہو وہ تلاشِ مسلسل جاری رکھتا ہے  
 اور بالآخر مُراد کو پہنچ جاتا ہے جیسا کہ شیخ ابوالحسن غرقانی کہتے ہیں کہ ابتداء میں دو کام کر لینے چاہئیں  
 ایک سفر اور ایک اُتاذ اسی خیال میں ہی گھومتا رہا اور مجھ پر سخت آزمائش تھی کہ اللہ تعالیٰ کا کرنا  
 یوں ہوا کہ جس مکے میں بھی الجھنا۔ ایک شافعی المسلک عالم آتا اور میری مشکل کو حل کر دیتا۔ تیرا سی



برس زندگی کے حق کے ساتھ گزارے، اور اس دوران ایک سجدہ، خلاف شرع نہیں کیا، ایک سانس بھی نفس کی موافقت میں نہیں لیا، سفر میں اس قدر تیزی عطا ہوئی کہ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک میرے لئے ایک قدم کر دیا گیا، جب عشق سچا ہو اور ارادہ خالص تو زندگی ایسے ہی ثمرات پالیتی ہے۔ صوفیہ کے طبقوں میں بنیادی اصول یہ ہے کہ یہ سب ایک ہوتے ہیں، اور دنیا کے تمام صوفیہ کے مابین کوئی اختلاف یا تضاد نہیں، ان میں دوئی نہیں ہوتی، بشرطیکہ وہ واقعتاً صوفی ہوں بے حقیقت صوفی منا لوگ اس زمرے میں شامل نہیں، تعبیر کے لحاظ سے اگرچہ صوفیہ کے الفاظ بظاہر مختلف ہوں گے مگر ان کا معنی اور حقیقت ایک ہوگی، پس کوئی شخص اگر کسی پیر طریقت سے فرقہ حاصل کرے تو اسے اصل جانے اور دوسروں سے ملنے والے فرقہ کو تبرک سمجھے، اور حقیقت پر نظر کرے تو سب ہاتھ اور سب فرقے ایک ہیں، جو ایک کو قبول ہے وہ سب کو قبول ہوگا اور جو ایک کے نزدیک مسترد ہے وہ سب کے ہاں مسترد۔

جس نے دو فرقے پہنے گویا اس کی اہلیت پر دو گواہ عدل قائم ہو گئے۔

صوفیہ میں ان کے مسکوں اور مکاتب فکر کے اعتبار سے

## مسکلی اختلافات بے بنیاد ہیں

کوئی باہمی حقیقی اختلاف موجود نہیں۔ وہ اس کائنات میں اللہ کی ذات واحد ہی کو ایک جانتے ہیں اور اس کے علاوہ ہر چیز کو لاشیٰ قرار دیتے ہیں۔ یہی وہ آفاقی نظریہ ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی اختلاف و افتراق نہیں پیدا ہو سکتا، کوئی کسی مسک یا مکتب سے تعلق رکھتا ہو اس کی منزل ایک ہے، کیونکہ سب کا معبود جل جلالہ ایک ہے، جس کی ذات بر حال اور ہر آن دوئی سے پاک ہے، اگر راستے یا راہی میں اختلاف ہوگا بھی تو منزل پر سب ختم ہو جائے گا اور ایک حقیقی اتفاق ظہور پذیر ہوگا، کیونکہ اس راہ کے چلنے والوں میں جب تک ان کی نفسانی آلائشیں اور خواہشات ختم نہ ہوں وہ آگے نہیں بڑھتے، ظاہر ہے کہ بشری آلائشوں کے دور ہونے کے بعد جب منزل پر پہنچیں گے تو ان میں اختلاف کی گنجائش ہی نہ ہوگی، گویا تصوف ایک ایسی تربیت ہے جس سے مسلمان کے کردار میں موجود بشری غلطیوں پر کافی حد تک قابو پالیا جاتا ہے، خود اختلاف بھی اک بستہ ہی



لفزش ہے اگر صوفی تربیت یافتہ ہوگا تو وہ کسی سے ٹھکڑا یا نزاع باقی ہی نہیں رکھے گا۔

بشری صفات سے چھٹکارا ملنے اور راہِ حق پر چلتے چلتے مقصود تک پہنچنے کے بعد سالک کے لئے بر چیز، ہیج ہو جاتی ہے، ہر شے وحدت محرود ہو جاتی ہے، یہی وہ مقام ہے کہ مشائخ میں سے ایک نے انا الحق کہا تو دوسرے نے سبحانی ما اعظم شانی اور میرے شیخ ابو سعید کہتے ہیں: لیس فی جیبتی موسی اللہ! اب یہ واضح ہو گیا کہ سالک جب تک مقصد کو نہ پاسے وہ شیخ طریقت ہونے کا اہل نہیں کیونکہ وہ خود پیر کا محتاج ہے جو اُس کی رہنمائی کرے، البتہ جس نے مقصود کو حاصل کر لیا وہ مرشد کہلانے کے قابل ہے۔

الغرض مشائخ کی یہ بات درست ثابت ہو گئی کہ سب

**عَضْدِ جَانِّ اِذَا كَرِهَ زَنِي رِشْتَةِ كَيْسِيَّتٍ** کچھ ایک اور ایک ہی سب کچھ ہے، اور اُن کے

اُس نظریہ کے مطابق سب ایک ہیں، سب ہاتھ ایک ہیں اور سب فرقے ایک ہیں جو کہتا ہے کہ دو پیروں سے فرقہ نہیں پہننا چاہیے وہ دراصل اپنے بارے میں خبر دیتا ہے کہ ہنوز دنیٰ میں ہے، مشائخ کو دوسمبھنتا ہے، اور مشائخ کے حالات سے بے خبر ہے۔ ایسے شخص کو اُس وقت علم ہو گا جب اُس کی آنکھیں کھل جائیں گی اور اس کی نظر عالم پر پڑے گی۔ ہاں وہ شخص جو اس نیت سے دوسرا فرقہ پہننے کہ پہلے کو باطل قرار دے تو یہ بلاشبہ غلط ہے، ایسے لوگ دوسرے فرقہ کے مستحق رہتے ہیں اور نہ اول کے، بلکہ دونوں سے مُردم و مجبور ہو کر بے نیل مرام ہوتے ہیں

العباد باللہ من ذلك۔

شیخ ابو العباس قصاب نے محمد بن عبداللہ الطبری کے ہاتھ فرقہ خلافت حاصل کیا انہوں نے ابو محمد

جریری، انہوں نے سید الطائفہ جنید سے، انہوں نے سری سقطی سے انہوں نے معروف کہنی

سے انہوں نے داؤد طائی سے انہوں نے حبیب عجمی سے انہوں نے حسن بصری سے انہوں نے

حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت رسول اللہ صلوات اللہ

وسلامہ علیہ کے دستِ اقدس سے فرقہ پہنا۔



ہمارے شیخ ابوسعید کو ایک صبح نماز کے بعد دیکھا گیا کہ ان کا لباس شیخ ابوالعباس قصاب نے اور ان کا لباس شیخ ابوسعید نے پہنا ہوا ہے، سب لوگ بہت متعجب ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ شیخ ابوالعباس نے لوگوں کی حیرانگی کو بھانپ لیا اور ان سے کہا کل سب کچھ میہنہ کے اس نوجوان کے حصہ آ گیا، اُسے مبارک ہو۔ بعد ازاں شیخ ابوالعباس آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے، میہنہ چلے جاؤ، تاکہ یہ پرچم کچھ روز تیرے در پر ہرایا جائے، شیخ کہتے ہیں کہ میں اُن کے ہاں سے صد ہزار غلعتوں اور فتوح کے ساتھ واپس اپنے شہر آ گیا، مرید جمع ہو گئے، کام شروع ہو گئے، آپ جو یہی میہنہ پہنچے اُدھر شیخ ابوالعباس قصاب کا آمل کے قصبہ میں انتقال ہو گیا،

**خوشی و غم** آپ کہتے تھے کہ ایک روز پہلے جب میں قصبہ آمل میں حضرت شیخ ابوالعباس کی خدمت میں حاضر تھا تو شخص آئے اور کہنے لگے اے شیخ! ہمارے درمیان جھگڑا پڑا ہوا ہے کہ خوشی ابدی یا غم ابدی اس بارے میں کیا

فرماتے ہیں، آپ نے چہرے پر ہاتھ پھر کر کہا الحمد للہ کہ قصاب کے بیٹے کی منزل نہ غم نہ خوشی۔ لیس عند ربکم صباح ولامساء ۶ تبارے رب کے ہاں نہ صبح ہے، نہ شام، خوشی و غم تمہاری صفت ہے جو کہ حادث ہے اور حادث کو قدیم سے کیا راہ۔ پھر فرمایا، پسر قصاب خدا کا بندہ ہے امر وہی میں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع ہی اُس کا راستہ ہے اگر کوئی شخص جو افرادوں کے راستے کا دعویٰ کرتا ہے اُس کا گواہ یہی راستہ ہے، اور یہ جو کچھ میں نے کہا بڑھی عورتوں کا ہتھیار نہیں بلکہ جو افرادوں کا میدان جنگ ہے، جب یہ دونوں حضرات رخصت ہوئے تو میں نے پوچھا کہ یہ دونوں کون تھے؟ فرمایا ایک ابوالحسن خرقانی اور دوسرے ابو عبد اللہ داستانی۔

شیخ ابوسعید فرماتے ہیں کہ ایک روز ابوالعباس قصاب عرفان ذات والوہیت حق تعالیٰ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اثنائے کلام میں کہا۔ توحید

کے بارے میں اشارہ کرنا اور اُس کی تشریح بیان کرنا تیرا حصہ ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے وجود کے لئے اشارت و عبارت نہیں، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے ابوسعید! اگر تجھ سے پوچھیں کہ اللہ کو پہچانتے ہو تو یہ نہ کہنا کہ پہچانتا ہوں کیونکہ ایسا کہنا شرک ہے، اور یہ بھی نہ کہنا کہ نہیں پہچانتا۔ اور یہ لفظ ہے، جہلہ یوں ہو



کہ عرفنا اللہ ذاتہ والہیتہ بفضلہ کہ ہمیں اللہ نے اپنے فضل سے اپنی ذات اور  
الوہیت کی پہچان عطا فرمائی۔

شیخ ابوسعید کہتے ہیں کہ ایک اور موقع پر شیخ ابوالعباس نے لوگوں کے ایک گروہ سے فرمایا ابوسعید  
نازنین عالم ہے، آپ کہتے ہیں کہ اس جملہ کا مفہوم انہیں چالیس برس کی عمر میں معلوم ہوا، کہ وہ خود  
اس مقام یعنی ولایت کو قبل از وقت نہیں پہنچ سکتے بلکہ اولیاء جو کہ انبیاء کے نائب ہیں، چالیس برس کی  
عمر سے قبل ولایت نہیں پاسکتے، اسی طرح جیسے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کو نبوت عمر کے  
چالیسویں سال میں عطا ہوئی، سوائے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے جنہیں  
چالیس برس تک پہنچنے سے قبل ہی نبوت عطا کی گئی، جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد  
باری تعالیٰ ہے۔

يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ  
الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال یوں بیان فرمایا:

.. قَالُوا كَيْفَ نَكَلِّمُ وَمَنْ كَانَ

فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝

شیخ ابوسعید نے چالیس برس مکمل ریاضت و مجاہدت میں گزارے آپ کو اس سے قبل بھی کشف  
ہوتے تھے مگر اتمام و اکمال کے لئے یہ مدت ریاضت و تربیت آپ نے پوری کی۔

ایک مجلس میں کسی نے اس آیت کی تشریح پوچھی۔

”هَلْ آتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حُسَيْنٍ مِّنَ

الدَّهْرِ لَا يَكُنْ شَيْئًا مِّذْكُورًا“ ۳



شیخ نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ قالبِ آدم کو چالیس برس مکہ و طائف کے درمیان رکھا گیا۔

”انا خلقنا الانسان من نطفة مشاج

نبیہ“ لہ

ارشادِ خداوندی کی تشریح کرتے ہوئے شیخ نے کہا۔ پھر اُس قالبِ آدم میں اخلاط رکھے، پھر اُس کے سینے میں شرک، خود بینی و غرور، انصاف، انکار، خصومت، وحشت، گفتگو اور انانیت جیسی جبلتیں ودیعت کی گئیں۔

”حسین من الدھر سے مراد چالیس برس تک اُسے اس حالت میں رکھنا مراد ہے یعنی بندہ چالیسویں برس کی تکمیل پر اصل بلوغت کو پالیتا ہے، اور ارشادِ خداوندی ہے کہ پھر اپنے دوستوں کے سینہ سے ہر آلائش کو دور کر دیتا ہوں تاکہ انہیں پاک کر دوں۔

یہ سارے معاملات چالیس برس تک تمام ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ ہر بیان درست نہیں، جس نے چالیس برس سے کم مجاہدہ کیا اُس کے معاملات بھی کمال کو نہیں پہنچتے جس قدر کوئی ریاضت کرے گا اسی قدر حجاب اٹھتے جائیں گے اور حقیقت اس پر آشکارا ہوتی رہتی ہے مگر درمیان میں پھر حجاب میں چلی جاتی ہے، اور اس طرح تکمیل مراحل نہیں ہو پاتی، میں یہ باتیں نہ شنیدہ کہہ رہا ہوں اور نہ دیدہ بلکہ آزمودہ بیان کر رہا ہوں۔

شیخ ابوسعید نے جب استاد ابو علی دقاقؒ کو دیکھا تو اُن سے پوچھا کہ یا استاد! یہ بات کیا ہمیشہ

رہتی ہے؟ (یعنی انکشافِ حقائق) استاد نے کہا۔ نہیں، شیخ نے سر جھکالیا، تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر پھر پوچھا۔ استاد کیا یہ بات ہمیشہ رہتی ہے؟ استاد نے کہا۔ نہیں۔ شیخ نے پھر سر جھکالیا اور کچھ دیر بعد پھر سے ال کیا۔ استاد! کیا یہ کیفیت برقرار رہتی ہے؟ استاد نے جواب دیا۔ اگر ہوتی ہے تو نادر ہوتی ہے، شیخ نے ہاتھ اوپر اٹھایا اور کہا۔ یہ اہنی نادر باتوں میں سے ایک ہے یہ اہنی نادر باتوں میں سے ایک ہے



## امتحانِ شیخ

نیشاپور میں دو اشخاص نے آپس میں یہ بات کی کہ ہمیں کسی روز شیخ کا امتحان لینا چاہیے کہ کرامت دکھا سکتے ہیں یا نہیں؛ لہذا ہمیں اس مقصد کے لئے جا کر ان سے کوئی چیز حاصل کر کے اُسے ہر سیہ پر فزح کہنی چاہیے الغرض انہوں نے تیاری کی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: ہمارے محلہ میں ایک یتیم بڑی ہے، جس کی شادی کا بندوبست ہم کر رہے ہیں اور جو کچھ سامان اُسے دینا تھا وہ سب ہم نے جمع کر لیا ہے، آج ہم اس کی رخصتی کر رہے ہیں ہم چاہتے کہ اُسے آپ کی روشنی کے ساتھ رخصت کریں اور آپ کا عطا کردہ تبرک اُس کی زندگی میں اُس کے کام آئے، شیخ نے یہ سن کر خادم حسن مودب سے فرمایا: حسن! دو بڑی شمعیں لا کر ان کو دو جو ہر سیہ مہنگا بیچتے ہیں، جب ان دونوں نے یہ بات سنی تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، چہرے شیخ کے قدموں سے ملنے لگے، معافی مانگی اور شیخ کے خدمت گاروں میں شامل ہو گئے۔

## طیبِ جسم کو طیبِ دل سے دوا مل گئی

شیخ ابو سعید جب ناتوان ہو گئے، تو طیب کو لایا گیا تاکہ شیخ کا علاج کرے طیب آتش پرست تھا اُس نے چاہا کہ ہاتھ شیخ کی نبض پر رکھے تو شیخ نے حسن مودب سے کہا: اے حسن!



ناخن تراش لاؤ۔ اس کے ناخن اتارو۔ اس کے لبوں کے بڑے ہوئے بال تراش دو، اور پانی لاؤ کہ یہ ہاتھ دھو لے، وہ طبیب حیران تھا اور جرأت نہ کر سکا کہ فرمودہ شیخ کی مخالفت کرتا، میں نے حکم شیخ کو پورا کیا، پھر طبیب نے ہاتھ، شیخ کی نبض پر رکھا تو شیخ نے ہاتھ ایک طرف موڑ کر اس کے ہاتھ کو پکڑ کر ایک لفظ اس پر نگاہ ڈال کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا، طبیب واپس جانے کو درِ خانقاہ سے نکلنے لگا تو مڑ کر دیکھنے لگا، شیخ نے اسے آواز دے کر کہا کب تک یوں مڑ مڑ کر دیکھو گے، تجھے واپس جانے کی مہلت نہیں ملے گی! یہ سنتے ہی وہ آتش پرست طبیب واپس آ کر شیخ کے ہاتھ پر سلام لایا، اور اس کے تمام اہل خاندان بھی مسلمان ہو گئے۔

پیر ابوصالح دندانی۔ شیخ ابوسعید کے مرید خاص تھے، شیخ کے لئے خلال  
**اتباع سنت** تیار کرنے اور ان کے لبوں کے بال تراشنے کی خدمت یہی بجالاتے تھے  
 ایک درویش نے پیر ابوصالح سے کہا کہ مجھے بھی لبوں کے بال تراشنے کا طریقہ سکھا دو، وہ مسکرایا اور  
 کہا۔ اے درویش! ستر دانش مندوں جتنا علم چاہیے تب جا کر ایک شخص درویش کے موئے لب  
 تراشنے کے قابل ہوتا ہے، یہ کام اتنا آسان نہیں، یہی پیر ابوصالح بیان کرتے ہیں کہ آخری عمر میں  
 شیخ ابوسعید کا ایک دانت بھی باقی نہیں رہا تھا، مگر ہر رات جب کھانے سے فارغ ہوتے تو مجھ  
 سے خلال طلب فرماتے اور منہ میں دانتوں کی جگہ چھو پھیرتے، جیسا کہ آدمی کی عادت ہے کہ ہر کسی پر  
 اعتراض کرتا ہے میرے دل میں بھی یہ اعتراض پیدا ہوا کہ شیخ کے دانت تو ایک بھی نہیں مگر  
 مجھ سے خلال طلب کرتے ہیں، اسی وقت شیخ نے سر اٹھایا اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ میں  
 سنت پر عمل کرنے اور رحمتِ خداوندی کے طلب کرنے کی خاطر خلال کرتا ہوں کیونکہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "رَحِمَ اللَّهُ الْمُخَلِّلِينَ مِنْ أُمَّتِي فِي الْوُضُوءِ وَالطَّعَامِ"  
 ترجمہ: اللہ تعالیٰ میری امت کے ان افراد پر رحم فرمائے جو وضو اور طعام میں خلال کرتے  
 ہیں۔ جب میں نے شیخ کا یہ فرمودہ اور حدیث نبوی سنی تو مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔



خواجه علیک جو کہ شیخ ابوسعید کے مرید خاص تھے انہیں اور حسن مودب کو اطاعتِ شیخ شیخ نے ایک کام کے سلسلے میں مہینہ روانہ فرمایا۔ خواجه علیک کہتے ہیں جب ہم نوتان کے مقام پر پہنچے تو حسن نے کہا "خواجه مظفر" سے مل لیں جو نوتان کے مردِ بزرگ تھے خواجه علیک نے کہا شیخ نے ہمیں مہینہ کے لئے روانہ کیا ہے ہمیں کہیں اور نہیں جانا چاہیے حسن مودب نے بہت کہا مگر بے سود، بالآخر دونوں مہینہ کے راستے پر چل پڑے اور مہینہ میں جو کام شیخ نے کہا تھا وہ کر کے جب واپس ہوئے اور نوتان پہنچے تو حسن نے کہا۔ میں خواجه مظفر سے ملنے جا رہا ہوں آپ کو میرے ساتھ جانا چاہیے مگر نہ میں تنہا چلوں گا، الغرض میں بھی ان کے ہمراہ خواجه مظفر سے ملنے روانہ ہو پڑا، ان کے ہاں بیٹھے تو خواجه مظفر نے گفتگو شروع کی، اور حسن مودب بیٹھے سن رہے تھے اور ان کا دل وہاں ٹھہرنے کو چاہ رہا تھا۔ خواجه مظفر نے گفتگو ختم کر کے اور موضوع شروع کیا تو حسن کے دل میں ٹھہرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جب خواجه مظفر نے دوسرے موضوع پر بات ختم کی تو میں نے ان سے کہا۔ جہاں آپ نے گفتگو ختم کی ہے وہاں سے ہمارے شیخ (ابوسعید) آغاز کرتے ہیں، اس پر خواجه مظفر جیسے ٹوٹ سے گئے، اور حسن یہ کیفیت دیکھ کر حقیقتِ حالی سمجھ گئے خواجه علیک کہتے ہیں کہ جب ہم ان کے ہاں سے اٹھ کر باہر آگئے تو حسن مودب نے مجھ سے کہا۔ میرے دل میں جو خیال پیدا ہو گیا تھا وہ تمہاری بات سے یکدم ختم ہو گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ میں غلط تھا، جب ہم نیشاپور پہنچے تو خانقاہ میں داخل ہوتے ہی جب شیخ کی نظر ہم پر پڑی تو انہوں نے حسن سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اگر علیک تمہارے تھیلہ کو الٹا تانے تو اس شخص نے تو تمہارا تھیلہ بھر دیا تھا۔ یہ سن کر حسن زمین پر گر پڑا اور معافی چاہنے لگا۔

نیشاپور میں شیخ ابوسعید کے قیام کے دوران سلطان طغرل  
**حق دوستی ادا کر دیا** :- کے وزیر خواجه ابو منصور ورتقانی بیمار پڑ گئے تو انہوں نے  
 استاد ابوالقاسم قشیری اور شیخ ابوسعید کو یاد کیا، جب دونوں شیوخ ان کے پاس پہنچے تو انہوں  
 نے کہا۔ میں نے آپ دونوں کی بڑی خدمتیں کی ہیں اور ہمیشہ آپ کو دوست جانا ہے۔ اب جب



کہ میں بستر مرگ پر ہوں تو میری آپ سے ایک ہی درخواست ہے کہ میرے جنازے کا ساتھ دینا اور اس وقت تک میری قبر سے واپس نہ ہونا جب تک میں آپ کی برکت سے سوال و جواب سے فارغ نہ ہو جاؤں، دونوں شیوخ نے اُن کی یہ درخواست قبول کر لی جب وزیر مذکورہ قضائے الہی سے رحلت کر گئے تو استاد قیسری اور شیخ ابوسعید جنازے کے ساتھ روانہ ہوئے، قبرستان پہنچے تو استاد امام قیسری نے شیخ سے کہا۔ ابھی تک قبر مٹی سے نہیں بھری گئی اور سورج بھی ابھی غروب نہیں ہوا۔ آپ ٹھہریں تاکہ میں لوگوں کو رخصت کر دوں، شیخ ابوسعید نے قبر کے سرمانے جلنے نماز بچائی اور بیٹھ گئے، قبر میں مٹی ڈالنے کا کام تمام ہوا، تو شیخ اٹھے اور فرمایا کام مکمل ہو گیا، اور چل پڑے جب استاد قیسری کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا۔ وصیت کے بارے میں آپ نے کیا کیا؟ شیخ نے فرمایا۔ کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں پڑی، اس دوران باقی لوگوں نے بھی پوچھنا شروع کیا کہ وہ وصیت کا کیا معاملہ تھا؟ استاد قیسری نے بھی کہا۔ اے شیخ! وصیت کا کیا بنا؟ شیخ نے فرمایا۔ فرشتے آئے، سوال کرنے لگے تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ اس کے سرمانے کون بیٹھا ہے؟ اور اتنا کہہ کر وہ رخصت ہو گئے، اور میں بھی وہاں سے چل پڑا۔

ابراہیم نیال، سلطان طحزل کا چھوٹا بھائی تھا، یہ شخص

ابراہیم نیال کو تو وال نیشاپور بہت ظالم اور نیشاپور کا کو تو وال تھا، اہل نیشاپور شیخ

ابوسعید سے ہر مجلس میں اس کے لئے بد دعا کی درخواست کرتے تھے، شیخ بد دعا نہ کرتے اور ہمیشہ

یہی کہتے کہ نیک ہو جائے گا، تا آنکہ ایک جمعہ کو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت رویا،

مجلس ختم ہوئی تو وہ آپ کی منہ کے رو برو آ کر کھڑا ہو گیا، شیخ نے پوچھا۔ کیا بات ہے؟ ہنسنے لگا

مجھے قبول فرمائیں، شیخ نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ اُس نے تیسری بار کہا تو شیخ نے اُس

کی جانب گہری نظر سے دیکھ کر فرمایا۔ قبول کر لوں گا مگر آسائش و نعمت جاتی رہے گی۔ اُس نے کہا

قبول ہے۔ یہ بھی قبول ہے، بعد ازاں شیخ نے قلم دوات منگوا کر ایک کاغذ پر لکھا۔ ابراہیم مجھ سے

ہے۔ فضل اللہ (ابوسعید) ابراہیم نیال نے وہ کاغذ لے کر اسے بوسہ دیا اور اپنی جیب میں رکھا



اور خانقاہ سے باہر چلا گیا، اسی رات ابراہیم عراق روانہ ہوا اور ہمدان بیٹھ کر اعلانِ بغاوت کر دیا سلطان طغرل نے اس سے جنگ لڑی اور اسے گرفتار کر لیا، اُس نے سلطان کو پیغام بھیجا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھے قتل کریں گے، میری آپ سے صرف اتنی حاجت ہے کہ جب مجھے خاک میں رکھا جائے تو میرے بیب میں شیخ ابو سعید کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر ہے جسے میرے ہاتھ میں دے دیا جائے، کیونکہ یہ جو کچھ ہوا انہوں نے مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا اور اب پس مرگ ان کا یہ رقعہ ہی میری دستگیری کو سے گا۔

شیخ ابو سعید کسی جگہ سے صوفیوں کے ایک گروہ کے ساتھ نیشاپور

**اخلاقِ خانقاہی :-** میں کوچہ عدی کو بیان آرہے تھے، جب وہاں پہنچے تو ایک قصاب

نے انہیں دیکھا۔ جو دل ہی دل میں انہیں برہنہ گا لیاں دے رہا تھا۔ شیخ اپنی فراست باطنی سے قصاب کی دشنام طرازی سے مطلع ہو گئے اور حسن مؤدب سے کہا جاؤ اُس قصاب کو میرے پاس بلا لاؤ، حسن مؤدب نے جا کر اُس سے کہا۔ شیخ تمہیں بلاتے ہیں قصاب پر رزہ طاری ہو گیا اور حسن کے ہمراہ جانب شیخ چل پڑا۔ ادھر شیخ نے ایک صوفی کو بھیجا کہ راستے سے ہی قصاب کو حمام میں لے جائے حسن مؤدب اُسے صوفی کے حوالہ کر کے خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا، شیخ نے اُسے فرمایا۔ بازار سے باریک سوتی کپڑا، جوتے اور بٹری دستار خرید کر حمام میں جاؤ اور اپنے ساتھ دو صوفی بھی لے جاؤ تاکہ وہ اُس قصاب کی مالش کریں۔ حسن نے حسبِ حکم دو صوفیوں کو حمام روانہ کیا اور خود بازار سے سب چیزیں خرید لایا، شیخ نے حکم دیا کہ خانقاہ میں موجود صوفی فوری طور پر لباس تیار کریں، لباس تیار ہو گیا تو حسن سے فرمایا۔ جاؤ یہ لباس اور سو درہم اس قصاب کو حمام میں دے آؤ اور اس سے کہو کہ وہی سخن جو تم نے ہماری بابت کہا تھا، کہتے رہو اور جب بھی یہ رقم ختم ہو جائے تو آکر اور لے جاؤ، حسن نے ایسا ہی کہا تو قصاب رو پڑا اور بارگاہِ شیخ میں حاضر ہو کر شیخ کا مرید ہو گیا۔

ابو بکر شوکانی کہتے ہیں کہ میرے والد دانشمند محمد نے

**سات، سات اور سات :-** بیان کیا کہ نیشاپور میں زمانہ طالب علمی کے دوران ہرز



درس سے فارغ ہو کر نمازِ عصر تک شیخ کی خدمت میں حاضر رہتا اور پھر مدرسہ لوٹ جاتا، حسبِ معمول ایک روز میں حاضر ہوا تو شیخ نے کنارہ سجادہ اٹھا کر ایک مشت کشمش نکالی اور کہا صوفیوں کے لئے نذرانہ آیا تھا۔ میں نے تہا را حصہ چھوڑا تھا۔ ہر ایک کے لئے سات سات اور سات مدرسہ میں میرا ایک ساتھی تھا۔ یعنی ہم دوستے، مگر شیخ نے تین بار سات کا عدد دہرایا تھا۔

خدمتِ شیخ سے رخصت ہو کر مدرسہ جاتے ہوئے راستہ میں کشمش شمار کئے تو اکیس تھے۔ مدرسہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ عراق سے میرے ساتھی کا بھائی آیا ہے اور میرے ہی کمرہ میں بیٹھا ہے اس وقت مجھ پر شیخ کے تین بار سات کا عدد دہرانے کا اشارہ کھلا الغرض میں نے ہمان کا حال احوال پوچھا اور کشمش تین حصے کر کے بانٹ لی،

خواجہ امام ابوعلی فارمدی بیان کرتے ہیں کہ ابتداً جوانی میں نیشاپور کے مدرسہ سراجان میں پڑھتا تھا۔ ان دنوں ایک عرصہ سے یہ خبر گرم نکلی کہ میہنہ سے شیخ ابوسعید آئے ہیں مجلس منعقد کرتے ہیں ان سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے، ہر مذہب و مسلک کے امام اور اہل نیشاپور ان کے معتقد ہو چکے ہیں، میں بھی ان کو دیکھنے گیا، جب نظر ان کے جمال پر پڑی تو میں ان پر فریفتہ ہو گیا اور اس طائفہ صوفیہ کے لئے میرے دل میں بے حد محبت و عقیدت پیدا ہو گئی، ہر روز اس ٹوہ میں رہتا کہ کب شیخ مجلس میں تشریف فرما ہوں جو میں ان کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کر دوں، میں پوشیدہ طور پر ان سے غلک ہو گیا، اور یہ خیال کرتا تھا کہ شیخ کو معلوم نہیں، ایک روزہ رسہ میں اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ میرے دل میں شیخ سے ملنے کی توڑ پانے ایسی کوڑ لی کہ مجھ سے صبر کرنا مشکل ہو گیا۔ اٹھ کر باہر آ گیا۔ چوراہے میں پہنچا تو شیخ کو ایک بڑی جماعت کے ساتھ گزرتے دیکھا میں بھی دیوانہ دانا ان کے پیچھے پیچھے ہولیا، شیخ کسی کے ہاں دعوت پر جا رہے تھے، جب صاحبِ دعوت کے مکان میں داخل ہوئے تو میں بھی سب کے ساتھ اندر چلا گیا اور ایک کونے میں اس طرح بیٹھ گیا کہ شیخ کو نظر نہ آتا تھا، جب سماع شروع ہوا اور شیخ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی تو انہوں نے پیرا، ہن چاک کر دیا۔ سماع سے فارغ ہوئے تو اپنی آستین قمیص سے جدا کر کے آواز دی کہ اے ابوعلی طوسی



کہاں ہو؟ میں نے یہ خیال کر کے جواب نہ دیا کہ شیخ نے مجھے دیکھا ہے اور نہ مجھے جانتے ہیں جماعت میں سے کس کا نام ابو علی ہے جسے شیخ نے پکارا ہے، شیخ نے دوبارہ پکارا میں نے پھر کوئی جواب نہ دیا، لوگوں نے مجھ سے کہا شیخ تمہیں بلارہے ہیں، میں اٹھ کر شیخ کے سامنے حاضر ہوا، انہوں نے قمیص کی آستین مجھے دیتے ہوئے فرمایا۔ تو میرے لئے بمنزلہ آستین کے بے میں آستین لے کر اسے بوسہ دیا، اور مسلسل خدمت شیخ میں حاضری دیتا رہا اور ان کے فیض سے بہرہ ور ہوتا رہا، شیخ ابو سعید کے فیضا پور سے چلے جانے کے بعد استاد قیشری کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اپنے احوال بیان کئے، انہوں نے فرمایا بیٹے! جاؤ علم حاصل کرو۔ دو تین برس تحصیل علم میں گزارو تو ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ قلم دوات میں ڈالا تو سیاہی سے خشک برآمد ہوا، تین بار ایسا ہی کیا مگر قلم سیاہی سے خالی رہا۔ سیدھا استاد قیشری کے پاس گیا واقعہ بیان کیا، انہوں نے فرمایا۔ جب علم نے تم سے ہاتھ کھینچ لیا ہے تو تم بھی اس سے دستکش ہو جاؤ، اور معاملہ شروع کر دو، میں نے مدرسہ سے سامان سمیٹا اور خانقاہ چلا گیا، استاد قیشری کی خدمت میں رہنے لگا، ایک روز وہ غسل کرنے غسل خانہ میں داخل ہوئے تو میں نے جا کر دو ڈول غسل خانہ کی ٹینکی میں ڈال دیئے۔ غسل کر کے جب استاد باہر نکلے اور نماز ادا کر لی تو پوچھا کہ یہ کون تھا جس نے پانی ڈالا، میں نے بے ادبی کے پیش نظر جواب نہ دیا۔ جب تیسری بار پوچھا تو جواب دیا کہ پانی میں نے ڈالا تھا، انہوں نے فرمایا۔ ابو علی! جو مقام ابوالقاسم ستر سال میں حاصل نہ کر سکا تم نے پانی ایک ڈول ڈال کر پالیا، ایک عرصہ تک ان کے زیر تربیت مجاہدہ میں مشغول رہنے کے بعد ایک دن آیا کہ میں ایک خاص حالت میں محو ہو گیا۔ میں نے استاد سے عرض کیا تو انہوں نے کہا۔ میری حد اس سلسلے میں اس سے آگے نہیں کہ تمہاری مزید رہنمائی کر سکوں، میری خواہش تھی کہ کوئی ایسا مرشد مجھ کو مل جاتا جو مجھے اس راہ پر آگے لے جاتا میں نے ابوالقاسم گرگانی کا نام سن رکھا تھا۔ سیدھا طوس روانہ ہوا۔ ان کی فرودگاہ سے واقف نہ تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ محلہ رودبار کی مسجد میں اپنے مریدوں کی مجلس میں بیٹھتے ہیں، الغرض مسجد میں پہنچا، شیخ تشریف فرما تھے میں نے دو رکعت ادا کئے اور ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ انہوں نے



سراٹھا کہ پوچھا۔ سناؤ ابو علی کیا معاملہ ہے؟ میں نے اپنا سارا حال سنایا، انہوں نے فرمایا۔ مبارک ہو اب ابتداء کو پہنچے ہو، اگر تربیت پاؤ تو مقام پا لو گے، اُن کی بات سن کر میں نے سمجھ لیا کہ میرے مرشد یہی ہیں، اور ان کی خانقاہ میں فرد کوش ہو گیا، ایک عرصہ بعد شیخ نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دے دی۔ خواجہ امام ابو علی فارمدی کہتے ہیں کہ جن دنوں میں شیخ ابوالقاسم گرگانی کے زیر تربیت ریاضت مجاہدہ میں مشغول تھا اور ہنوز شیخ ابوالقاسم نے مجھے فرقہ عطا کرنے کی مجلس منعقد نہیں کی تھی تو میری ملاقات شیخ ابوسعید سے اُن کے طوس میں آمد پر ہوئی۔ اس وقت انہوں نے فرمایا تھا۔ اے ابو علی! جلد ہی تہارے طوطی کو گویا کر دیا جائے گا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے شیخ ابوالقاسم نے فرقہ عطا کیا اور مجھ پر شیخ ابوسعید کی بات کھل گئی۔

خواجہ امام ابونصر عیاض سرخسی نے کہا۔ میں نیشاپور  
**ع۔ طعمہ ہر مرغ کے انجیر نلیست :-** میں خواجہ امام ابو محمد جوینی سے ایک طویل عرصہ تک  
 حصول علم کرتا رہا، اس دوران میں نے سنا کہ شیخ ابوسعید میہنہ سے تشریف لائے ہیں، اور مجلس منعقد  
 کرتے ہیں میں بھی فقط دیکھنے کی خاطر ان کی مجلس میں گیا جب اُن پر نظر پڑی تو ان کی ہیبت و فراست  
 نے مجھے مجو حیرت کر دیا، اُن کی گفتگو کا مجھ پر اس قدر اثر ہوا کہ میں نے خود سے کہا۔ اگرچہ علمی لحاظ سے  
 میں بہت بڑے درجہ پر فائز ہوں تاہم راہِ خدا پر چلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور راہِ خدا ہی ہے  
 جو یہ مرد بزرگ کہتا ہے، مجھے بھی اس راہ پر چلنا چاہیے، جو نہی میرے دل میں یہ خیال گذرا اسی وقت  
 شیخ نے منبر پر سے فرمایا۔ ضرور آنا چاہیے میں گفتہ شیخ سے بہت خوش ہوا کہ دیکھو شیخ نے کہاں یہ جملہ  
 کہا، اور اس کے ساتھ ہی میرے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ شیخ نے اتفاقاً ایسا کہا، بہر حال شیخ نے گفتگو  
 جاری رکھی اور ایک بار میرے دل میں یہ بات آئی کہ مجھے اس راہ پر چلنا چاہیے تو معاً شیخ نے پھر  
 فرمایا۔ اس سلسلے میں تاخیر کیسی؟ جب شیخ کی یہ کرامت دوسری بار ظاہر ہوئی تو میرے دل کا شک  
 دور ہو گیا۔

اختتام مجلس پر میں اٹھ کر واپس مدرسہ آیاتا کہ سامان باندھوں اور شیخ کی خدمت میں حاضر



ہو جاؤں، کسی نے خواجہ ابو محمد جوینیؒ کو خبر کو دی وہ فوراً میرے پاس آئے اور دریافت کرنے لگے کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے سب حال انہیں بتا دیا، انہوں نے کہا میں تمہیں شیخ ابو سعیدؒ کے پاس جانے سے نہیں روکتا کیونکہ تم نے ان کے رعب، کرامات اور نیک کردار کو دیکھ لیا ہے، اب اگر یہ سمجھو کہ تم بھی ان کے مقام کو پہنچ جاؤ گے تو ایسا سمجھنا سخت غلطی ہوگی کیونکہ جن ریاضات اور مجاہدات سے وہ گزرے ہیں تم انہیں نہیں جانتے، مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے کتنی محنت کی ہے، تب جا کر یہ مقام پایا ہے، اگر سو آدمی وہی ریاضت کریں جو انہوں نے کی ہے تو بھی اللہ ان کو وہ کچھ عطا نہ کرے گا جو ابو سعیدؒ کو عطا فرمایا ہے، اس طرح تو تم اپنے علمی کام سے بھی دور چلے جاؤ گے اور اس حالت کو حاصل نہ کر سکو گے جس تک شیخ کی رسائی ہے، جب میں نے ابو محمد جوینیؒ کی اس بات پر غور کیا تو اسے صحیح پایا، الغرض میری عقیدت شیخ ابو سعیدؒ سے قائم رہی ان کی خدمت میں جاتا وہ التفات فرماتے مجھے فائدہ ہوتا اور اس کے ساتھ اپنے علمی مشاغل بھی جاری رکھے۔

استاد اسماعیل صابونیؒ کا بیان ہے کہ میں ایک رات

**غفلت مرید اور بیداری شیخ :-** سویا ہوا تھا، جب عبادت کے لئے اٹھنے کا وقت ہوا

تو میں نے سستی کی اور سوتا رہا، سر ہانے پانی کا برتن رکھا تھا، بلی نے اُسے گرا دیا، میری نیند کھل گئی مگر کاہلی دست سے پھر میری آنکھ لگ گئی اسی وقت ایک پتھر اوپر سے مکان کے درمیان پڑے ہوئے ایک تھال میں گرا، گھر کے لوگوں نے شور بلند کیا کہ چور ہے، میں بیدار ہوا اور عبادت میں مشغول ہو گیا، صبح ہوئی تو مجلس شیخ میں گیا، شیخ نے اٹانے گفتگو میں میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ جب بندہ ساری رات سوتا رہے اور دیر تک بیدار نہ ہو تو چور ہے بلی کو لڑا دیا جاتا ہے تاکہ پانی کا برتن گرا کر سونے والے کو بیدار کر دیں، اور چور سے مکان میں پتھر پھینکنے کو کہا جاتا ہے گھر کے لوگ چور چور پکارتے ہیں مگر چور کب ہوتا ہے، وہ تو میرا فرستادہ ہوتا ہے کہ تجھے خواب سے بیدار کر دے تاکہ کچھ دیر تو مجھ سے باتیں کریں۔

مہر روی بتا دو کش بیا مت بودم      گفتی دزد است دزد بند من بودم



ترجمہ: میرے چاند جیسے محبوب کل تیرے بام پر میں تھا تو نے کہا چور ہے چور نہ تھا وہ

میں تھا۔

خواجہ ابوالفتح کہتے ہیں کہ پیر موسیٰ کا بیان ہے کہ ایک روز

**مرید امام اویخ مقتدی :-** شیخ نے مجھ سے نیشاپور میں فرمایا۔ آگے بڑھو اور دو رکعت

نماز پڑھاؤ تاکہ میں تمہاری اقتدار کروں، اور نماز میں قرآن کریم میں بیان کی گئی ہر حمد پڑھ ڈالو، پیر  
موسے کہتے ہیں کہ میں حیران تھا کہ ایسا کونامیر سے بس میں نہیں تاہم حکم شیخ کی تعمیل میں تکبیر کہی اور  
قرآن کریم میں موجود ہر حمد میری زبان پر جاری ہو گئی جب دو رکعت پڑھا چکا تو شیخ نے فرمایا  
اے موسیٰ! میں اللہ کا شکر ادا کرنے سے عاجز تھا، تم نے میری اس سلسلے میں مدد کی اللہ تمہارا بھلا کرے،

ابو بکر مکرّم نے کہا کہ نیشاپور کا ایک حاکم مسلسل شیخ کا احتساب کرتا

**استہرام اولیاء :-** رہتا تھا، ایک دن شیخ کے پاس کہیں سے ہزار دینار اور عود بطور

تحفہ آیا، آپ نے خادم خاص حسن مؤدب سے کہا۔ دعوت کا اہتمام کرو، شور با اور شریعی تیار کرو اور

اور سارے عود کو آگ میں ڈال دو تاکہ ہماریوں کو بھی اُس میں سے خوشبو پہنچے، دعوت کا اہتمام ہو اور

عود جلنے لگا تو حاکم نیشاپور بھی شیخ سے اس بارے میں پوچھ گچھ کرنے کے لئے وہاں پہنچ گیا، اُس

نے شیخ سے کہا۔ اس قحط سالی و تنگ حالی کے زمانہ میں آپ کا اس قدر اصراف کیا جواز رکھتا ہے،

وہ آپ کے ساتھ اس قدر گستاخی و ترشی سے پیش آیا کہ ہمارے سب ساتھی بہت رنجیدہ ہو گئے۔

مگر شیخ نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔ جب وہ حد سے بڑھنے لگا تو شیخ نے اس کی جانب نگاہ کی اور

فرمایا۔ ادھر آؤ! حاکم یہ سنتے ہی دوہرا ہو کر حاضر ہوا، آپ نے کہا اور دوہرے ہو جاؤ اور اُس کی

کمرزید دہری ہو گئی اور وہیں کی وہیں رہ گئی، مشکل تمام وہ حاکم وہاں سے نکل کر خانقاہ کے پہلو

میں ایک مسجد میں بیٹھ گیا، شیخ نے ایک درویش کو اس کی دیکھ بھال پر مقرر کر دیا۔ ڈھائی سال وہ

اُسی طرح دہری مکر کے ساتھ مسجد میں رہا اور وہیں انتقال کر گیا۔

اس لئے علماء اور بزرگان کرام کا کہنا ہے کہ مشائخ کرام اور اہل حال کے سامنے مباحی و گستاخی



سے احتراز کرنا چاہیے، ان کے وقت اور ان کی عزت کا خیال رکھتے ہوئے ان کے حضور میں جانا چاہیے کیونکہ ان کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ اگر حالت قبض میں کسی پران کی تہر کی نگاہ پڑ جائے تو وہ ہلاکت سے دوچار ہو جائے،

خواجہ اسماعیل مکرم کا بیان ہے کہ ایک روز میں جا رہا تھا کہ سلسلے سے **شوقِ پابوسی** :- شیخ ابوسعید آتے دکھائی دیئے، میں نے قریب جا کر سلام عرض کیا انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا، میں ان کے پیچھے روانہ ہو گیا، اور میری نظر کاب میں ان کے پاؤں پر تھی اور دل میں یہ سوچتا جاتا تھا کہ کاش شیخ اجازت دیں تو ان کے پائے بوسی کا شرف حاصل کروں، کہ اسی وقت شیخ گھوڑے کی لگام کھینچ کر رک گئے۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو رکاب سے پاؤں نکال کر میرے سامنے کیا میں نے پاؤں پر بوسہ دیا، اور شیخ ایک طرف اور میں دوسری جانب چل پڑا۔

رشید الطائفہ عبد الجلیل کہتے ہیں کہ نیشاپور میں شیخ ابوسعید کے ایک درویش صفت **برکتِ شیخ** :- مرید کا انگور کا باغ تھا اُس نے شیخ کو مریدین سمیت وہاں آنے کی دعوت دی، مگر شیخ نے کہا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کئی بار آیا مگر شیخ نہ مانے بہت التجا کے بعد شیخ اپنے مریدین کے ساتھ روانہ ہو گئے، باغ چھوٹا تھا اور لوگ کافی، سارے انگور ختم ہو گئے، اس درویش نے دو خوشے انگور کے باغ کے ایک کونہ میں اس طرح چھپا کر رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ مریدین شیخ نے جب انگور کی بلیں خالی کر دیں تو وہاں سے چل پڑے، اُس مرد درویش جب اپنے باغ پر نظر ڈالی تو وہاں کچھ بھی باقی نہ پایا، کسی نے اُس سے کہا اللہ برکت دے گا، اُس نے کہا۔ اس سال کی برکت تو گئی، الغرض شیخ کے جانے کے بعد اُس مرید شیخ نے بہت غصے کا اظہار کیا اور باغ کا دروازہ بند کر کے باہر آ گیا، اور اب کے گرمیوں کے موسم میں باغ میں نہیں گیا، نہ ہی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، دوسرے سال جب باغ کی نگہداشت اور دیکھ بھال کا موسم آیا اور لوگ اپنے اپنے باغوں کے بندوبست میں لگ گئے تو اس نے دل میں سوچا کہ اسے بھی باغ کو تیار کرنا چاہیے، آخر باغ



کا کیا تصور ہے سارا تصور تو اس کا اپنا ہے، یہ سوچ کر وہ باغ میں گیا، وہاں کیا دیکھتا ہے کہ جو وہ خوشے انگور کے اُس نے چھپا رکھے تھے وہ جوں کے توں تازہ حالت میں پتوں سمیت پڑے تھے، خود سے کہنے لگا، یہ انگور بادشاہ کی خدمت میں لے جاؤں گا تاکہ وہ مجھے انعام و اکرام دے، اور انگور ایک طشت میں رکھ کر وہ بادشاہ سوری کے پاس گیا، بادشاہ نے خوش ہو کر اُس کے طشت کو دولت سے بھر دینے کا حکم دیا، اس انعام سے اُسے بڑی خوشی ہوئی اور اُسے شیخ کی آمد کی برکت سمجھا اپنے کئے پر نادم ہوا۔ اور دس دینار بادشاہ کی دی ہوئی دولت میں سے لے کر شیخ ابوسعید کی خدمت میں معذرت چاہنے حاضر ہوا، جب شیخ کی نگاہ اُس پر پڑی تو فرمایا، اگر بادشاہ سوری تیرے انگور نہ کھاتا تو ہلاک ہو جاتا، وہ مرید شیخ کے قدموں میں گر پڑا اور اپنے کئے کی معافی چاہی۔

نیشاپور میں اپنے قیام کے دوران خانقاہ پر بڑی پر تکلف دعوتوں کا عجیب چلہ کشتی :- اہتمام فرماتے تھے، وہاں کے ایک مخالف عالم نے ایک روز آپ کے پاس آ کر کہا۔ شیخ! میں آپ کے ساتھ چلہ کرنا چاہتا ہوں، اُس بے چارے کو شیخ کی ابتدائی ریاضتوں کی خبر نہ تھی بے خبری میں یہ سمجھ بیٹھا کہ شیخ ساری عمر اسی طرح پر تکلف دعوتوں کے عادی رہے ہیں میں اُن کو بھوک سے دوچار کر دوں گا، تو ان کی اہمیت لوگوں پر آشکارا ہو جائے گی، اور میں برسرِ عام اُن کو رسوا کر سکوں گا، الغرض شیخ نے اُس کی بات تسلیم کر کے چلہ کاٹنے کے لئے سجادہ بچھایا اور اس مخالف عالم نے بھی اُن کے پہلو میں سجادہ بچھا دیا، دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ گئے، وہ شخص چلہ کشتی کے مطابق کچھ کھالیتا تھا مگر شیخ تھوڑا بہت کچھ بھی نہ کھاتے، اور پر تکلف دعوتوں کا اہتمام جاری رکھا۔ جس میں خانقاہ پر اُن کے سوا موجود سارے درویش شریک ہوتے، شیخ کا چہرہ باوجود کچھ نہ کھانے کے روز بروز سرخ سے سرخ تر ہوتا جاتا تھا جبکہ اُس مخالف کا چہرہ دن بدن کمزور سے کمزور تر دکھائی دینے لگا۔ اور پر تکلف دعوتیں دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں تیج و تاب کھاتا رہتا، اُسے اس قدر ضعف ہو گیا کہ نماز پڑھنا بھی دشوار ہو گیا، اپنے دعوے پر پشیمان ہوا اور جان گیا کہ اُسے تو کچھ پتہ ہی نہ تھا۔ جب چالیس روز کا چلہ مکمل ہو گیا تو شیخ نے فرمایا۔ تمہارا کہنا میں نے



ماتا اب میرا کہنا تم مانو، اُس مدعی نے کہا، فرمائیے۔ شیخ نے کہا۔ اب چالیس روز کا ایک اور چلہ کریں گے اور وہ یہ کہ ہم دونوں چیزیں کھائیں گے مگر رفع حاجت کے لئے نہیں جائیں گے اس پر دونوں کا اتفاق ہو گیا تو شیخ نے پر تکلف کھانے لانے کے لئے کہا کھانے آگئے، اس مخالف عالم نے چالیس روز کی بھوک گزاری تھی، خوب جی بھر کر کھایا، ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ گذرا تھا کہ اسے پیشاب کی حاجت ہوئی، شیخ اُس کی حالت کو دیکھ کر خاموش رہے، مگر وہ شخص صبر نہ کر سکا، اور شیخ کے پاؤں پر گر کر توبہ کی، پھر شیخ نے کہا۔ اب تو رفع حاجت کو لے جس طرح چاہے زندگی بسر کر اور میرے پاس بیٹھ تاکہ میں وہ کچھ تمہیں کہہ سکوں جو ہم نے باہم ط کیا تھا، بعد ازاں وہ مدعی چالیس روز شیخ کے پاس بیٹھا رہا اور جب چاہتا رفع حاجت کے لئے چلا جاتا، مگر شیخ پورے چالیس دن رفع حاجت کو نہ گئے۔ جبکہ وہ برابر کھانا بھی کھاتے رہے، اور اپنے معمول کے مطابق وجد و سماع میں بھی مشغول رہے، مدعی نے یہ حالت دیکھی تو مخدرت چاہی اور شیخ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا

ابو عبد اللہ کرام کے ساتھیوں میں سے ایک محتسب نیشاپور  
**مسلمان آزار محتسب** :- میں رہتے تھے جو شیخ ابو سعید کے مخالف تھے ایک روز وہ دھوبی کو کپڑے دینے جا رہا تھا خانقاہ شیخ راستے میں تھی، جب وہ وہاں سے گذرا تو شیخ ابو سعید و عظ فرما رہے تھے، محتسب نے خود سے کہا کہ ابھی واپس آ کر شیخ سے نبٹ لوں گا، الغرض وہ دھوبی کے پاس پہنچا اور اسے چاندی کا ایک درہم دیا، دھوبی نے کہا کم از کم صابن اور کھار کا خرچہ تو دیتے جاؤ، کیونکہ میں تو ایک ترک کے ہاں مزدور ہوں، محتسب نے اس کے چند سخت درے رسید کئے، وہ بوڑھا دھوبی رونے لگا، اور محتسب واپس چلا گیا، جب خانقاہ کے دروازے پر پہنچا تو شیخ ابھی و عظ فرما رہے تھے۔ وہ اندر گیا اور شیخ سے کہنے لگا۔ یہ دو غلا پن اور مکر و حیل کب تک جاری رہے گا، شیخ نے فرمایا۔ پھر کیا کرنا چاہیئے؟ محتسب کہنے لگا۔ یہ مجلس اور اشعار سنانا بند ہونا چاہیئے، شیخ نے جواب دیا ایسا ہی کہوں گا جو تم چاہتے ہو مگر تمہیں بھی تو صبح صبح ایسا



نہیں کرنا چاہیے کہ دھوبی کو کپڑے دھونے کے لئے ایک دہم دیا۔ جب وہ کہے کہ کم از کم کھا رہا ہوں  
 کا خرچہ دو کہ میں ایک ترک کے ہاں مزدور ہوں اور تو اُسے درے مارے اور وہ روتا ہوا  
 صحرا میں درد سے بللائے، اور تمہیں ترس نہ آئے، اگر کپڑے دھلوانے ہوں تو حسن موڈب کو  
 دے جایا کرو وہ دھو دیا کرے گا، اور عطر و گلاب میں بسا کر آپ کے پاس بھجوا دیا کرے گا، تاکہ  
 کوئی مسلمان تیرے آزار سے بچا رہے، اور تو گناہ سے محتسب نے جب یہ سنا تو بہت شرمندہ  
 ہوا، شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور اس دن سے شیخ کی مخالفت سے تائب ہوا۔

خواجہ ابوالفتوح عیاضی فرماتے ہیں کہ میں نے خواجہ حسین عباد دیشی سے سنا تھا کہ وہ خود  
 نیشاپور میں حضرت شیخ کی مجلس میں موجود تھے۔ حضرت گفتگو فرما رہے تھے۔ میرے دل میں اپنی والدہ  
 اور سرخس کا خیال آیا۔ شیخ نے اسی وقت مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

يَتَجَمَّلُ عَلٰى اُمِّ عَلِيٍّ حَنِيئَةً تَسُوِّحُ وَ تَبْكِي مِنْ فِدَا تِكِّ دَا نَبَا

میں اسی وقت مجلس سے اٹھا۔ باہر آیا۔ اور سرخس کو روانہ ہو گیا۔ میں گھر پہنچا تو والدہ اس  
 وقت مرض موت میں تھیں۔ میں اس کے سر ہانے پہنچ کر آبدیدہ ہو گیا۔ وہ دوسرے روز وفات  
 پا گئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ حضرت شیخ نے مجھے جلدی کرنے کا جو حکم دیا تھا۔ وہ اسی وقت  
 کے لئے تھا۔

حضرت شیخ ایک دن نیشاپور میں مجلس فرما رہے تھے۔ ایک تاجر بھی آپ کی مجلس میں تھا۔ اس  
 نے دل میں سوچا کہ وہ حضرت کو اپنے گھر لے جائے گا۔ اور آپ کی حلوے سے تواضع کرے گا۔ آپ  
 نے دوران و عظمیٰ اس تاجر کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ اے نوجوان۔ ہمارے لئے جو حلوہ تیار کر رہے  
 ہو۔ وہ کسی مزدور کو دے دینا۔ وہ ہمارے پاس اٹھالائے گا۔ راستہ میں جہاں تھک جائے وہ  
 رکھے گا۔ وہ شخص اپنے گھر گیا۔ حلوے کا دیگچہ مزدور کے سر پر رکھا راتے میں ایک جگہ مزدور  
 تھک گیا۔ اور اس نے ایک مکان کے دروازے کے سامنے دیگچہ رکھ دیا۔ گھر والوں کو آواز دی  
 ایک بوڑھا آیا۔ اور کہنے لگا۔ تم گڑ کا حلوہ لائے ہو تو اندر لے آؤ۔ مزدور نے سوچا غالباً یہ بھی



حضرت شیخ کی کرامت ہے۔ کہ آنے والے نے خود ہی سمجھ لیا کہ یہ گڑ کا حلوہ ہے اندر جا کر پوچھا۔ آپ لوگوں کو کس طرح معلوم ہوا ہے کہ یہ گڑ کا حلوہ ہے۔ اس نے کہا۔ ہم کئی روز سے بھوکے تھے۔ ہمارے بچے نے اللہ سے دعا کی تھی۔ اے اللہ! ہمیں گڑ کا حلوہ بھیج دے۔ اللہ نے یہ ہماری دعا قبول فرمادی۔ اور حضرت شیخ کے تصرف سے ہماری بھوک جاتی رہی۔

حضرت شیخ ابوالحسن سجاری نے شیخ ابوسلم

وہ دیکھتے ہیں آپ کو پر دیکھتے نہیں :- ہارسی کی زبانی سنا تھا۔ کہ مینا پور میں

شیخ عبدالرحمن سلمی کا انتقال ہوا۔ میں حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے میہنہ روانہ ہوا۔ یہ زمانہ آپ کی ابتدائی زندگی کا تھا۔ میں میہنہ میں پہنچا تو سیدھا مسجد میں گیا۔ وہاں حضرت شیخ جلوہ فرماتے تھے۔ آپ نے مجھے بے حد عزت و احترام سے بلایا۔ ایک درویش کو حکم دیا۔ کہ کچھ کھانے پینے کے لئے لاؤ۔ وہ درویش گیا اور واپس آ کر کہنے لگا۔ حضرت آج تو کچھ بھی نہیں ہے آپ نے فرمایا۔ یا فقیر ما اذقک! میں ایک دن آپ کی خدمت میں رہا۔ دوسرے دن واپس آنے لگا تو میں نے حضرت سے التجا کی۔ کہ مجھے کاغذ پر کچھ لکھ دیں۔ میں نے کاغذ پیش کیا۔ تو آپ نے لکھا۔

وَاشْرَقَ نَوْرَ الصَّبْحِ فِي ظِلْمِهِ الْعَتَبِ۔

فَصَادَقَهُ حَسَنُ الْقَبُولِ مِنْ الْقَلْبِ۔

تَقْشَعُ غَيْمَ الْهَجْرِ عَنْ قَمَرِ الْحَبِّ

وَجَانِسِمِ الْإِعْتِنَاءِ رِجْفًا

ترجمہ :-

میں نے کاغذ اٹھایا۔ اور حضرت شیخ سے اجازت لی۔ شیخ فرمانے لگے۔ تَرَاهِمَ يَنْظُرُونَ

إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يَبْصُرُونَ۔ تم جانتے ہو کہ وہ تمہیں دیکھا رہے ہیں حالانکہ وہ تمہیں

نہیں دیکھ سکتے، میں میہنہ سے واپس آیا اور پارس آ گیا۔ ایک عرصہ رہا۔ بہت سالوں بعد

وہاں کے ایک درویش محمد کو حیاں حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کی زیارت کے لئے فراوان روانہ



ہوئے۔ میں نے انہیں کہا۔ جب حضرت کی خدمت میں پہنچو تو میرا سلام عرض کرنا۔ اور کہنا۔ تَوَلَّيْتُمْ  
يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ۔ وہ درویش چلا گیا۔ اور حضرت کی زیارت  
کی۔ واپس آیا۔ تو کہنے لگا۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے خود ہی فرمایا۔ وَعَلَيْكَ  
السَّلَام۔ وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ط

استاد امام اسماعیل صابونی فرماتے ہیں۔ کہ جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں تھے۔ میں  
زیارت کو گیا۔ میں نے دل میں خیال کیا۔ کہ جن دنوں میں ابو علی زاہر سے سرخس میں حضرت  
شیخ کے ساتھ احادیث پڑھا کرتا تھا۔ وہ کون سی احادیث تھیں۔ میں حضرت کے پاس پہنچا  
سلام عرض کیا۔ حضرت اٹھے مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ جہنہی میں بیٹھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ استاد  
جن دنوں ہم لوگ ابو علی زاہر کی خدمت میں احادیث پڑھا کرتے تھے۔ یاد رہے۔ پہلی  
حدیث کیا تھی۔ میں نے گزارش کی۔ جب تک میں مطالعہ نہ کر لوں مجھے یاد نہیں آتی حضرت  
شیخ فرمانے لگے۔ پہلی حدیث تو یہ تھی۔ حُبُّ الدُّنْيَا دَأْسٌ كُلُّ خَطِيئَةٍ۔ پھر آپ نے  
فرمایا۔ دوسری حدیث کون سی تھی۔ میں نے کہا۔ مجھے یاد نہیں فرمایا۔ دَعَا مَا يَرِيدُكَ  
إِلَى مَا لَا يَرِيدُكَ حضرت نے فرمایا۔ اب تیسری حدیث تو سناؤ۔ میں نے پھر عرض کیا کہ  
مجھے یاد نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تیسری یہ ہے۔ کہ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا يَخْدِي۔

استاد اسماعیل فرماتے ہیں جب حضرت شیخ نے یہ احادیث پڑھیں تو مجھے یاد آیا کہ واقعی  
یہ ہی احادیث تھیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت نے میرے راستہ میں خیال کی ترجمانی  
فرمائی ہے۔ اس دن سے مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت شیخ دنوں کے حالات اور اسرار سے کتنے  
واقف ہیں۔

شیخ اسماعیل سادسی فرماتے ہیں کہ جن دنوں شیخ ابو سعید ابو النخیر رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور میں  
قیام فرماتے تھے۔ تو میں بلا توقف آپ کی مجلس وعظ میں شریک ہوا کرتا تھا۔ ان دنوں شیخ اپنے کلام



میں اکثر اشعار پڑھا کرتے۔ میں اس شعر خوانی کو دل سے پسند نہیں کرتا تھا۔ ایک دن مجلس میں شیخ کی نگاہیں میرے چہرے پر ٹکیں۔ اور فرمانے لگے۔ قَدْ عَثِقْنَا وَكَلْنَا يَفْنَى۔

یہ بات سنتے ہی میرے دل سے شعر کے خلاف عناد ختم ہو گیا۔ ایک دوسرے روز میں حضرت شیخ کی مجلس میں موجود تھا۔ ایک خوش الحان قاری یہ آیت پڑھ رہا تھا۔ وَكَذَلِكَ  
أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِنشَاءُ  
حضرت اس آیت کریمہ سے لفظ مَا كُنْتَ تَدْرِي کا بار بار تکرار فرماتے۔ مجھے سنتے

ہی رقت طاری ہو گئی۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ اپنے آپ پر قابو پا لوں۔ اور حضرت پر

اعتراض نہ کروں۔ گھر گیا مجھے بخار نے آیا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کوئی چیز حضرت

شیخ کی خدمت میں بھیجوں۔ دوسرے روز ہی میرا بخار ٹوٹ گیا۔ میں بڑا پشیمان تھا۔ چند دن

گزرے میں پھر حضرت کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اس دن میں نے ایک خوبصورت گڈری پہن رکھی

تھی حضرت شیخ کی مجلس میں ایک درویش اٹھا اور لوگوں سے کپڑے کا سوال کرنے لگا حضرت

شیخ نے مجھے دیکھا۔ اور فرمایا۔ اگر تم اس درویش کو گڈری دے دو گے تو بڑی برکت ہوگی۔ اس

دن کی طرح افسوس نہ کرنا۔ میں نے گڈری اور دوسرے کپڑے درویش کے حوالے کر دیئے۔

جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں تھے۔ ایک دن اتوار

یہودی دامن اسلام میں :- کی صبح صوفیاء اور درویشوں کو لئے حضرت کی طرف

جا رہے تھے۔ راستے میں ایک یہودی جاتا دکھائی دیا جس نے زربغت اور ریشم کا لباس

پہنا ہوا تھا۔ اور ایک خوبصورت حلو اورٹھے ہوئے تھا۔ غالباً وہ اپنی عبادت گاہ کنشت

کی طرف جا رہا تھا۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے اسے بصیرت دی کہ حضرت شیخ کے مقامات اور

اپنی ذلت دیکھے۔ حضرت شیخ اور صوفیاء کو دیکھ کر آتے آتے راستے سے ایک طرف پلٹ گیا

حضرت شیخ نے دیکھا۔ تو آپ اس کے پیچھے پیچھے ہوئے۔ یہودی جدھر جاتا حضرت اس

کے پیچھے پیچھے ہوئے۔ یہودی کو نکلنے کا راستہ نہ ملا حضرت



نے اسے جالیا۔ اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے۔

اشتر باناں مرد بناید گفستن - اور اچو خوش است غریبی شب رفتن

اونٹوں کے ساربانوں کو بڑا نہیں کہنا چاہیے۔ یہ لوگ ہمیشہ مسافری میں دن رات چلتے رہتے ہیں، اے اللہ کے بندے! اللہ تمہیں زندگی دے۔ تم کیسے ہو۔ اور کیسے رہو گے؟ شیخ بہ کہہ کر واپس آگئے۔ اب یہودی تھا۔ جو شیخ کے پیچھے پیچھے دوڑا دوڑا آ رہا تھا شیخ نے دانا شروع کیا۔ مگر وہ پیچھے دوڑتے دوڑتے باواز بلند کہتا تھا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ حضرت شیخ گھر پہنچے۔ تو یہودی آپ کے قدموں میں آگرا۔ اور خانقاہ میں داخل حلقہ درویشان ہو گیا۔ اور حضرت کے مجاوروں میں شامل ہو گیا۔

جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں قیام پذیر تھے۔ تو حضرت کے ہاتھ پر بہت سے یہودی اور آتش پرست مسلمان ہوئے ان دنوں نیشاپور کے علماء کی بھی کوشش ہوا کرتی تھی۔ کہ ان کے ہاتھوں بھی ایسے لوگ اسلام قبول کرتے۔ مگر انہیں کوئی خاصی کامیابی نہ ہوتی۔ نیشاپور میں ابو محمد جوینی بڑے زبردست عالم دین اور باکمال بزرگ تھے۔ ان کا وکیل بیوی تھا۔ آپ کوشش کرتے کہ وہ کلمہ پڑھ لے مگر وہ اتنا ضدی کہ اسلام قبول نہیں کرتا تھا۔ ایک دن حضرت جوینی نے اسے کہا۔ اگر تم اسلام قبول کر لو۔ تو میری ساری جائیداد کا تیسرا حصہ تمہارا ہو گا۔ اس نے کہا حضرت میں اپنا مذہب جائیداد کے لئے تبدیل نہیں کر سکتا۔ حضرت نے ایک دن پھر کہا۔ کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو میری جائیداد کا نصف حصہ میں ملے گا۔ یہودی کہنے لگا۔ میں اپنا مذہب دنیاوی دولت کے بدلے نہیں بیچوں گا۔ آپ نے ایک دن بڑے زور سے تبلیغ کی اور کہا اگر تم کلمہ پڑھ لو۔ تو میں اپنی جائیداد کے دو حصے تمہیں دے دوں گا۔ اس نے پھر کہا۔ کہ میں دین فروش نہیں ہوں۔ شیخ جوینی مایوس ہو گئے اور خاموش ہو گئے۔



ایک دن محمد جوینی اپنے اس یہودی وکیل کے ساتھ کوچہ عدنی گویاں سے گزر رہے تھے۔ کہ مسجد میں حضرت شیخ ابوسعید کی تقریر سنائی دی۔ دل میں آیا۔ کہ چند لمحے سن لیں۔ یہودی نے بھی سوچا۔ کہ اتنا بڑا مجمع۔ اتنے اہٹاک سے لوگ وعظ سن رہے ہیں۔ میں بھی اندر جا کر سن لوں مجھے کون جانتا ہے۔ چنانچہ وہ یہودی بھی مسجد میں داخل ہو کر لوگوں کے مجمع میں گھل مل گیا۔ اور ایک ستون کی اوڑ میں بیٹھ کر وعظ سننے لگا۔ چند لمحوں بعد حضرت شیخ ابوالخیر نے فرمایا۔ ستون کے پیچھے ایک یہودی وکیل بیٹھے ہیں وہ میرے سامنے آجائیں یہودی نے کوشش کی کہ اپنے آپ کو سمیٹے۔ مگر بے اختیار اٹھا۔ اور حضرت کے سامنے حاضر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ کچھ کہو۔ یہودی کہنے لگا۔ کیا کہوں۔ آپ نے فرمایا۔ یوں کہو!

من گبر بدم کنوں مسلمان گشتم ۔ بد عہد بدم کنوں بفرماں گشتم  
در ترجمہ :- میں یہودی تھا اب مسلمان ہو گیا ہوں۔ میں بد عہد تھا۔ اب نسرمان بردار  
خدا ہو گیا ہوں!

یہودی نے یہ بیت کہا۔ اب حضرت شیخ نے فرمایا۔ تم محمد جوینی کے پاس چلے جاؤ تاکہ وہ تمہیں اسلام کی تفصیلات سے آگاہ کر سکیں۔ اور انہیں کہنا آپ کو معلوم نہیں کہ ان  
الْأَمْوَالُ مَوْتُورَةٌ عَلَىٰ أَوْقَاتٍ فَإِذَا دَخَلَ الْوَقْتُ لَا يُخْتِجُ إِلَىٰ  
ثَلَاثِ الْمَالِ وَلَا إِلَىٰ نِصْفِهِ وَلَا إِلَىٰ ثَلَاثَةِ طَهْرٍ كَامٍ أَوْ قَدْرٍ مِثْلِهِ وَلَا إِلَىٰ نِصْفِ يَدٍ وَلَا إِلَىٰ نِصْفِ يَدٍ وَلَا إِلَىٰ نِصْفِ يَدٍ وَلَا إِلَىٰ نِصْفِ يَدٍ  
ہے۔ جب وقت آجاتا ہے تو مال تیسرا حصے۔ یا نصف یاد و حصوں کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔  
شیخ ابو محمد یہ بات سن کر بڑے خوش ہوئے۔ اور آپ نے توبہ کی۔

نیشاپور میں ابو نصر شیردانی بہت بڑے مال دار تاجر تھے۔ دنیاوی نعمتوں سے مالا مال تھے۔ حضرت شیخ ابوسعید نیشاپور میں اپنی مجالس کی وجہ سے اوج شہرت پر تھے۔ سارا شہر آپ کی مجالس میں امنڈا آتا تھا۔ ابو نصر بھی ایسے ہی عقیدت مندوں میں سے تھے۔ اور آپ سے محبت اور ارادت کا دعویٰ رکھتے تھے۔ حضرت کی محفل میں جاتا۔ کسی کرامات دیکھتا۔ اور



کھڑے ہیں۔ مجھے پوچھا۔ حسن حضرت حمام میں ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے اپنے کپڑے تو حمام کو دے دیئے ہیں۔ خود لباس کے بغیر بیٹھے ہیں۔ ابونصر نے بتایا سبحان اللہ۔ میں تھوڑی دیر پہلے قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا لیکن مجھے نیند نے آلیا۔ خواب میں کسی نے تاکیداً کہا۔ اٹھو! حضرت شیخ حمام میں ہیں۔ انہوں نے اپنا لباس کسی کو دے دیا ہے۔ خود بے لباس رہ گئے ہیں۔ ان کے لئے کپڑے لے جاؤ۔ میں اٹھا۔ اور اس خواب کو دہم سمجھا۔ قرآن پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ مگر پھر مجھے نیند نے دبا لیا۔ اور وہی شخص مجھے دوبارہ کپڑے لے جانے کا کہہ رہا ہے۔ میں نے پھر بھی قبول نہ کیا۔ تیسری بار مجھے اتنی نیند آئی۔ کہ میں قرآن پاک کو ایک طرف رکھ دوہیں ریٹ گیا۔ خواب میں پھر اس شخص نے سختی سے کہا۔ ابونصر! تمہیں میں نے تیسری بار کہا ہے کہ حضرت شیخ حمام میں کپڑوں کے بغیر بیٹھے ہیں۔ تم کپڑے لے جاؤ اور پیش کرو۔ اگر اب تغافل برتو گے تو تمہارے لئے اچھا نہ ہوگا۔ میں اٹھا۔ کپڑے تیار کئے۔ اور لے آیا۔

حسن مودب کہتے ہیں کہ ابونصر حمام کے دروازہ پر کھڑا رہا میں نے کپڑے لئے اندر چلا گیا۔ اس وقت حضرت دینار فرما رہے تھے۔ دینار نے کہا کہ باہر نکلے تو میں نے کپڑے پیش کئے۔ آپ لباس زیب تن کئے باہر آئے تو ابونصر نے ایک صد دینار نقد نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ سو دینار حمام کے مالک کو دے دیں۔ جب اس کے شاگرد کی شادی ہوگی تو وہ شیرینی تقسیم کر سکے گا دینار حمامی کے حوالے کئے حضرت شیخ وہاں سے رخصت ہوئے۔ ابونصر حضرت کی خانقاہ میں حاضر ہوئے اور اپنا مال رمتاع شیخ پر نثار کر کے اپنے آپ کو حضرت کی خدمت میں وقف کر دیا۔ آپ جب تک نیشاپور میں رہے۔ ابونصر حضرت کی خدمت کرتا رہا۔ نیشاپور سے میلہ نہ آئے۔ تو آپ نے ابونصر شیردانی کو ایک سبز چغہ خلعتِ خلافت کے طور پر دیتے ہوئے فرمایا۔ تم اپنے شہر چلے جاؤ۔ ہمارا جھنڈا بلند رکھو۔ ابونصر شیردان پہنچے۔ ایک خانقاہ تعمیر کی۔ جو اب تک آپ کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت شیخ کا عطا کردہ خرقة وہاں رکھا۔ اس علاقہ کے صوفیہ کے لئے روحانی فیض جاری کر دیا۔ ابھی تک یہ خرقة وہاں



پیارا تھا۔ آپ نے اسی دن احمد کی ایک لڑکی سے شادی کی۔ اور شیخ کے پہنچنے کے دن دعوتِ ولیمہ کا اہتمام فرمایا۔ مگر کچھ لوگوں نے عین اسی دن احمد کو پکڑا اور اسے قتل کر دیا۔ اور باپ کے حجرہ کے سامنے رکھ دیا۔ نماز صبح کے وقت حضرت شیخ ابوالحسن فرقانی اپنے حجرے سے نکلے اور مسجد کی طرف نماز کے لئے آئے اور لڑکی کی نعش سے ٹھوکر لگی۔ آپ نے بیٹے کو آواز ہی کہ چراغ لائے۔ آپ کی بیوی چراغ لے کر آئی۔ اس ردشنی میں باپ کی نگاہیں بیٹے کی سربریدہ نعش پر پڑیں حضرت شیخ ابوالحسن نے فرمایا۔ اے جان پدر تم نے یہ کیا کیا؟ تم کیا کر سکتے تھے کہ نہ کرتے؟ اسی وقت چند آدمیوں کو بلایا۔ احمد کو غسل دیا۔ کفن پہنایا۔ اور ایک علیحدہ جگہ رکھ دیا اسی اثنا میں دیکھا حضرت شیخ ابوسعید معہ جماعت آرہے ہیں۔ ایک درویش نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ کہ آپ لوگ اتنی دیر سے کیوں پہنچے انہوں نے بتایا ہم لوگ راستہ بھول گئے تھے۔ ورنہ رات کو پہنچ جاتے حضرت شیخ ابوالحسن فرقانی نے اپنے مریدوں کو فرمایا چپ رہو۔ یہ لوگ راستہ نہیں بھول سکتے۔ اس راستہ کی بد نصیب زمین مدت سے ان بزرگوں کے لئے چشم براہ تھی۔ اس پر آہستہ آہستہ چلنا اس کی پائس کو دور کرنا تھا وہ اس فخر سے ناناں تھی۔ کہ اُس پر ان بزرگوں کے قدم آئے وہ ارد گرد کی زمینوں پر فخر کرتی ہے۔ کہ اس کے سینہ کو ان بزرگوں کے قدموں سے روشن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس سرزمین کو خوش رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو بھیجا تھا۔ کہ اس بزرگ ولی اللہ کی عنانِ سفر پکڑو کہ اس علاقہ کی زمین پر لے آئیں اور اس زمین کو خلعتِ اعزاز سے نوازنا۔ ان کی غیر حاضری میں ہمارے بیٹے کا سر قلم کیا گیا۔ اس درویش نے یہ باتیں سنیں۔ تو حضرت ابوسعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تمام حالات سے آگاہ کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ اللہ اکبر اس وقت لوگوں کو خیال آیا کہ نیشاپور سے چلتے ہوئے حضرت نے وہ بات کیوں کہی تھی حضرت شیخ ابوسعید فرقان میں پہنچے۔ خانقاہ میں داخل ہوئے مسجد کے ساتھ ہی ایک کمرہ تھا جس میں حضرت ابوالحسن فرقانی رہا کرتے تھے۔



حضرت فرقانی۔ سروقد کھڑے مسجد کے صحن کے درمیان پہنچ کر حضرت شیخ کا استقبالیہ کیا  
 ایک دوسرے کو گلے لگایا حضرت ابوالحسن فرقانی نے فرمایا۔ ایسے زخم کو یہی مرہم درکار تھی میں ان  
 قدموں پر اپنے بیٹے احمد کی جان قربان کرنے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ شیخ ابوالحسن فرقانی نے حضرت  
 کا ہاتھ پکڑ کر اپنی منہ پر بٹھایا حضرت بیٹھ گئے۔ دونوں مسجد میں بیٹھے باتیں کرنے لگے۔ اس  
 دوران قاری حضرات قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے لوگ رو رہے تھے۔ اور آہ و فغان برپا  
 تھا حضرت ابوالحسن نے اپنا فرقہ قاریوں کے سامنے پھینک دیا کہ ہم نے ایک فرض ادا کرنا  
 ہے۔ لوگ جنازے کے منتظر ہیں۔ جنازہ باہر لایا گیا۔ نماز جنازہ ادا کی۔ مدین سے فارغ ہوئے  
 قبر پر بڑے رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے صوفیہ اور درویشوں نے قاری حضرات کو کہا۔ کہ حضرت  
 کا فرقہ پارہ پارہ کر کے سب نیاز مندوں میں تقسیم کیا جائے حضرت خواجہ ابوالحسن کے ایک خادم نے  
 یہ بات آپ کے گوش گزار کی تو آپ نے فرمایا۔ ایسا نہ کریں۔ یہ سالم فرقہ تو قاری حضرات کو دے  
 دیں۔ ایک اور فرقہ لے جائیں وہ صوفیہ کو دے دیں۔ دوسرا فرقہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور  
 تمام عقیدت مند ایک ایک ٹکڑا بطور تبرک لے گئے۔

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کے لئے ایک علیحدہ کمرہ مختص کیا گیا تاکہ آپ اس میں آرام  
 فرما سکیں حضرت خواجہ ابوالحسن نے اپنے تمام عزیزوں اور عقیدت مندوں کو ایک ایک کمرے  
 سمجھا دیا۔ کہ حضرت ابوسعید سے "معشوق مملکت" ہیں۔ وہ تمام لوگوں کے دلوں کے حالات جاننے  
 ہیں۔ کوئی بدگمانی اور بے لطفی کا اظہار نہ کرے حضرت ابوالخیر تیس دن رات حضرت خواجہ ابوالحسن  
 فرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہے مگر اس قیام کے دوران ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔  
 حضرت شیخ ابوالحسن بار بار بات کرتے تاکہ آپ بھی گفتگو فرمائیں۔ مگر آپ صرف اتنا فرماتے ہم تو  
 سننے آئے ہیں سنانے نہیں آئے۔ حضرت فرقانی نے کہا آپ ہماری ضرورت ہیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ  
 سے اپنی ضرورت کی درخواست کی تھی۔ وہ چل کر ہمارے گھر آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں میں  
 سے ایک دوست بھیجا تاکہ میں رازوں کا اظہار کر سکوں۔ میں بوڑھا تھا۔ ضعیف تھا۔ میں خود حاضر



نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے فوت دی ہے ہمت دی ہے۔ عزت دی ہے۔ آپ خود بخود تشریف لے آئے۔ آپ کو مکہ مکرمہ میں قیام نہیں کرنے دیا جائے گا۔ آپ مکہ سے بھی عزیز تر ہیں۔ کعبہ کو آپ کو طرف روانہ کیا جائے گا۔ رہ آپ کا طواف کرے گا۔

اس سفر میں خواجہ ابوطاہر کی والدہ حضرت ابوسعید ابوخیجر کی بیوی، بھی موجود تھیں فرماتی ہیں کہ حضرت ابوالحسن فرقانی ہر صبح دروازے کے پاس آتے۔ اور سلام عرض کرتے اور فرماتے آپ ایک برگزیدہ شخص کی رفیقہ حیات ہیں۔ اس مقام پر بشریت ختم ہو جاتی ہے۔ نفس کی خواہشات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہاں صرف حق ہی حق موجود ہوتا ہے۔ رات کو حضرت ابوسعید ابوخیجر کے خلوت کدہ میں حاضر ہوئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر پردہ اٹھاتے اندر آنے کی اجازت طلب کرتے اجازت پا کر اندر قدم رکھتے۔ ابوالحسن قسم دلاتے کہ خدا راجس طرح تشریف فرمائیں بیٹھے رہیں تکلیف نہ فرمائیں دوزانو ہو کر سامنے بیٹھ جاتے۔ اور فرماتے حضرت میرے سینہ میں اتنا درد ہے کہ انبیاء کرام بھی اسے برداشت مشکل سے کر سکے۔ اگر اس درد کا ایک ذرہ ظاہر کروں تو زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ یہ بات کہہ کر اٹھتے اور حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہانے کی طرف آنے۔ اور آہستہ سے کچھ کہتے۔ نو دو دونوں رونے لگتے حضرت خواجہ ابوالحسن حضرت ابوسعید کے کرتے کے اندر اپنا ہاتھ لے جاتے اور کہنے میں اللہ کا نور لے رہا ہوں۔

ایک دن اس شہر کے قاضی القضاة فاتحہ خوانی اور تعزیت کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے نبایا کہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ آئے ہوئے ہیں قاضی صاحب نے کہا میں اندر جا کر سلام عرض کر لیتا ہوں آپ نے فرمایا۔ وہاں صرف حاضری دینا اور خاموش کھڑے رہنا۔ قاضی اندر گئے۔ سلام عرض کیا زیارت کی۔ قاضی نے دیکھا کہ حضرت شیخ یادنا ہوں کی طرح چوڑھی مار کر بیٹھے ہیں اور ایک درویش پاؤں کو دبا رہا ہے۔ قاضی صاحب نے دل میں کہا۔ یہ کیسی درویشی ہے؟ بہ ناز و نعمت میں آرام کرنے والے فقرا اور درویشی کو کیا جانیں۔ یہ تو بادشاہ ہیں۔ صوفی یا درویش تو نہیں! یہ خیال آتے ہی حضرت شیخ نے سر اٹھایا۔ اور قاضی کی طرف



نظریں گاڑ کر فرمایا۔ اے دانشمند! مَنْ كَانَ فِي مَشَاهِدَةِ الْحَقِّ هَلْ يَقَعُ عَلَيْهِ  
 اسْمُ الْفَقْرَاءِ ط (جو مشاہدہ حق میں ہو کیا اس پر فقر کا نام درست نہیں آتا، یہ بات  
 سنتے ہی قاضی نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گیا۔ درویش اندر گئے اور تاشی کو اٹھا کر باہر  
 لے آئے۔ حضرت ابو الحسن غرقانی نے کہا میں نے تجھے کہا تھا کہ ہوش کرو۔ تم اس نگاہ کی تاب نہیں  
 لاسکو گے قاضی نے کہا۔ اب میں نے توبہ کر لی ہے۔ مگر وہ پھر بے ہوش ہو گیا اور سارا دن  
 بے ہوش پڑا رہا۔

حضرت شیخ ابو الحسن غرقانی رحمۃ اللہ علیہ اندر آئے اور حضرت شیخ کو کہا حضرت آپ  
 نے قاضی پر نظر ہیبت ڈالی ہے۔ نظر رحمت بھی ڈالیں۔ کیونکہ قاضی حال سے بے حال ہو  
 گیا ہے۔ حضرت شیخ نے اسے معاف کرتے ہوئے صرغ گو شمالی کر دی اور وہ اپنی اصل حالت  
 میں آگیا۔

ایک دن حضرت خواجہ ابو الحسن غرقانی رحمۃ

کعبہ ہر رات طواف کرتا ہے :- اللہ علیہ نے عرض کی یا حضرت! میں دیکھ  
 رہا ہوں۔ کہ کعبۃ اللہ ہر رات آپ کے گرد طواف کرتا ہے۔ آپ کو کعبۃ اللہ میں جانے کی  
 کیا ضرورت ہے آپ واپس چلے جائیں۔ آپ کو تو اس لئے مقرر فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے بندوں  
 کو پائیں۔ آپ کا حج تو ہو گیا ہے۔ ابو الحسن کی وادی اندوہ کو عبور کر لیا ہے! اس کی نیاز مندانہ  
 صدائے بلیک سن لی ہے! اس کے صومعہ عرفات میں قیام کر لیا ہے! اس کے نفس کو رجم کر لیا  
 ہے۔ ابو الحسن کو اپنے جمال پر قربان کر لیا ہے! اس کے بیٹے کی نماز جنازہ ادا کر لی۔ غم زدہ  
 عقیدت مندوں کی فریادیں سن لی ہیں! واپس چلے جائیں۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو آج  
 ابو الحسن زندہ نہ ہوتا۔ آپ معشوق عالم ہیں۔ حضرت شیخ نے کہا ہم ببطام جانا چاہتے ہیں  
 اور حضرت بایزید کے مزار کی زیارت کر کے واپس جائیں گے۔ حضرت ابو الحسن غرقانی فرمانے  
 لگے۔ حج کر چکے ہو۔ اب عمرہ کرو گے۔



حضرت ابو سعید الخدری رحمۃ اللہ علیہ نے تین شبانہ روزہ

مزار بایزید بسطامی پر قیام کیا اور وہاں سے روانہ ہوئے جب بسطام پہنچے

وہاں ایک پہاڑی ہے۔ جہاں سے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار دکھائی دیتا ہے۔

حضرت شیخ کی نگاہیں مزار پر پڑیں تو رک گئے۔ ایک لمحہ خاموش ہو کر سر ادب سے جھکا دیا سر

اٹھا کر فرمایا۔ جو شخص دوسری جگہ کھو دیتا ہے۔ یہاں پالیتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ

علیہ کے مزار پر انوار کی زیارت کی۔ آپ مزار مبارک کے پہلو میں کھڑے تھے تو حسن مودب

بھی آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابو سعید کچھ دیر تک سر جھکائے

کھڑے رہے۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا۔ یہ پاک بازوں کا مقام ہے۔ یہاں ناپاک نہیں آسکتے

آپ ایک دن اور رات بسطام میں رہے۔ وہاں سے دامقان روانہ ہوئے تین روزہ مکان

میں قیام فرمایا۔ آگے سفر کا انتظام کیا۔ اس سفر میں حضرت کے ساتھ ایک سو آدمی تھے۔ گھوڑے

تھک چکے تھے۔ بہت سے متعین اور بوڑھے بھی تھے۔ آپ کا معمول تھا۔ کہ ہر روز نماز

عصر کے بعد مجلس سماع برپا فرماتے رات گئے تک مجلس سماع رہتی۔ قوالوں کی زبان پر یہ شعر

عام ہوتا۔

آواز در آمد بنگریا من ست . من خود دا غم کر انغم کار من ست

عیصد گل سرخ بر رخ یار من ست . خیز نہ بچنم کہ گل چیدن کار من ست

مجھے آواز آئی۔ دیکھو! یہ میرا محبوب ہے! میں خود جانتا ہوں۔ میرے لئے کسے غم ہے۔

میرے محبوب کے چہرے پر تیس ہزار سُرخ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ میں ان پھولوں کو

چننے کے لئے نکلا ہوں۔ کہ پھول اکٹھے کرنا ہی میرا کام ہے)

حضرت شیخ کے پاس دو گھوڑے تھے۔ ایک پر آپ سواری فرماتے دوسرے پر آپ

کا سامان لدا رہتا۔ ایک گھوڑا قوال کے حوالے کر دیا۔ فرمایا کہ یہ تمہارا ہے۔ نماز شام ادا کی۔

گھوڑا طلب کیا۔ اپنے بیٹے ابوطاہر کو کہا۔ تمام صوفیوں کو نماز کی جماعت کا اہتمام خود کریں۔



اور امامت بھی خود کرائیں۔ اور کل میرے پیچھے چلے آنا۔ حسن مودب اور ایک دوسرا درویش حضرت شیخ ابوسعید کے ساتھ ہمراہ رہے۔ جب شہر کے دروازہ پر پہنچے۔ تو اس وقت شہر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ قفل پڑا ہوا تھا۔ چابی شہر کے امیر کے پاس پہنچ چکی تھی۔ دربان نے کہا۔ اگر حکم کریں تو میں آپ کا نام لے کر امیر شہر سے چابی لے آؤں۔ حضرت شیخ نے سنتے ہی ایک نعرہ بلند کیا۔ حسن مودب کو کہا۔ قفل کھینچ لو۔ حسن نے تالا کھینچا تو دروازہ کھل گیا۔ اور آپ اندھیرے میں شہر سے باہر نکلے اور صحرا میں پہنچے۔ یہ تاریک راتیں تھیں۔ ہر طرف ہوکا عالم طاری تھا۔ حسن کہتے ہیں مجھے بڑا ڈر تھا۔ کہ کہیں سے کوئی بلا نازل نہ ہو جائے۔

حضرت نے فرمایا۔ حسن کچھ سناؤ۔ میں نے یہ شہر خوش الحانی سے پڑھے۔

وَعَدُ الْبَدْرِ لِي زِيَارَتِ اللَّيْلِ - فَإِذَا مَا فِي قَفِيْتُ نَذُورِي

قُلْتُ يَا شَيْدِي وَلِمَ تَوَثَّرَ إِلَيْهِ - قَلَّ عَلَيَّ لِبَهْجَتِهِ الْمُنِيرِ -

قَالَ لَوْ اسْتَطَعْتُ تَعْيِيرَ رَسْمِي هَكَذَا الرَّسْمُ فِي طُلُوعِ الْبُدُورِ

حضرت یہ اشعار سن کر نعرہ زن ہوئے۔ رات کا ایک پہر گزرا تھا تو شیخ خاموش ہوئے۔ کھانے کو کچھ طلب فرمایا۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ چلتے چلتے سامنے ایک قلعہ نما عمارت نظر آئی۔ میرا دل چاہا کہ اندر جاؤں کچھ کھانے کو لاؤں۔ میں آگے بڑھا۔ دروازہ کھٹکٹایا۔ کسی شخص نے دیوار پر سے جھانک کر پوچھا۔ کیا چاہتے ہو۔ میں نے کہا۔ کچھ کھانے والی چیز ہے۔ اس شخص نے تین روٹیاں پگڑی کے ایک کونے میں باندھ کر دیوار سے لٹکادیں میں نے وہ روٹیاں لے لیں۔ اور شیخ کے پیچھے چل پڑا۔ میں بڑی دوڑ دھوپ کے بعد آپ سے جا ملا۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ کچھ لائے ہو۔ میں نے کہا۔ ہاں روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ کر خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے تین لقمے لئے اور کھائے۔ اور فرمایا۔ باقی تمہارے لئے ہیں۔ آدھی رات ہو گئی تو آپ نے فرمایا۔ اب چند لمحے آرام کر لینا چاہیے ہم سب لوگ اترا آئے راستے سے ہٹ کر تھوڑی دُور ایک جگہ آرام کرنے لگے۔ ہمارے پاس



مصلیٰ نہیں تھا۔ گھوڑے کی زمین کا کپڑا ہی لیا۔ زمین پر بچھایا۔ حضرت شیخ اسی پر لیٹ گئے۔ میرے پہلو پر سر رکھ لیا۔ اور ایک درویش پافل پھیلا کر فوراً سو گئے۔ صبح ہوئی۔ ہم ایک گاؤں میں آہنچے۔ اور گاؤں کے نمبردار کے ہاں قیام کیا۔ آپ نے فرمایا۔ نمبردار کو کہہ دو رات بہت سے ہمان آرہے ہیں۔ شام کے وقت تمام درویش آہنچے۔ نمبردار نے بڑا تکلف کیا۔ وہ رات تمام لوگوں نے وہاں ہی گزار دی۔ حضرت شیخ بالکل خاموش رہے۔ صرف اتنا کیا۔ تم لوگ تھک گئے تھے۔ سفر میں تکلیف اٹھائی ہے۔

دوسرے دن نماز صبح ادا کی۔ اور ادو وظائف سے فارغ ہوئے۔ سورج خاصا نکل آیا تھا۔ حضرت شیخ مجلس میں تشریف فرما ہوئے۔ تمام اجاب بھی آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ آپ نے خواجہ طاہر کو مخاطب فرمایا اور کہا۔ ہم یہاں تک صرف تمہاری موافقت میں آگئے ہیں۔ ہم میں مزید طاقت نہیں رہی۔ اس سے زیادہ ہمت نہیں رہی۔ تمہاری ہمت کا کیا حال ہے۔ ابوطاہر نے گزارش کی۔ جب حضرت شیخ کی قوت و ہمت جو اب ڈے گئی ہے تو ہماری کیا مجال ہے، ہم تو آپ نے زیر رکاب نہیں۔ حضرت شیخ تمام لوگوں کو ایک ایک کر کے خیریت دریافت فرماتے رہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہم لوگ واپس جا رہے مگر جو شخص حجاز مقدس جانا چاہتا ہے۔ اسے اختیار ہے۔ وہ جائے۔ چنانچہ کچھ لوگ حجاز کے سفر میں چلے گئے مگر اکثر آپ کے ساتھ رہے۔ آپ نے سفر کی تیاری شروع کی۔ حجاز مقدس کو جانے والوں کے لئے زادراہ تیار کی۔ اور دعاؤں اور خوشیوں سے تمام کو الوداع کیا۔ نمبردار کو بلایا۔ اور فرمایا۔ ہمیں ذرا اچھی اور خوشگوار جگہ چاہیئے۔ اس نے بستی کے قریب ہی ایک بڑے خوبصورت باغ میں حضرت کے تمام درویشوں کی دعوت کا انتظام کیا۔ تمام حضرات اس باغ میں بڑے خوش خوش رہے۔ دوسرے دن وہاں سے کچھ دور دو گاؤں اذمال اور نوشاد تھے میں پہنچے اور قیام فرمایا، یہ گاؤں بڑی سرسبز اور خوشگوار وادی میں واقع تھے۔ حضرت شیخ اب بسطام اور فرقان کے راستے جانا نہیں



جانے تھے تاکہ انہیں دوبارہ تکلف نہ دی جائے۔ تمام سواریوں کو تیار کیا۔ زادراہ  
 جبا کیا۔ بیابان باچار بازن۔ دونوں کا سفر نھا لوگ بھی کافی تھے حضرت شیخ ابوالحسن فرقانی  
 رتہ اللہ علیہ لوبہ نہ چلا۔ کہ شیخ تشریف لارہے ہیں۔ ان کا خیال نھا۔ کہ ان کے صومعہ کی طرف  
 سے ہو کہ گزریں گے تین درویش بھیجے۔ وہ لوگ نماز عشاء کے بعد اس گاؤں میں آہنچے  
 ان کا ارادہ نھا۔ کہ سحری کے وقت تین چار نجر لاکہ بیابان میں آہنچے۔ اس وقت حسن مودب  
 نے دیکھا کہ تین درویش کھڑے ہیں۔ انہیں خیر و خیریت پوچھی۔ بھایا۔ حضرت شیخ نے حسن  
 مودب سے پوچھا۔ کون لوگ ہیں۔ اس نے بتایا۔ حضور! فرقان کے درویش ہیں۔ پوچھا کیا  
 کہتے ہیں عرض کیا حضرت میں نے پوچھا نہیں۔ آپ نے حسن کو فرمایا روشنی جلاؤ اور انہیں  
 لے آؤ۔ حسن نے چراغ روشن کیا۔ اور انہیں اندر لے آیا۔ درویش حاضر خدمت ہوئے  
 سلام عرض کیا۔ حضرت ابوالحسن فرقانی کی طرت سے سلام پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا  
 علیہ منا سلام پھر دریافت فرمایا۔ کہ ابوالحسن کیا فرماتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ خواجہ ابوالحسن  
 نے قسم دی ہے کہ آپ مجھے ملے بغیر یہاں سے نہیں جاسکتے۔ شیخ نے کہا بسوچتم حسن کو فرمایا  
 ان درویشوں کو کچھ کھلاؤ۔ بڑی دور سے آئے ہیں دو درویشوں کو واپس بھیج دو۔ اور ایک  
 ہمارے ساتھ رہے گا۔ اگر فرکار آئیں۔ تو انہیں معذرت کہ دینا۔ اور ان کی خدمت بھی  
 کرنا۔ تاکہ دل شکستہ نہ ہو جائیں حسن نے بتایا۔ حضرت فرکار تو رات گئے آگئے ہیں۔ میں  
 نے انہیں کچھ روپے پیسے دے دیئے ہیں۔ میں نے انہیں کے سامنے ہی سب درویشوں  
 کا زادراہ بھی سکھ دیا ہے۔ حضرت شیخ خاموش رہے صوفیاء کو سفر کی اس تبدیلی کا کوئی  
 علم نہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بیابان کے راستے جانا ہے۔ علی الصبح حضرت شیخ براستہ بسطام  
 فرقان کو روانہ ہوئے۔ بسطام سے ایک عالم حضرت کے پاس سوار ہو کر آیا۔ چنانچہ وہ بھی حضرت  
 کی سواری کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا حضرت اس سفر میں بڑے خوشگوار مزاج میں تھے۔  
 عربی کے اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ اس عالم دین کا کہنا ہے کہ اس دن کم از کم ایک ہزار



اس طرح اس کا عقیدہ اور مضبوط ہوتا۔ ایک دن حضرت شیخ کوئے عدنی گویاں کے ایک تمام میں صوفیاء کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس دن حضرت نے بڑی عمدہ صوف کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ قیمتی دستار سر پر تھی۔ حضرت حمام کے اندر گئے۔ حمام کا مالک دوڑا دوڑا آپ کی خدمت بجالایا۔ بڑی تواضع کی۔ اور بڑے ادب سے غسلخانہ میں لے گیا۔ حمام میں ایک ایسا حمام موجود تھا۔ جو یہ تردد اور تکلف دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ حمام کے مالک سے پوچھنے لگا۔ یہ کون شخص ہے۔ جس کے لئے تمام لوگ مودب ہیں۔ حمامی نے اسے بتایا۔ آپ شیخ ابوسعید ہیں۔ صوفی ہیں۔ صاحب کرامات ہیں اور بڑے بزرگ ہیں۔ وہ شخص صوفیہ اور ان کی کرامات کا منکر تھا کہنے لگا۔ اگر یہ صاحب کرامت بزرگ ہیں۔ تو یہ صوف کا لباس اور یہ خوبصورت دستار مجھے دے دیں۔ میری ابھی شادی ہوئی ہے۔ میری دلہن ایسے قیمتی لباس کی گردیدہ ہے اور میں تہیدست ہوں۔ حضرت شیخ غسلخانہ سے نکلے۔ اور حمام کو اپنے پاس بلا یا اور فرمایا، اے نوجوان! تین چیزیں ہمیشہ یاد رکھو۔ ایک تو یہ ہے۔ جب کسی کی حجامت کرنے لگو تو اپنے ہاتھ اور استرہ دھولیا کرو۔ دوسرے ہمیشہ دائیں جانب سے ابتداء کیا کرو۔ تیسری بات یہ ہے۔ کہ جب کسی کے سر کے بال مونڈو تو انہیں ایک طرف رکھا کرو۔ تاکہ عام لوگوں کی نگاہیں ان پر نہ پڑیں۔ اس حجام نے حضرت کی تینوں باتوں پر عمل کیا۔ اور سارے بال سمیٹ لئے۔ حضرت فارغ ہوئے تو اپنے خادم حسن مودب کو آواز دی اور فرمایا میرا لباس اور دستار اس نوجوان کو دے دو۔ تاکہ اپنی دلہن کو خوش کر سکے۔ وہ نوجوان حضرت کے قدموں میں گر پڑا اور رونے لگا۔ حسن مودب کہتے ہیں۔ کہ میں نے کپڑے لا کر حجام کو دے دیئے۔ مجھے غدشہ تھا کہ حضرت کے لئے دوسرا لباس نہیں گھر کیسے جائیں گے۔ میں دو بار حمام میں گیا۔ میرا دل بڑا متزود اور متفکر تھا۔ آپ نے فرمایا۔ حسن حجامت تک ہمیں حکم نہیں دیا جاتا۔ ہم کچھ نہیں کرتے۔ حمام سے باہر جاؤ۔ ابونصر شیردانی تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ حسن پکھنے میں۔ میں باہر نکلا۔ ابونصر شیردانی کو دیکھا۔ ایک خوبصورت لباس مساجد میں لپیٹے



موجود ہے لوگ ہر جمعرات کو آتے ہیں۔ نماز جمعہ وہاں ہی ادا کرتے ہیں۔ خانقاہ کا خادم اس خرقہ کی زیارت کے لئے دمہ ازہ کھول دیتا ہے۔ لوگ نماز جمعہ کے بعد جوق در جوق آتے ہیں اور خرقہ کی زیارت کرتے ہیں۔ اگر خدا نخواستہ قحط خشک سالی یا کوئی آفت آجائے تو اسی خرقہ کو صحرا میں لے جا کر دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ ابو الیختر کے وسیلہ سے اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور وہاں دور ہو جاتی ہیں۔ اس علاقہ کے لوگ اس خرقہ کو تریاق اکبر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس علاقہ میں حضرت ابوسعید کی نظرِ کرم سے چار سو خانقاہیں تعمیر ہوئی ہیں۔ جن سے آج تک روحانی فیضان جاری و ساری ہے۔

یہ واقعہ بڑی سند کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ بعض اسے خواجہ ابوطاہر کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ بعضے خواجہ حسن مودب اور بعضے ابو الفتح رحمۃ اللہ علیہم کی روایت سے بیان کرتے ہیں۔ ایک دن حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور میں اپنی خانقاہ میں مجلس سماعت میں موجود تھے۔ خواجہ ابوطاہر کو سماع کے دوران وجد طاری ہو گیا۔ اسی حالت رقت میں خواجہ طاہر نے بیٹک کہا اور حج کے لئے احرام باندھ لیا۔ سماع سے فارغ ہوئے خواجہ طاہر سفر حج کو روانہ ہونے لگے۔ اور شیخ سے اجازت لی۔ شیخ نے تمام حضرات کو حکم دیا کہ ہم سب لوگ بھی حج کو چلیں گے۔ تمام مشائخ نے کہا۔ حضرت آپ لوگوں کو کیا ضرورت ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اس طرف بے کشش ہو رہی ہے۔ چنانچہ مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت شیخ ابوسعید کے ساتھ ہی حج کے لئے تیار ہو گئی۔ نیشاپور سے باہر نکلے تو حضرت شیخ نے فرمایا۔ اگر ہم نہ ہوتے۔ تو ان تمام درویشوں کو اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ جماعت کے تمام لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا کہ حضرت کیا کہہ رہے ہیں۔ مگر انہیں سمجھ نہ آئی کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

دیجی اور معر کے علاقہ میں پہنچے تو کسی نے حضرت شیخ ابوالحسن نرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی کہ حضرت شیخ ابوسعید اپنی جماعت کو لئے کل یہاں پہنچ رہے ہیں وہ اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ شیخ ابوالحسن نرقانی کا ایک صاف دودھا حسن کا نام احمد تھا حضرت کو یہ بڑا بڑا ہی



بیعت حضرت کی زبان سے سنے۔

راستہ میں درویشوں نے حسن مودب سے تقاضا کیا کہ انہیں کھانے کے لئے کچھ چاہیے  
اس نے بتایا۔ میں نے تو تمام کھانے پینے کی چیزیں خرکاروں کے سامان میں رکھ دی ہیں  
انہوں نے پوچھا کہ تم نے تازہ کھانا بھی رکھ دیا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ کیونکہ حضرت شیخ نے  
مجھے اس راستہ آنے کی ہدایت نہیں کی تھی۔ ابھی وہ یہ باتیں کہہ رہے تھے کہ حضرت شیخ  
ادھر سے گزرے۔ پوچھا کیا معاملہ ہے حسن نے سارا معاملہ بتایا۔ حضرت نے فرمایا ان دوستوں  
سے معذرت کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی فضیلت دی ہے۔ شیخ بسطام کو جاتے  
ہوئے خوش تھے۔ آپ نے فرمایا۔ جس کسی کا وقت ضائع ہو چکا ہو۔ وہ بسطام میں آئے  
اللہ تعالیٰ اس کا گیا ہوا وقت لوٹا دے گا۔ حضرت شیخ نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ  
علیہ کے مزار کی زیارت کی اور فرقان کو روانہ ہوئے تیس دن حضرت خواجہ ابوالحسن فرقانی  
کے پاس گزارے۔

ایک دن حضرت شیخ ابوسعید اور خواجہ ابوالحسن  
خواجہ ابوالحسن فرقانی کی مجلس :- فرقانی رحمۃ اللہ علیہما دونوں بیٹھے ہوئے

تھے۔ بزرگان دین کی خاصی تعداد اس مجلس میں موجود تھی۔ حضرت ابوالحسن فرقانی نے حاضرین  
کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ قیامت کے دن تمام بزرگوں کو اللہ کے حضور لایا جائے گا۔ ہر  
ایک کو مسند پر بٹھایا جائے گا۔ ان پر عرش بریں کا سایہ ہوگا۔ آواز آئے گی ان بزرگوں  
کی طرف سے کون بات کرے گا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کی کرسی آگے کی جائے گی تاکہ وہ اپنے  
اللہ سے بات کر سکیں۔

تین روز گزرنے کے بعد حضرت شیخ نے اجازت لی۔ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ نے فرمایا  
کہ جناتک کے راستے جائیے۔ اس راستہ میں بہت سے قصبات اور دیہات آتے ہیں درویشوں  
کو آرام رہے گا۔ آپ نے تیس آدمی حضرت شیخ کے ساتھ لئے تاکہ خدمت کرتے رہیں۔ اور



نیشاپور تک ساتھ رہیں۔ خواجہ ابوالحسن فرقانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیٹوں۔ عزیزوں اور بہت سے صوفیاء کو لے کر حضرت شیخ کو الوداع کہنے نکلے۔ عرض کی کہ آپ کی راہیں کشادہ اور وسیع ہیں۔ اور ہماری راہ قبض اور فرن سے پڑے۔ اب آپ خوش رہیں اور شاد جئیں۔ ہم مغوم اور افسردہ رہیں گے۔ مگر یہ دونوں انعامات اسی کی طرف سے ہیں۔

حضرت خواجہ ابوالحسن فرقانی نے چند ایسے لوگ بھی حضرت زرخالص گم ہو گیا :- کے ساتھ روانہ کر دیئے جو ہر منزل کی خبر لا کر دیتے حضرت شیخ کی رخصت کے بعد خانقاہ فرقانیہ سے پردے۔ بسترے اور دوسرے کپڑے سمیٹے گئے جس جگہ حسن مودب بیٹھا کرتے تھے۔ وہاں سے ایک کاغذ ملا۔ اس میں کچھ چیز تھی۔ جو حضرت فرقانی کی خدمت میں پیش کی گئی۔ آپ نے پوچھا اس میں کیا ہے لوگوں نے کہا حضرت معلوم نہیں۔ کاغذ کھولا تو اس میں زرخالص تھا۔ یہ خالص سونا تو لا گیا تو بیس تو لے تھا آپ نے فرمایا۔ دیکھو ہم پر کتنا قرضہ ہے۔ لوگوں نے کہا حضرت بیس تو لے سونے کی قیمت کے برابر قرضہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس سے قرضہ بے باق کیا جائے۔ ہمارا قرضہ ان کی عزت ہے اور ہماری عزت ان کا قرضہ ہے

حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے راستہ میں ایک گاؤں دیکھا۔ وہیں قیام فرمایا۔ آپ نے حمام میں غسل کرنا چاہا۔ آپ کی عادت تھی جہاں جاتے گرم پانی سے غسل فرماتے۔ اور حسن مودب ساتھ کچھ نہ کچھ چیزے جاتے۔ انہوں نے اپنے کاغذات دیکھے تو اس کاغذ کا خیال آیا۔ جسے وہ فرقان میں بھول آئے تھے۔ بڑے پریشان ہوئے۔ حضرت نے پوچھا! حسن کیا بات ہے؟ حسن نے بتایا کہ میں اتنا سونا بھول آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں وہاں بھی ہمارا اسکے چلتا ہے دوسرے دن فرقان سے خبر ملی کہ اتنا سونا حسن مودب کی جگہ سے نکلا تھا۔ اور خواجہ ابوالحسن نے اس سے قرضہ ادا کر دیا حضرت شیخ ابوسعید نے فرمایا۔ خواجہ ابوالحسن نے صحیح کہا ہے۔



حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ جاہرم پہنچے۔ تو آپ نے حضرت خواجہ ابوالحسن کے آدمیوں کو واپس کر دیا۔ اور فرمایا۔ حضرت خواجہ محمود خرقانی کو ہمارا سلام پیش کرنا اور کہنا کہ اپنا دل ہمارے ساتھ رکھو! حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ علاقہ کارونی میں پہنچے تو وہاں ایک گاؤں نظر آیا صوفیاء کی خواہش تھی۔ کہ اس میں قیام کریں۔ حضرت نے پوچھا اس گاؤں کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے کہا۔ کلف۔ آپ نے فرمایا۔ یہاں نہ ٹھہرو! چنانچہ ایک دوسرے گاؤں پہنچے آپ نے فرمایا۔ اس کا نام کیا ہے۔ کہا۔ بند آپ نے فرمایا بند نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں سے بھی آگے چلو۔ تیسرے گاؤں پہنچے تو اس کا نام خدائاد تھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ ہاں اس میں قیام کر لو۔ خدائاد میں خدا خوش ہو گا۔ اس گاؤں میں قیام فرمایا۔ یہاں ایک خانقاہ نظر آئی جو خالی تھی۔ صرف ایک خادم موجود تھا اسی نے قافلہ کا استقبال کیا۔ اور رسمی طور پر خدمات بھی بجالایا۔ چند بکریاں ذبح کیں اور گوشت بکنے تک کلبھی بھونی کہ حضرت کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے فرمایا پہلے جگر کھانا چاہیے۔ خادم نے ادب بجالاتے ہوئے کہا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کی زندگی کو بقائے دوام بخشے میں نے جگر و دل سے دوستی کی ہے۔ حضرت شیخ کو یہ بات بڑی اچھی لگی۔ فرمایا اگر دل میں دوستی ہو تو بہت اچھی بات ہے۔ ابوسعید تو خود دلوں کو ہی پسند کرتا ہے۔ ایک دن رات وہاں گزارا۔ دوسرے دن نیشاپور کو روانہ ہوئے جب نیشاپور پہنچے۔ تو صوفیہ کی ایک جماعت نے کہا۔ کہ حضرت شیخ اپنے تمام افکار و مقالات بھول چکے ہوں گے۔ کیوں کہ انہوں نے دیکھا تھا۔ آپ نے خرقان کے قیام کے دوران ایک بات بھی نہ کی تھی۔ کیونکہ خواجہ ابوالحسن نے کہا تھا۔ کہ تم تو میری آرزو ہو۔ میں نے اللہ سے درخواست کی تھی۔ کہ وہ اپنے دوستوں سے ایک دوست کو بھیجے۔ تاکہ میں تیرے اسرار سے کہہ سکوں۔ جب ہمارے شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ اس سفر میں گئے تو زبان سے بات نہ کرتے تھے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت خواجہ ابوالحسن ہر بار فرمایا کرتے تھے۔ کہ آپ کچھ بات کریں۔ ہمیں نصیحت کریں



وہ فرماتے تھے: "ہمیں آپ نصیحت کریں میں تو سننے آیا ہوں" چونکہ لوگوں کو اس صورت حال کا علم نہیں تھا۔ لہذا انہوں نے آپ کی خاموشی کی وجہ آپ سے ہی دریافت کی آپ نے فرمایا۔  
 اِنِّيَا تُّ تِلْكَ التُّرْبَةُ الِّينَا فَلَمَّا التَّقِينَا فِتِينَا فِي تِلْكَ التُّرْبَةُ  
 اس مٹی کو ہماری آرزو تھی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ہم اس مٹی میں ہی مٹی ہو گئے  
 اور اعلیٰ مقام پر پہنچے۔

حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ میں خرقان اور بسطام کی زیارتوں کا مقصد بیان فرما دیا۔

حضرت خواجہ ابو الفتح فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید ابو الخیر  
 نیشاپور سے مینہہ تک :- نیشاپور سے مینہہ اس وجہ سے منتقل ہوئے کہ آپ کے

دو مریدوں میں جھگڑا ہو گیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ اگر دو شخص آپس میں  
 لڑتے تو آپ خاموش رہتے تاکہ وہ لوگ اپنے اپنے جذبات باہر پھینک سکیں۔ ایک دوسرے  
 کو باتیں کہہ چکے تو حضرت شیخ دونوں کو بلاتے۔ اور صلح کراتے۔ ایک عرصہ موا تھا کہ حضرت  
 کے بیٹے پوتے اور نواسے نیشاپور میں قیام پذیر تھے۔ ان کی ولی خواہش تھی کہ مینہہ میں  
 چلیں۔ اس خاندان کے بڑے اور چھوٹے اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے۔ جب یہ معاملات  
 زیادہ تلخ ہو گئے تو حضرت نے اپنے بیٹے ابو طاہر کو فرمایا۔ کہ ان معاملات کو درست کرو۔ اور  
 ان بچوں کو سمجھاؤ۔ ہمارا دل تنگ آ گیا ہے۔ ہم بھی مینہہ میں جانا چاہتے ہیں۔ ابو طاہر نے  
 اس تیاری کے لئے خاصہ قرضہ حاصل کیا اور ان کیلئے اسباب سفر تیار کیئے۔ چالیس خچریں  
 چالیس درویشوں کے لئے چالیس تھیلے خریدے ہر درویش کا سامان ایک ایک تھیلے میں  
 بند کیا۔ آٹھ درویشوں کو تیار کیا کہ وہ راستے کے متعلق دریافت کریں۔ نیشاپور کے لوگ  
 بھی اس تیاری میں امداد کرتے رہے۔ اور کہتے تھے۔ ہم حضرت شیخ کے بیٹوں اور درویشوں  
 کے جانے کے بعد اچھی طرح دیکھ سکیں گے۔ جس دن یہ سارے لوگ روانہ ہوئے۔ آپ



خود بھی سوار ہوئے۔ اور دروازہ شوخناں تک ساتھ آئے آپ تو وہاں ہی رک گئے ایک ایک شخص آپ کی نظروں میں آتا گیا اور ہر ایک کی خیریت و عافیت پوچھتے اور نصیحت فرماتے اور ایسا ایسا رہنا۔ حتیٰ کے تمام کے تمام آپ کے سلسلے روانہ ہوئے سب آفرین شخص جو حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا خواجہ ابوالفتح تھے۔

خواجہ ابوالفتح بیان کرتے ہیں۔ میں ان دنوں اٹھارہ سالہ تھا۔ جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ تمہاری سواری اور سامان کہاں ہے۔ میں نے عرض کی میں تو پیادہ پا جاؤں گا فرمایا۔ اپنی والدہ کو میرا سلام کہنا بچوں کا خیال رکھیں ہم انشاء اللہ چالیس دن تک تمہارے پاس آجائیں گے میں نے قدم بوسی کی اور روانہ ہوا۔ یہ تک کے واقعات کا تو میں خود چشم دید گواہ ہوں۔ آئندہ کے واقعات حضرت کے خادمان خاص کی زبانی سنے ہیں۔

حضرت خواجہ ابوالفتح راوی ہیں کہ اس سفر میں ہمارے والد مکرم ابوطاہر بھی ہماری ساتھ نہیں تھے۔ وہ وداع کرنے کے بعد پھر حضرت شیخ کے ساتھ واپس نیشاپور پہلے گئے تھے۔ حضرت نے اپنی خانقاہ پہنچ کر اس دن مجلس نہ کی۔ دوسرے دن مجلس میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت کے بیٹے مجلس کے وقت آپ کی نشست کے دائیں ہاتھ بیٹھا کرتے تھے حضرت شیخ کی عادت تھی کہ سوج نکلنے کے ساتھ ہی گھر سے نہ نکلتے۔ اس دن آپ آئے آپ کی نگاہیں اس خالی جگہ پر پڑیں جہاں آپ کے بیٹے بیٹھا کرتے تھے۔ فرمایا۔ ہماری اولاد ہمارے جگہ گوشہ ہیں ہم ان کی خالی جگہ نہیں دیکھ سکتے۔ چونکہ ابوطاہر پر قرضہ تھا۔ اس لئے وہ چند دنوں تک رک گئے ہیں۔ لوگوں نے آپ کی اس بات سے جان لیا۔ کہ آپ عنقریب نیشاپور سے چلے جائیں گے۔ ان کے دل افسردہ تھے۔ وہ آپ کی مجالس سے محروم رہنا پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ جو قرضہ ادا کیا گیا۔ اور تیاریاں ہونے لگیں۔ جب تمام تیاریاں مکمل



ٹرک جانے پر اصرار کیا۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جانے کا وقت قریب آیا۔ تو شیخ محمد جوینی اور انصار امام اسمعیل رحمۃ اللہ علیہما دونوں حاضر خدمت ہوئے۔ ہر ایک دوسرے کو کہتا کہ تم پہلے آغاز گفتگو کرو۔ مگر ادباً کوئی بھی پہل نہیں کرتا تھا۔ آخر دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے حاضر ہوئے اس وقت حضرت شیخ اپنی خانقاہ کے سامنے ایک تخت پر جلوہ فرماتے تھے۔ سلام عرض کیا۔ حضرت شیخ نے ایک کورائیں اور دوسرے کو بائیں ہاتھ بٹھالیا۔ حضرت نے انہیں بہت سے ایسے اسرار بیان فرمائے جو ان تینوں کے بغیر کوئی بھی نہیں جانتا۔ اب ان دونوں بزرگوں نے آپ کو نہ جانے کے لئے گذارش کی بے پناہ اصرار کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا۔ ہاں۔ یہاں بھی میرے نیاز مند ہیں اور وہاں بھی ہم نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے سراسر تسلیماً پیش کیا ہے۔ وہ جس مقام پر چاہئے گا لے رکھے گا۔

انہوں نے کہا۔ حضرت میلنہہ تو ایک  
**حضرت شیخ کی نیشاپور سے روانگی :-** چھوٹا سا قصبہ ہے۔ آپ اس قصبہ  
 میں کیسے قیام کر سکیں گے۔ حضرت نے فرمایا۔ ہم اس جہاں یا اس جہاں میں کیسے قیام کر  
 سکیں گے؟ اس بات پر ان حضرات کو ندامت آئی۔ اور دل میں سمجھ گئے کہ اب حضرت  
 نیشاپور میں نہیں رہیں گے۔ میں نے دلی طور پر آپ کو الوداع کہہ دیا۔ حضرت نے چند دنوں  
 میں تمام امور ضروریہ کو سمیٹا۔ اور تیار ہو گئے۔ گھوڑے پر زین رکھی خانقاہ کے دروازے  
 کے پاس ایک دکان تھی حضرت باہر آئے۔ اور اس دکان پر کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے  
 اردگرد کھڑے اجاب کو فرمانے لگے ہم جس طرح آئے تھے۔ اس جگہ کو ویسے ہی چھوڑے  
 جا رہے ہیں۔ کسی قسم کا تصرف نہیں کیا پھر یہ شعر پڑھا

مرغے بسر کوہ نشرت و برفاست      بگر کے ازاں کوہ چہ افزورد پہ کاست

مریدوں نے کہا۔ یہ قصبہ آپ کے حسن و جمال سے مزین تھا۔ ہم نے آپ کی برکت سے



بڑی آسائشیں حاصل کیں۔ اب آپ کسی کو مقرر فرمادیں۔ تاکہ اگر کوئی مسافر آئے تو محروم نہ جائے۔ ہم نے آپ سے کچھ نہیں لینا جس طرح اللہ کو منظور ہوگا وہی ہوگا۔  
 شیخ نیشاپور سے روانہ ہوئے تو ایک درویش آپ کے ہمراہ تھا درویش کو فرمایا۔ تم واپس چلے جاؤ۔ ہماری خانقاہ کے چھت پر ایک بڑی بڑی ہوئی ہے اسے اٹھا کر باہر پھینک دو۔ اسی دوران تمام عقیدت مندوں نے آپ کی زبانی یہ شعر سنا اور واپس آگئے۔

سہ آنجا کہ مرا با تو ہی ہست دیدار      آنجا دوم داد سے کتم در دیوار  
 حضرت شیخ نے سارے مجمع کو الوداع کہا اور شک کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے گھوڑے پر ٹوٹا ہوا صندوق تھا۔ گھوڑے نے تھوکر کھائی اور ایک پہلو پر گرا۔ حضرت کی ران پر دباؤ پڑا جس سے شدید زخم آیا۔ ران کا گوشت نرم ہو گیا۔ درویشوں نے زمین پر ایک کپڑا بچھا کر حضرت کو وہاں لٹا دیا۔ اسی حالت میں چار درویشوں نے کپڑا اٹھا کر حضرت کے چار درویشوں نے کپڑا اٹھا کر حضرت کو وہاں سے ذرا پیچھے اونچی جگہ لے گئے۔ اور پتھروں کے بنے ہوئے گھر میں رکھ دیا ایک درویش طوس کی طرف سے آ رہا تھا حضرت نے آنکھیں کھول کر اس درویش کو دیکھا۔ اور پوچھا کہ کس جگہ سے آ رہے ہو؟ اس نے کہا۔ طوس سے! فرمایا۔ کہاں جا رہے ہو عرض کیا نیشاپور۔ فرمایا نیشاپور پہنچ کر صوفیوں کے گھر جانا۔ اور انہیں ہمارا سلام دینا انہوں نے مجھے جانے سے بہت منع کیا تھا۔ مگر میں نہ رکا انہیں کہنا۔ گھوڑے کی غلطی تھی۔ ہماری غلطی نہیں تھی۔  
 شیخ کو اس گھاٹی سے اٹھا کر طوس لے آئے۔ استاد ابو بکر ان دنوں طوس میں موجود تھے۔ گاؤں کی خانقاہ رفیقاں میں پہنچے وہاں سے آپ کو پالکی میں ڈال کر لوگوں نے کندھوں پر اٹھایا اور مینہ میں لے گئے آپ چند روز تک بیمار رہے پھر صحت یاب ہو گئے۔



ابوالفضل محمد بن نوقانی عارف رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے

یہ کیسے صوفی ہیں؟ ہیں کہ جب حضرت ابوسعید ابوالخیر نیشاپور سے مینہ

آ رہے تھے تو ہم پہاڑ کی بلندی پر تھے۔ ایک شخص ہمارے ساتھ تھا وہ دل میں کہہ رہا تھا کہ یہ کیسے لوگ ہیں۔ کلچہ۔ حلوا۔ اور رنگارنگ کے کھانے ساتھ لئے کھاتے جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم صوفی ہیں۔ حضرت اس کے دلی ارادے کو بھانپ گئے اور نہ چاہتے تھے کہ وہ شخص اس بدگمانی پر کسی قسم کا نقصان اٹھائے اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا اس پہاڑ کے اس طرف جاؤ۔ اور ہمیں واپس آکر بتاؤ کہ وہاں تم نے کیا دیکھا ہے۔ وہ شخص اٹھا۔ اور پہاڑ کے اس طرف گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا اثر دہا لیتا ہوا ہے۔ ڈر کر بھاگا۔ اور حضرت کی خدمت میں آکر کھڑا ہوا۔ ڈر کے مارے منہ سے لفظ نہیں نکلتا تھا۔ کانپتا کانپتا کچھ کہہ نہ سکا۔ حضرت نے پوچھا کیا دیکھ کر آئے ہو۔ وہ ابھی کچھ کہہ نہ سکا تھا کہ آپ نے فرمایا۔ وہ اثر دہا ایک عرصہ سے ہمارا دوست ہے۔ وہ آدمی شرمندہ ہوا۔ اور آپ کے پاؤں پر گر کر معافی چاہی۔!

حضرت شیخ نیشاپور سے مینہ میں آ رہے تھے۔

بے نماز سو رہا تھا :- راستے میں ایک مقام پر ٹھہرے۔ نماز کا وقت تھا

تمام درویشوں نے وضو کیا۔ موذن نے اذان دی۔ تمام نے سنتیں ادا کیں۔ اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے صف بستہ ہو گئے۔ ایک درویش شاید تھکا ہوا تھا۔ ابھی سو رہا تھا۔ آنکھ کھلی تو تمام لوگ فرضوں کی دوسری رکعت ادا کر رہے تھے۔ اب اسے ندامت آئی کہ اب اٹھ کر نماز پڑھے۔ اسی طرح سو رہا۔ شرمندگی سے چاہتا تھا کہ یہ سب لوگ نماز پڑھ کر ادھر ادھر چلے جائیں گے تو اٹھ کر نماز پڑھ لے گا۔ ایک چور نے دیکھا کہ تمام درویش نماز میں مشغول ہیں۔ ان کا سامان چوری کر لیا جائے وہ سامان کے پاس آیا۔ درویش جاگ رہا تھا۔ محض بہانے سے سو رہا تھا۔ ایک پتھر اٹھایا اور چور



کے دے مارا چور جان گیا۔ کہ مجھے کسی نے دیکھ لیا ہے۔ بھاگا۔ اور کچھ نہ اٹھا سکا تمام لوگ اس بات سے بے خبر تھے۔ کیونکہ ان کی نماز کے وقت پشتیں سامان کی طرف تھیں نماز ادا کرنے کے بعد اسے سویا دیکھا تو کہنے لگے یہ بے نماز ابھی تک سویا ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ بے نماز نمازیوں کے سامان کی حفاظت کرتا ہے۔ لوگوں کو کچھ معلوم نہ ہوا۔ کہ آپ نے کیا کہا۔ جب اپنے سامان کے پاس آئے۔ سارے واقعہ کا علم ہوا تو پھر انہیں معلوم ہوا کہ شیخ نے کیا کہا تھا۔

لوگوں نے یہ روایت میرے جد امجد شیخ **رفیق و شنیدیم و دیدیم و یافتیم!** الاسلام ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی بیان کی ہے کہ حضرت شیخ ابو سعید ابو الحیر نے ایک بار مجلس کے دوران فرمایا العلماء درشتہ الانبیاء و علماء کرام انبیاء کے وارث ہوتے ہیں، آج میں اسی حدیث پر گفتگو کروں گا اس وقت ایک ایسا شخص مینہ میں آیا ہے جسے اللہ اور اس کا رسول دوست رکھتے ہیں اور وہ شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے دجل جبارہ، وصل اللہ علیہ وسلم، یہ بات حضرت رسول کریم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق کی تھی۔ آج ہم اسی بات کی روشنی میں وراثت نبوت پر گفتگو کریں گے۔ یہ بات کہہ کر آپ نے اپنے بیٹے ابوطاہر کو حکم دیا۔ کہ تم درویشوں کے خدمت گزار ہو۔ اٹھو! اور حضرت یحییٰ تشریف لا رہے ہیں ان کا استقبال کرو۔ خواجہ ابوطاہر اٹھے۔ ایک جماعت ان کے ساتھ تیار ہو گئی اور استقبال کے لئے باہر نکلے۔ ایک درویش پیاز کی بندی سے اتار رہے تھے۔ جن کے کپڑے گرے آلود تھے۔ ایک کوزہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے اور کندھے پر ایک بوری اٹھائے پلے آ رہے ہیں۔ مینہ میں پہنچے تو حضرت شیخ ابھی تک منبر پر بیٹھے و عطر فرما رہے تھے۔ یحییٰ ماوراہنری کی نکا ہیں حضرت کے چہرے پر پڑ بس۔ تو دوسرے ادباً سر جھکا دیا۔ مشہد کے روازے پر ہی ایک دکان تھی۔ وہاں پہنچے تو حضرت نے اشارہ کیا کہ وہاں ہی بیٹھ جائیں۔ وہ درویش



بیٹھ گئے۔ اب تمام اہل مجلس کی نکالیں اس درویش پر لگی ہوئی ہیں۔ حضرت مجلس سے فارغ ہوئے تو فرمایا: یحییٰ کو غسل کرائیں۔ یحییٰ اٹھے غسل کیا۔ نئے کپڑے پہنائے گئے۔ یہ بزرگ تین دن تک حضرت کے پاس رہے۔ ہر روز حضرت کی مجلس میں بیٹھتے آپ بات کرتے وقت انہیں کی طرف منہ کرتے۔ یحییٰ آپ کی ہر بات کو نہایت غور سے سنتے۔ چوتھے دن اٹھے اور عرض کی حضرت میں حج بیت اللہ کے ارادے سے نکلا ہوں۔ اب مجھے اجازت دیں حضرت نے فرمایا۔ مبارک ہو۔ ہمارا اسلام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا روانہ ہونے جب تک انہیں حضرت دکھائی دینے رہے۔ اٹھے پاؤں پلنے رہے نظروں سے غائب ہوئے تو سیدھے چلے حضرت شیخ نے اپنے بیٹوں اور درویشوں کو حکم دیا تھا کہ یحییٰ کو وداع کرنے جائیں۔ تمام بیٹے اور درویش ساتھ ہوئے۔ ان لوگوں میں ابو بکر مودب جو آپ کے بیٹوں کے استاد تھے۔ بھی شامل تھے۔ آپ کو حضرت شیخ نے حکم دیا کہ اس الوداعی پارٹی میں آپ بھی جائیں۔ جہاں تک ہو سکے یحییٰ کے قدموں پر قدم رکھتے جائیں۔ ابو بکر مودب دوڑے اور حضرت شیخ کے حکم کے مطابق قدموں پر قدم رکھتے گئے۔ سب سے آخری جس شخص نے انہیں الوداع کیا۔ اور سب کے بعد جدا ہوئے رہ حضرت ابو بکر مودب ہی تھے۔

دوسرے سال ہی موسم تھا اور غالباً یہی دن تھے کہ حضرت شیخ نے مجلس میں حکم دیا کہ لوگو! یحییٰ کے استقبال کے لئے آگے بڑھو۔ خواہ ابو طاہر ایک مجمعے کے استقبال کو نکلے۔ جناب یحییٰ کو دیکھنے آرہے ہیں۔ وہی لوٹا ہانڈا میں۔ وہی بوری کندھے پر اٹھائے حضرت کے بیٹوں اور درویشوں کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ اسی مکان پر آ بیٹھے حضرت شیخ حسب سابق منبر پر بیٹھے وعظ فرما رہے تھے۔ آگے بڑھے ہدیہ سلام پیش کیا دست بوسی کی حضرت نے بھی آپ کے سر پر بوسہ دیا۔ مجلس میں بیٹھے تو آپ نے فرمایا یحییٰ! حضرت کی فتوحات میں سے اس مجلس میں بھی کچھ حصہ دینا چاہیے۔ ان کا بھی حق ہے۔ یحییٰ نے سراٹھایا۔ اور فرمایا یا حضرت۔



رفقتم۔ شنیدیم۔ دیدیم۔ دیا فقیم۔ ہم گئے۔ سنا۔ دیکھا اور بہت کچھ پایا۔ مگر یار تو وہاں نہیں تھے۔ حضرت شیخ نے سن کر ایک نعرہ بلند کیا۔ اور فرمایا۔ ایک بار پھر کہو۔ انہوں نے وہی الفاظ دہرائے۔ شیخ نے پھر نعرہ مارا۔ اور کہا ایک بار پھر کہو! انہوں نے پھر کیا حضرت نے پھر نعرہ مارا۔ اب حضرت شیخ نے مجمع کو مخاطب کیا۔ اور کہا اس سچے شخص نے سچ کہا! پھر فرمایا۔ یحییٰ ان فتوحات کے بعد شکرانہ بڑا ضروری ہے۔ درویشوں کو فرمایا۔ شکرانے کی تیاری کرو۔ آج رات تمام مجمع کو باداموں کا علوہ جس میں زعفران پڑا ہوا ہو کھلایا جائے گا۔ حسن موڈ۔ خواجہ ابوطاہر اور یحییٰ اٹھے۔ باہر نکلے۔ بڑے فکرمند تھے کہ ایسے علوہ کے لئے مینہہ سے کب چیزیں ملیں گی۔ ایک سو سے زیادہ لوگ ہیں۔ حسن موڈ کہتے ہیں۔ کہ ہم سر بازار ایک دوسرے سے باتیں کرتے جا رہے تھے کہ ایک شخص دوڑا دوڑا آیا۔ اور کہنے لگا میں حضرت شیخ کے خادموں کو تلاش کر رہا تھا۔ آپ لوگ آگئے وہ نوجوان ہمارے نزدیک آیا۔ اور کہنے لگا۔ ہمارا ایک بڑا قافلہ اسی علاقے سے گزر رہا تھا کہ ڈاکوؤں کے جھٹے نے حملہ کر دیا۔ میں نے اسی وقت نذرمانی کہ اگر آج پنج گئے۔ تو باداموں کی ایک بوری مینہہ کے درویشوں کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اللہ نے ہمیں بچالیا آپ لوگ میرے ساتھ قافلہ میں چلیں۔ ہم اس نوجوان کے ساتھ گئے تو اس نے باداموں کی بوری پیش کی۔ ایک شخص اور آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا۔ میں نے نذرمانی تھی کہ دس سیر میدہ دوں گا۔ تیسرا آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا۔ میں نے پانچ دینار نیشاپوری نذرمانی تھی۔ یہ حاضر خدمت ہیں! ہم یہ ساری چیزیں لے کر واپس آگئے۔ امیر مینہہ خواجہ حمویہ راستے میں ملے۔ دریافت کیا۔ کہ کہاں گئے تھے۔ ہم نے تمام واقعات سنائے اس نے بھی بانئیں سیر نان اور ان کے لوازمات دیئے۔

واپس آکر حضرت شیخ کے حکم کے مطابق دعوت تیار کی۔ سارے مجمع نے یہ پُرطف دعوت کھائی۔ یحییٰ تیس دن مینہہ میں رہے اور پھر ماوراہنر چلے گئے۔



شیخ ابو عمر بخشوانی بڑے بزرگ اور اللہ کے عزیز  
 شیخ ابو سعید کے تین خلال :- بندوں میں سے ہوئے ہیں۔ آپ تیس سال مکہ مکرمہ

میں مجاور رہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اَلْيَهُ اَيْمَنِي لَوْ عَلَى الْبَدَنِ وَالْيَهُ الْيُسْرَى  
 لَا سَفَلَ الْبَدَنُ رِوَايُنْ هَاتِهَ بَدَنِ كِى اَعْلَى اِحْصُوں پُر اُو رِبَايُنْ هَاتِهَ بَدَنِ كِى زِيْرِيْن  
 حْصُوں كِى لُنْ هُءِ اَكِي رُوْشْنِي مِيْن مِيْن نِي تِيْس سَال تِك دَايُنْ هَاتِهَ كُوْنَا فِ سِيْنِيْجِي اسْتِعْمَال  
 نِيْس كِيَا۔ اِيْسِي هِي مِيْرَا بَايَاں هَاتِهَ نَا فِ سِيْنِيْجِي نِيْس كِيَا۔ هَاں كِيْجِي كِي سُنْت كِي اِتْبَاع مِيْن  
 اِيْسَا هُوَا هُو۔ تُو هُوَا هُو۔ اِيْسِي اِحْتِيَاطِي مَعَامَلَات بِيْسْت مِلْتِي هِيْن۔

آپ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت عالم اسلام میں  
 پہنچی تو حرم کے علماء و مشائخ نے کیا۔ کہ کوئی آدمی بھیج کر معلوم کرنا چاہیے کہ واقعی شیخ کو وہ مقام  
 حاصل ہے جس کی شہرت ہے۔ اس سلسلہ میں کسی تجربہ کار پختہ علم عالم دین۔ اور صاحب دل  
 انسان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ سب علماء و مشائخ کی نگاہیں۔ شیخ ابو عمرو پر جمیں۔ ان  
 سے درخواست کی گئی کہ وہ مینہہ میں جا کر شیخ کو ملیں۔ اور صحیح خبر لائیں حضرت شیخ ابو عمرو  
 طوس پہنچے۔ وہاں سے مینہہ آئے۔ راستے میں آپ نے سترہ بار غسل فرمایا۔ یہ غسل بھی اس لئے  
 کرتے کہ جب کوئی دنیاوی خیال آتا تو اپنے آپ کو پاک کرنے کے لئے غسل فرماتے۔ مینہہ کے  
 پاس پہنچے۔ تو نماز ظہر کا وقت تھا۔ اس وقت اذان ہو چکی تھی۔ مؤذن سنتیں پڑھ کر شیخ کے اشارے  
 کا منتظر تھا۔ کہ وہ تکبیر کی اجازت دیں حضرت نے مؤذن کو فرمایا۔ تھوڑی دیر رک جاؤ۔ ایک  
 زندہ دل بزرگ تشریف لارہے ہیں۔ مل کر نماز پڑھیں گے۔ آپ کو بصیرت سے معلوم ہو گیا  
 تھا۔ کون آ رہا۔ کیوں آ رہا ہے۔ کس وقت پہنچ رہا ہے۔ ادھر حضرت ابو عمر موضع مینہہ سے  
 تین میل دور قدم رکھتے ہی پا برہنہ ہو گئے۔ حضرت شیخ نے اپنے بیٹوں۔ اور دوسرے  
 احباب کو حکم دیا۔ تم لوگ بھی ننگے پاؤں ایسے شخص کے استقبال کے لئے آگے بڑھو جس سے  
 زیادہ پاکیزہ اور بابرکت پاؤں آج تک مینہہ کی سرزمین پر نہیں پڑے۔ تمام لوگوں نے استقبال



کیا شیخ ابو عمر مسجد میں آئے سنتیں پڑھیں حضرت شیخ کو سلام عرض کیا نماز باجماعت ادا کی اور فارغ ہو کر دونوں باتیں کرنے لگے۔ اس طرح درنوں حضرات تین دن رات یکجا ہم محاسن ہے اور خلوت کدہ میں کسی دوسرے کو جانے کی اجازت نہ تھی تین دن بعد ابو عمر نے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا: شیخوان ہوتے جانا۔ آپ اس علاقہ میں ہمارے نائب اور خلیفہ ہوں گے اور سب اولیاء اللہ سے بلند رتبہ ہوں گے۔ حضرت ابو عمر آپ کا اشارہ پا کر شیخواں روانہ ہوئے۔ وداع کے وقت آپ نے ابو عمر کو تین غلال دیئے اور فرمایا اگر ایک غلال کے دس دینار ملیں نہ دینا۔ بیس دینار ملیں نہ دینا۔ تیس دینار ملیں۔ اس پر آپ چپ ہو رہے۔ شیخ ابو عمر وادوداع کہہ کر شیخوان کو روانہ ہوئے۔ وہاں آپ ایک حجرے میں قیام پذیر ہوئے اب یہ حجرہ خانقاہ ابو عمر کے نام سے مشہور ہے اس علاقہ کے لوگ جو درجہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، ان کے لوگ بھی پہنچنے لگے۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر جمعرات کو ختم شریف کراتے۔ آپ کے مرید گاؤں کے لوگ اور اردگرد کے مواضع کے لوگ اس ختم میں شریک ہوتے ختم سے فارغ ہوتے۔ تو آپ پانی کا کوزہ لیتے اور حضرت ابو سعید کا غلال اس میں بگوتے اور پانی بیماریوں کو پلاتے جاتے۔ غلال کی برکت سے جو پانی پیتا شفا یاب ہوتا۔ ان دنوں شیخواں میں ایک رئیس آدمی تھا اسے بعض اوقات درد قویخ اٹھا جس سے وہ بے تاب ہو جاتا ایک دن اس رئیس آدمی کو درد قویخ نے آلیا۔ کوئی علاج کارگر ثابت نہ ہوا۔ ایک شخص حضرت ابو عمر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہ آپ کے پاس غلال ہے اس کا پانی عنایت فرمائیں۔ تھوڑا سا پانی بھیجا تو رئیس صحت یاب ہو گیا۔ دوسرے دن وہ رئیس حاضر خدمت ہوا۔ عرض کی حضرت آپ کے پاس تین غلال ہیں۔ ایک مجھے فروخت کر دیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا دو گے۔ رئیس کہنے لگا۔ دس دینار۔ آپ نے فرمایا نہیں اُس نے کہا۔ بیس لے لیں۔ آپ پھر خاموش رہے۔ اس نے کہا تیس لے لیں۔ یہ کہہ کر رئیس خاموش رہا۔ آپ نے فرمایا۔ لے لو۔ ابو عمر نے رئیس کو حضرت شیخ کی گفتگو سنائی کہ آپ نے تیس سے کم فروخت کرنے سے منع فرمایا تھا۔ آپ نے تیس دینار لینے



اور خانقاہ کی تعمیر میں خرچ کر دیئے۔

جب تک وہ رئیس آدمی زندہ رہا۔ خلال کو اپنے پاس رکھا۔ موت سے پہلے اس نے وصیت کی۔ کہ خلال کے ٹکڑے کر کے کفن کے ساتھ اس کے منہ میں رکھ دینا۔ دوسرے دنوں خلال شیخ بو عمرو کی ساری زندگی کے دوران عوام الناس کے لئے خیر و برکت کا سرچشمہ رہے آپ نے بھی وصیت کی کہ مرتے وقت ان دونوں خلالوں کو میرے ساتھ دفن کرنا۔ چنانچہ دونوں خلال آپ کے ساتھ دفن کئے گئے۔

خواجه ابوالقاسم زہاد حضرت شیخ کے مرید تھے۔ بڑے  
**وَضُوءٍ عَلَى الْوَضُوءِ نُورٌ** :- سفر کئے اور ریاضتیں کیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں کوفہ سے نکلا اور حجاز جانے کا ارادہ کیا۔ میرے ساتھ ہی مشائخ کرام کی ایک جماعت تھی۔ باہر آئے تو بعضوں نے کہا۔ کہ ہم تجرید اختیار کریں۔ بعضوں نے کہا۔ توکل اختیار کریں۔ میں نے دل میں کہا۔ ابوالقاسم بیداری اختیار کر دو جو قدم رکھو۔ بیداری سے رکھو۔ چنانچہ میں نے اسی عزم کے ساتھ وادی طے کی۔ واپسی پر حضرت شیخ کے شہر کے نزدیک سے گزرا۔ رات حضرت شیخ کی مسجد میں گزار دی۔ شیخ کے پیچھے نماز پڑھی۔ میرا سر شیخ کے قدموں کو چھوتا تھا۔ رات کے وقت غسل کیا۔ تو مجھے سینے میں ایک نور آتا دکھائی دیا۔ مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ سحری کے وقت میں نے پھر غسل کیا۔ تو مجھے اور نور آتا محسوس ہوا۔ جس سے میں مزید خوش ہوا۔ جس وقت غسل کرتا نور میں اضافہ محسوس کرتا۔ میں نے دل میں کہا۔ میں جو چاہتا تھا مجھے مل گیا۔ دوسرے دن حضرت شیخ قدس سرہ اپنی خانقاہ سے نکلے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا میں دل ہی دل میں فخر کر رہا تھا۔ حضرت نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ رات کی کیفیت تم بیان کرو گے یا ہم بتائیں۔ میں نے عرض کی حضرت آپ ہی فرمائیں۔ یہ بکات تمہارے رستے کی ریاضتوں سے نہیں ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا فیضیان ہے **الْوَضُوءُ عَلَى الْوَضُوءِ نُورٌ** وضو پر وضو کرنا نور، علی نور ہے۔ یہ وضو کا نور ہے اس پر مغرور نہیں ہوتا چاہیے میں اپنے



آپ میں آیا۔ اور غرور و عجب سے توبہ کی۔

عراق و خراساں آل سلجوق کے حوالے کر دیا۔ جن دنوں سلجوقیوں نے بخارا خراساں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ فوجی مینہہ کی طرف بھی بڑھے۔ خراسان کے اکثر لوگ ان کے ساتھ مل گئے۔ کچھ انہوں نے جنگی ضرورت کے لئے بھرتی کر لئے۔ یہ حملہ سلطان محمود کی نااہلی کی وجہ سے ہوا تھا۔ تاریخ کا یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ سلطان مسعود ظلم و فساد ہو میں مصروف ہو گیا تھا۔ یہاں ان واقعات کی تفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ اور یہ بات ہمارے موضوع سے باہر ہے، سلطان مسعود نے سلجوقیوں کو اپنے سفیر کے ذریعہ انتباہ کیا کہ وہ ادھر نہ بڑھیں مگر انہوں نے کہلا بھیجا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس تمام انقلابی حالات کا حضرت شیخ کو پہلے ہی علم تھا۔ ان دنوں دونوں بھائی جعفری اور طغرل حضرت کی زیارت کو آئے حضرت شیخ اپنے مشہد میں تمام صوفیہ اور درویشوں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ یہ دونوں بھائی آپ کے منبر کے پاس آئے۔ قدم بوسی کی۔ اور خدمت میں کھڑے رہے۔ حضرت شیخ چند لمحے مراقبہ میں رہے۔ سر اٹھایا تو فرمایا۔ جعفری ہم نے سارا خراسان تمہیں دے دیا ہے اور عراق طغرل کو دے دیا ہے۔ دونوں ادب بجالا کر چلے گئے۔

اس واقعہ کے بعد سلطان مسعود کا لشکر جگ کرنے لگا۔ مینہہ تک فوجیں آئیں مینہہ کی ساری آبادی قلعہ میں محصور ہو گئی۔ حضرت شیخ اپنے درویشوں کو لے کر قلعہ بند ہو گئے مینہہ میں ادھر ادھر کے لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔ اس طرح یہ قصبہ لوگوں سے پُر ہو گیا قلعہ میں اکتالیس ایسے نوجوان تھے جو تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ جہاں نشانہ لگاتے خطانہ جاتا۔ ان لوگوں نے سلطان مسعود کے بہت سے قابل فوجی چن چن کر نشانے میں رکھے اور ہلاک کر دیئے حسن مودب کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ نماز عشا پڑھ رہے تھے۔ حضرت شیخ نے مجھے حکم دیا کہ باد نہ میں جاؤ۔ یہ گاؤں قلعہ سے تقریباً چھ میل دور تھا وہاں فلاں بوڑھی عورت ہوگی



اسے میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ گائے کے گھی کا فلاں برتن جو ہمارے لئے تم نے رکھا ہوا ہے  
 دے دو۔ مجھے قلعہ کی عقبی دیوار سے ایک رے کے ذریعہ نیچے پہنچا دیا گیا۔ میں باد نہ میں پہنچا  
 رات کے اندھیرے میں کسی نے مجھے نہیں دیکھا۔ گھی لے کر واپس آیا۔ سحری کے وقت قلعہ کی  
 دیوار کے نیچے پہنچا تو قلعہ والوں نے مجھے اسی رے سے اوپر کھینچ لیا۔ میں حضرت کی خدمت میں  
 حاضر ہوا۔ اس وقت آپ نماز صبح کی تیاری کر رہے تھے۔ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت  
 ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور چوبیس آگ سے بھڑکنے لگے۔ برتن رکھ دیئے گئے۔ اور گھی ان برتنوں  
 میں ڈال کر گرم کرنے لگے لوگوں کو کوئی خبر نہیں تھی کہ یہ کیوں گرم کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف  
 لوگ سلطان مسعود کی فوجوں سے جنگ بھی کر رہے تھے۔ اور بعض حضرات صلح کی باتیں بھی کر رہے  
 تھے۔ مینہ کے رئیس نے سلطان مسعود سے صلح کر لی۔ اور شرط یہ قبول کی کہ ان اکتالیس تیراندازوں  
 کو سلطان مسعود کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ سلطان نے ہر ایک کا دایاں ہاتھ کٹوا دیا۔ وہ  
 لوگ روتے روتے آئے تھے۔ حضرت شیخ ان کے کٹے ہاتھوں پر گرم گرم گھی لگاتے جاتے اور  
 آنکھوں سے آنسو بہاتے جاتے تھے۔ اور کہتے جاتے مسعود نے اپنے ملک کے ہاتھ کاٹ  
 دیئے ہیں۔

بادشاہ کی اس سختی نے سارے ملک میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔ اس کی فوجیں یہ علاقہ  
 فتح کر کے مرو کی طرف چلی گئیں۔ وہاں سلجوقیوں کو ان کے آنے کی اطلاع ملی۔ تو صف آرا ہو گئے  
 سلطان مسعود کو شکست ہوئی۔ سارا ملک مسعود کے خاندان کے ہاتھوں نکل کر سلجوقیوں کے قبضہ میں  
 آ گیا۔ جعفری کو سامان کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ اور طغرل عراق کے علاقہ پر حکمران بن گیا۔

ایک بار حضرت شیخ نے ایک مجلس میں طغرل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ایک وقت تھا جب  
 طغرل بیگ مینہ میں آیا تھا۔ اس کے پاس گھوڑے کی ایک زین اور سونے کے لئے  
 ایک غدہ تھا۔ کسی آدمی کو ہمارے پاس بھیجا کہ ہم مسافر ہیں۔ اور آپ لوگوں کے مہمان ہیں  
 سے لئے تھوڑا سا آٹا بھیج دیں۔ آٹا بھیجا تو یہاں سے سرخس کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرخس



کے علاقہ میں طفل بگ کے بہت ماننے والے تھے۔ جو بھی اسے ملتا اس سے گھوڑا شکر کے لئے لے لیتا۔ اس طرح اس نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کا ایک منظم لشکر تیار کر لیا۔ دوسرے خود بخود اس کے زیر اطاعت آتے گئے۔ مسعود سوری (غزنوی) نے اسے پیغام بھیجا۔ یہ تم کیا کر رہے ہو کیا ہمیں مجبور کرتے ہو کہ ہم اس علاقہ میں آئیں۔ اور تمہاری سرکشی کو دبا دیں۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا یہ نہ تو ہمارا کام ہے۔ نہ ہی تمہارا یہ ساری تحریک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جو کچھ وہ چاہے گا ہو کر رہے گا۔ ہم نے اسی وقت کہہ دیا تھا۔ کہ جس شخص کو اللہ کی ذات پر اتنا پختہ ایمان ہے۔ ایک وقت آئے گا۔ کہ دنیاوی حکمرانی اسے ملے گی۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ سارا خراسان اس کے زیر نگیں ہے۔

حسن مودب بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت شیخ قدس سرہ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ میں حسب معمول رکاب تھا۔ مے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ آپ آہستہ آہستہ فرماتے جاتے تھے۔ اے اللہ! میں بوڑھا ہوں ضعیف ہوں۔ بے طاقت ہوں فضل کرو۔ اور درگزر فرما۔ یہ بات کہتے ہی آپ کا گھوڑا بدکا۔ اور سر کے بل گرا۔ حضرت شیخ بھی گھوڑے سے گر پڑے مگر کوئی زخم نہ آیا۔ زبان سے فرمایا۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ اِنْ كَانَ اَمْرًا لِلَّهِ قَدَرًا مَقْدَرًا ط سجدہ شکرانہ ادا کیا۔ حسن کہتے ہیں۔ میں نے جان لیا۔ کہ حضرت کی تضرع اور دعا اس ناویدہ حادثہ پر تھی۔ جس سے یہ مصیبت ٹل گئی۔

میرے جد امجد حضرت شیخ الاسلام ابو سعد فرماتے ہیں کہ میں شیخ کی ایک نگاہ نے اپنے والد حضرت ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا۔ کہ مینہ میں ایک بوڑھا آدمی تھا۔ وہ رشتہ میں میری والدہ کا ماموں تھا۔ لوگ اسے شبونی کہا کرتے تھے۔ وہ عمر رسیدہ۔ چھوٹے قد۔ گھنی داڑھی اور درویش صورت شخص تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتا تھا۔ حضرت شیخ کی کوئی مجلس بھی نہ چھوڑتا۔ آنکھوں سے آنسو اور دل میں سوز رکھتا۔ ایک دن حضرت کی مجلس وعظ میں اس پر رقت طاری ہو گئی۔ مجلس



ختم ہوئی۔ اہل مجلس اٹھ کر چلے گئے۔ تو ہوش آیا۔ اٹھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے اس کے گلے میں کانٹا ہوتا ہے۔ حضرت نے پوچھا۔ کیا ہو گیا تھا۔ کہنے لگا۔ مجھے معلوم نہیں آپ نے فرمایا معلوم تو ہونا چاہیے۔

دوسرے دن مجلس شروع ہوئی تو حضرت نے فرمایا۔ شبوئی کی کمر پڑیکا کو باندھو اور اُس کی آستینیں لپیٹ دو۔ ہاتھ میں ایک جھاڑو پکڑو۔ وہ مسجد کو صاف کرے گا۔ بیچارہ بوڑھا جھاڑو پکڑے مسجد کو صاف کر رہا تھا۔ اس وقت مینہ کے رئیس خواجہ محمود یہ حضرت کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے دل میں آیا۔ یہ فریضہ تو کسی نوجوان کے سپرد ہونا چاہیے تھا۔ یہ ضعیف بوڑھا اس کام کو کس طرح کرے گا۔ حضرت شیخ نے معلوم کر کے فرمایا۔ خواجہ! اس بوڑھے کی ارادت بڑھاپے میں ظاہر ہوئی ہے۔ جب تک راستہ طے نہ کیا جائے۔ منزل مقصود پر نہیں پہنچا جاسکتا۔ بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو آگئے کہنے لگا۔ حضرت میں بوڑھا ضعیف ہوں اور علیل ہوں۔ میرے حق میں دعا رحمت فرمائیے حضرت شیخ نے سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سراٹھا کر فرمایا۔ جھاڑو زمین پر پھینک دو۔ تمہارا کام ہو گیا!

میرے والد محترم خواجہ ابو طاہر فرماتے ہیں کہ نماز ظہر کے وقت بعض صوفیاء درویشوں کے لئے گندم پسانے پن چکی پر لے جا رہے تھے۔ یہ بد امنی کا زمانہ تھا ترکمانوں کے فتنے سے لوگ ہراساں تھے میں نے شیخ سے کہا کہ پن چکی پر کسے بھجوں۔ فرمانے لگے۔ شبوئی کو میں تے چند درویشوں کے ساتھ اسے بھیج دیا۔ جب یہ لوگ پن چکی میں پہنچے۔ تو دروازہ بند کر کے چکی چلانے لگے اور آٹا تیار کرنے لگے۔ اسی اثناء میں ڈاکو ترکمانوں کا ایک جتہ دروازے کے باہر آ پہنچا۔ اور دروازہ کو ٹنا شروع کر دیا۔ لیکن درویشوں نے دروازہ نہ کھولا۔ یہ بوڑھا شبوئی دروازے کے پیچھے پشت لگا کر کھڑا رہا۔ ایک ترکمان نے دروازے کے سوراخ سے ایک تیر مارا۔ جو شبوئی کی پشت کو چیرتا ہوا پار ہو گیا۔ اسی حالت میں شہید ہو گیا۔ اسے ایک پھر سپلا دکر مینہ میں ملایا گیا۔ حضرت کے گھر کے دروازے کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے اس کے سفید بدن کو خون



سے سرخ دیکھا۔ تو رونے لگے اور فرمایا فَمِنْكُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ  
يَنْتَظِرُ۔ نماز جنازہ ادا کی۔ دوسرے دن اس کی قبر پر مجلس برپا کی گئی۔ حضرت کی مجلس میں  
رئیس مینہ خواجہ جموی نے دل ہی میں کہا۔ بھلا اس ضعیف کو مارنے سے ان لوگوں کو کیا حاصل ہوا  
ہے۔ حضرت شیخ نے خواجہ کے دل کی بات بھانپ لی۔ اس کی طرف منہ کر کے فرمایا۔

چندیں چہ زنی نظارہ کرد میداں - انہجام اژدہاست و زخم ہیداں  
تاہر کہ در آید بہ ہنداؤ دل دجاں - فارغ چہ کند گرد سرائے سلطان  
وصلی اللہ علیہ و محمد والہ اجمعین۔ ہاتھ منہ پر پھیرا۔ اور منبر سے

نیچے اتر آئے۔

ماورالنہار میں بزرگان دین اور صوفیاء کی ہمیشہ ایک ایسی جماعت رہی ہے جن کی اپنی  
اپنی مخصوص نشست گاہیں ہوتی ہیں۔ اور طریقت میں بڑی خوبصورت گفتگو کرتے ہیں ان کے  
ایک پر طریقت ہوتے ہیں۔ جو بڑے ہی بزرگ انسان ہیں۔ بہت سے مرید ہوتے ہیں ان کے  
ہر مرید کے ہاں ایک ایک ایسا محب ضرور ہوتا ہے جو دنیا داری میں صاحب ثروت ہو۔ وہ  
محب انہیں اپنے گھر میں جگہ دیتا ہے ان کے معمولات میں ایک بات ضروری ہوتی ہے کہ جب  
نماز عشاء سے فارغ ہو کر اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر اسی طرح مصلوں پر بیٹھے رہتے ہیں  
ساری رات مراقبہ میں گزارتے ہیں صبح کی نماز کے بعد پیر گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔ اس رات  
جس کسی کو کوئی مشکل پیش آتی ہے۔ یا قلبی خطرات سے دوچار ہوتا ہے اس کا حل یا جواب دیتے  
ہیں۔ اس ضمن میں جو کچھ کہنا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں۔ اس صوفیاء کی جماعت کا ایک خادم عمران نامی  
تھا یہ شخص بڑا سرگرم خدمت گزار تھا۔ ایک رات اس کے دل میں خیال آیا۔ کہ یہ عجیب بات ہے  
کہ اگر میں اسے طلب کرتا ہوں۔ تو مجھے حکم ہوتا ہے۔ اے ناکس تم کہاں اتنی جلدی کرتے ہو۔ کیا  
خیال کرتے ہو کہ اتنی جلدی مجھے پا لو گے؟ اور اگر میں طلب نہیں کرتا تو حکم آتا ہے و سارِعُوا  
ر جلدی کرو، اگر غیر اللہ کی طلب کرتا ہوں تو تنبیہ ہوتی ہے کہ تم مشرک ہو؟ اگر واپس لوٹو



تو ارشاد ہوتا ہے کہ تم مرشد ہو؛ اسی سوچ میں عمران کی ساری رات گذر گئی علی الصبح پرورد  
 مرشد نے گفتگو کا آغاز کیا۔ تو تمام مریدوں کی مشکلات کا حل بتانے آئے۔ جب عمران کی باری آئی  
 تو عمران اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اپنی مشکل بیان کی۔ کہ ایک شخص طلب میں نکلا۔ تو ساری عمر اسی طلب  
 میں گزار دی۔ کبھی طاعت کرتا ہے۔ کبھی مجاہدہ کرتا ہے اس طرح ساری ساری عمر اسی طلب میں  
 بسر ہوتی ہے مگر جس طلب کے لئے یہ سب کچھ کرتا ہے وہ حاصل نہیں ہو سکی۔ پیر نے اپنا مراقبہ  
 میں نیچا لیا۔ اور اس اشکال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ بہت فکر کیا مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ سر  
 اٹھا کہ کہہ عمران! تھوڑے دن صبر کرو۔ جمعہ کے دن سارے مشائخ جمع ہوں گے۔ ہر ایک سے  
 اس مسئلہ پر سوال کیا جائے گا ہو سکتا ہے کہ کوئی بزرگ تسلی بخش جواب دے دیں۔

جمعہ کے دن تمام بزرگانِ ولایت جمع ہوئے۔ عمران نے اپنی مشکل کو پیش کیا۔ ہر ایک  
 نے اپنے اپنے طور پر اظہار خیال کیا مگر ان کی مشکل حل نہ ہو سکی۔ سائل کا دل صاف نہ ہوا  
 کیونکہ ہر ایک بزرگ مختلف حل پیش کرنا رہا۔ سارا دن گذر گیا۔ عمران کو تسلی بخش جواب نہ  
 مل سکا۔ حتیٰ کہ سب کے سب بزرگ خاموش رہے۔ سائل نے احتجاجاً شور مچایا کبھی ساری  
 عمر آپ کی خدمت میں گذری ہے۔ اتنے اتنے بزرگ پہوان دیکھے ہیں۔ میں آپ لوگوں کو روحانی  
 طبیب خیال کرتا تھا۔ لیکن میری بیماری کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ عمران کی بات سن کر  
 بزرگوں کی مجلس میں ایک شور برپا ہوا اس رات سب نے مل کر غور و فکر کیا۔ سرگھٹنوں پر رکھ  
 دیئے صبح تک ہی سوچتے رہے جب صبح ہوئی رات کو جو کچھ کسی کو دکھائی دیا۔ بیان کر دیا  
 لیکن پھر بھی مشکل حل نہ ہوئی۔ ان کے مرشد نے کہا۔ اس مشکل کا حل ہمارے پاس نہیں ہے۔  
 ہم اس مسئلہ میں عاجز ہیں اور اس بیماری کا ہمارے پاس علاج نہیں ہے۔ ہاں ایک  
 مردِ کامل خراسان میں موجود ہے۔ جسے شیخ ابو سعید ابوالخیر کہتے ہیں ان کی خدمت میں حاضر  
 ہونا چاہیے۔ اور اس مشکل کا حل دریافت کرنا چاہیے۔ ہم اس وقت تک جدا نہیں ہوں  
 گے جب تک اس مشکل کا حل نہ مل جائے عمران اٹھا۔ اور روانہ ہو گیا۔ وہ سفر میں جا رہا



تھا۔ اپنے حال میں مرت تھا۔ نہ کھانے کی فکر نہ سفر کا ڈر۔ مینہہ میں پہنچا۔ تو صبح کا وقت تھا۔ اس وقت حضرت شیخ مجلس میں تشریف فرما تھے اور وعظ کہہ رہے تھے۔ عمران آگے بڑھے تو حضرت نے ایک نگاہ بھر کر دیکھا۔ تو مجھے کے درمیان سے سر اٹھایا اور فرمایا مرحبا! عمران آؤ۔ آگے آ جاؤ۔ آج ہم تمہارے لئے ہی بیٹھے ہیں۔ عمران نے سلام کیا۔ اور کھڑے رہا۔ مگر حضرت شیخ نے فرمایا۔ میرے نزدیک آؤ۔ تم تو بہت دور سے آئے ہو۔ عمران اور نزدیک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ عمران! احوال ایک سمت نہیں چلتے تم اسے طلب کرتے ہو یا اس سے کچھ طلب کرتے ہو؟ ایک لاکھ بیس ہزار انبیاء کرام نے اس سے کچھ طلب کیا تھا۔ حتیٰ کہ حضور سرور کائنات اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ نے اسے طلب کیا۔ سب سے پہلا طالب حق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب طلب کی بات پوری کی تو مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ (آپ نے نہ آنکھ جھپکی اور نہ نظر بھٹکی) اگر تم اسے طلب کرتے ہو۔ تو یاد رکھو۔ الطَّلِبُ كَرْدٌ۔ السَّبِيلُ شَدُّ وَالْمَطْلُوبُ بِلَا حُدٍّ (طلب نامنتور ہوتی ہے۔ راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اور مطلوب کی کوئی حد نہیں ہوتی) اگر تم اس سے کچھ طلب کرو گے تو اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ یہ تو اسی صورت ہو سکتا ہے۔ کہ اسی کی باتیں کرو۔ اور اس کے دوستوں سے ملو تم غور تو کرو اس نے دوسروں کو سلا دیا ہے۔ مگر تمہیں اپنی بارگاہ پر بیدار رکھا ہے دوسروں کو غیر کی طلب میں لگا دیا ہے۔ تو تمہیں اپنی طلب میں مشغول رکھا ہے۔ عمران نے کہا۔ حضرت کیا اس کی ذات کریم نہیں ہے؟ فرمایا۔ اَلْكَرِيمُ الَّذِي يُعْطِي قَبْلَ السُّؤَالِ وَنِعْضُو قَبْلَ الْاِعْتِذَارِ۔ (کریم وہ ہے۔ جو سوال کرنے سے پہلے عطا فرمائے اور معافی مانگنے سے پہلے معاف فرمائے)

عمران واپس جاؤ۔ کہ لوگ تمہاری انتظار میں ہیں۔ عمران نے سلام کیا اور واپس ہو گیا ایک اور سوال کیا حضرت ہم گنہگاروں کا کیا حال ہو گا۔ فرمایا۔ فرمایا۔ اے نوجوان حضور فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يَرُحَمُونَ عَلٰی الْمُقْرَبِينَ عَلٰی اَنْصَبِهِم بِالذُّنُوبِ



بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان مقربین پر رحم فرماتے ہیں تاکہ وہ ہر قسم کے گناہوں سے مبرا ہو جائیں،

عمران واپس آیا۔ تو وہاں کے پیر اور صوفیہ ابھی تک انتظار کر رہے تھے۔ عمران نے سارا واقعہ سنایا۔ سب اٹھے۔ اور مینہہ کو روانہ ہو گئے۔

ایک درویش عراق سے چلا اور حضرت

پیر کے مرید اور مرید کے پیر پر حقوق :- شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مینہہ میں پہنچا۔ تو حضرت اس وقت باد نہ میں تشریف فرما تھے۔ یہ قصبہ مینہہ سے دو تین کوس پر واقع ہے۔ وہ درویش مینہہ میں نہ ٹھہرا۔ باونہ میں چلا آیا۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قدم بوسی کی۔ اور حضرت کے ساتھ ہی مینہہ کی طرف آیا۔ راہ میں حضرت سے سوال کیا۔ حضور۔ پیر کے مرید پر کیا حقوق ہیں۔ اور مرید کے پیر پر کیا حقوق ہیں، حضرت نے بات سنی۔ تو کوئی جواب نہ دیا۔ مینہہ میں پہنچے دوسرے دن حضرت مجلس میں آئے تو اس درویش کو فرمایا۔ کہ تم اسی وقت اٹھو۔ اور غزنین جاؤ۔ اور فلاں شخص کے پاس جا کر ایک سو دینار لے آؤ اور ساتھ ہی دو سیر عود کی خوشبو ان صوفیوں کے لئے بھی لیتے آنا۔ درویش اٹھا۔ اور غزنین پہنچ کر حضرت کا پیغام دیا۔ اور ایک سو دینار اور عود لے کر روانہ ہوا۔ راہ میں ہرات میں رکا۔ ایک ہروی درویش کو لے کر ایک حمام میں چلا گیا۔ اس حمام میں اسے ایک خوش شکل بڑا دکھائی دیا۔ جسے دیکھتے ہی دل دے بیٹھا۔ ہروی درویش کو کہنے لگا۔ کسی طرح اس بڑے کو میرے کمرے میں لے آؤ۔ اس نے کہا۔ اسے کچھ دینا پڑے گا۔ درویش نے دو دینار دیئے۔ ہروی نے اس بڑے کو دو دینار دکھائے اور درغلا کر درویش کے کمرے میں لے آیا۔ درویش اس بڑے کے ساتھ ہرا راہہ کر رہا تھا۔ کہ حضرت شیخ ابو سعید ایک طرف سے تیز تیز آتے دکھائی دیئے اور چلا کر اس بڑے کے کام سے روک دیا۔ درویش نے دیکھا۔ تو لغزہ مارا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ ہوش میں آیا تو مینہہ کو روانہ ہوا۔



میں نہ پہنچا تو حضرت شیخ مجلس میں بیٹھے و عظ فرما رہے تھے۔ درویش ویسے ہی مجلس میں آ گیا حضرت نے اسے دیکھتے ہی فرمایا۔ مرید کا حق تو پیر پر یہ تھا کہ پیر کا حکم پاتے ہی تم غزبن چلے گئے۔ اور پیر کا مرید پر حق یہ تھا کہ دو ماں سفر جب تمہارا پاؤں نعد نے لگا۔ تو پیر نے روک دیا۔ یہ بات سنتے ہی درویش شرم سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور گناہوں سے توبہ کی۔

خواجہ عیك بیان کرتے ہیں۔ میں نیشاپور میں تھا

نگاہ محبت کی اثر انگیزیاں :- ایک دن مجھے حضرت کی یاد نے ستایا۔ میرا دل چاہا

کہ آپ کی زیارت کے لئے مینہ جاؤں۔ چنانچہ میں دن رات سفر کر کے مینہ پہنچا۔ میں نے سوچا۔ حضرت کی خدمت میں جانے سے پہلے غسل کر لوں۔ مگر میں نے دیکھا۔ ایک درویش آ رہا ہے۔ مجھے کہنے لگا۔ حضرت فرماتے ہیں۔ ایسے ہی چلے آؤ۔ میں سفر کے لباس میں ہی حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت حضرت مشہد کی دکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کرسی لاؤ۔ کرسی لائی گئی۔ مجھے فرمایا۔ اب جوتے اتار دو۔ اور سفر کا سامان علیحدہ کرو۔ اور یہ سامان سفر مجھے دے دو۔ فرمایا۔ جو شخص اس ایک بات کے لئے ایک قدم اٹھاتا ہے۔ وہ بزرگ ہوتا ہے پھر مجھے محبت کی نظروں سے دیکھتے ہو اور فرمایا یہ نہ سمجھنا کہ تم خود طے آئے ہو۔ ہم نے تمہیں بلا یا ہے۔

ایک دن حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں وعظ فرما رہے تھے۔ صوفیاء کا منکر

ایک شخص اسی مجلس میں آ کر ستون کی روٹ میں آپ کی باتیں سننے لگا۔ آپ ممبر پر تشریف فرما تھے۔ اور چوڑی مارے گفتگو فرما رہے تھے۔ اور بزرگان دین کی کرامات پر اظہار خیال فرما رہے تھے۔ وہ شخص ظاہراً تو حضرت کو دیکھتا جاتا مگر دل سے تمام باتوں کو لفو قرار دیتا تھا۔ آپ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ستون کی روٹ میں بیٹھنے والے نوجوان! دل سے انکار دور

کر دو۔ اور ہمارے پاس آ کر بیٹھ جاؤ۔ وہ شخص اٹھا۔ اور دھاڑ مار کر کہنے لگا۔ یہ کیا خدائی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یہ کہو۔ یہ کیا بے اختیاری ہے؟ تمام مجمع سے فریاد آئی اور وہ شخص تائب ہوا



مرید ہوا۔ اور مرد کامل بن گیا۔

حضرت خواجہ ابوالفتح فرماتے ہیں۔ میں حضرت کی خدمت کو جایا کرتا تھا۔ آپ کی حالت دیکھا کرتا۔ آپ کے ابتدائی دور کی ریاضتوں اور مجاہدوں کا ذکر سنتا تھا۔ میرا خیال یہ تھا کہ حضرت شیخ کو جو مقام ملا ہے وہ ان ریاضتوں کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا۔ کہ میں بھی یہ مجاہدے اور ریاضتیں خفیہ طور پر اختیار کر لوں سب سے پہلے میں نے اپنے کھانے احتیاط برتنا شروع کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو حکم دیا ہے **يَا أَيُّهَا الرِّسُلُ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ وَ اَعْمَلُوا صَالِحًا** اے میرے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو! لہذا ضروری ہے کہ میں اپنی روزی محنت سے کماؤں اور کھاؤں۔ اور صوفیہ کو جس قسم کا کھانا آتا ہے۔ اسے نہ کھاؤں۔ اس وقت مجھے کوئی کام کرنا تو آتا نہ تھا۔ حضرت شیخ کے ہمسایہ میں ایک شخص رہتا تھا جو خراس پر کام کرتا۔ میں اس کے پاس گیا۔ اور کچھ کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ہم نے پردگرم بنایا۔ دوپہر کے وقت حضرت آرام فرماتے ہیں۔ صوفیہ بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے جاتے ہیں میں گاؤں سے نکلتا اور صحراء کی راہ لیتا۔ وہاں سے رسی باٹنے کا سامان اکٹھا کرتا اور رسی بنا کر بازار میں فروخت کر لیا کرتا۔ اس مزدوری سے جو خریدتا۔ خود پتیا۔ اور خود ہی پکاتا۔ خود تو روزہ رکھتا۔ مگر جو کچھ پکاتا اور ویشوں کے پاس لے جاتا۔ اور افطاری کے وقت ان کے ساتھ شریک طعام ہو جاتا۔ لیکن اپنی آستین سے جو کی روٹی نکالتا۔ اور چوری چوری کھا لیتا۔ میں ہمیشہ حضرت شیخ سے ذرا دور ہی دسترخوان پر بیٹھا کرتا تھا تاکہ حضرت میری اس حرکت کو دیکھ نہ لیں۔ اس روٹی کے علاوہ میں غسل کرتا۔ اور اپنی نمازیں طویل کرتا۔ میرا خیال تھا۔ کہ میرے ان اطوار و احوال کی کسے بھی خبر نہیں ہے۔ حضرت شیخ نے مجھے اس موضوع پر کبھی کچھ نہ کہا۔

ایک دن حضرت مینہ سے نیشاپور میں جا رہے تھے ہم لوگ بھی ساتھ ہی تھے راستے میں طوس آئے تو وہاں ایک شخص سید ابوطالب جعفری حضرت کے مخلص دوستوں میں سے تھے حضرت آپ کے بغیر کسی سے کھانا نہ کھاتے۔ طوس سے چل کر نوقان پہنچے۔ ابوطالب جعفری بھی آپ کے



ساتھ ہی تھے۔ یہاں دونوں ایک تختے پر بیٹھے کھانا کھانے لگے۔ اس موقع نونان میں ایک عابد اور زاہد تھا۔ اس نے حضرت شیخ کی نونان میں آمدنی تو زیارت کو آیا۔ اور سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب تو دے دیا۔ مگر خاص توجہ نہ فرمائی۔ آپ کے اس رویہ سے زاہد بڑا شکستہ خاطر ہو۔ کیوں اس شہر میں لوگ اسے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسی طرح شکستہ خاطر مجلس سے اٹھا اور باہر آیا۔ ابوطالب نے کہا۔ حضرت آج آپ نے ہمارے اس زاہد اور عالم کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا۔ ہمیں زاہدوں کی ضرورت نہیں! زاہدوں کی ضرورت نہیں!! پھر فرمانے لگے۔ سیدی! تاریوں سے دُور رہا کرو۔ یہ لوگ چغل خور ہوتے ہیں! لیکن اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں ان کے کہنے پر نہ کسی کو سزا دے گا۔ اور نہ ہی مخلوق کو ان کے کہنے سے رہائی ملے گی۔ یہ بات کہنے کے بعد آپ نے مجھے مخاطب فرمایا اور کہا۔ اگر تم وہاں موجود ہو۔ تو دیکھتے رہیں۔ ان کی بات نہ کرنا۔ میں تو شیخ اور فقیر ہوں۔ اور تم زاہد بن سہے ہو اپنے پیرومرشد کی متابعت کے بغیر ہی منازل طے کرنے میں لگے ہوئے ہو۔

حضرت خواجہ ابوالفتح فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کی یہ بات سن کر زمین پر گر پڑا۔ اس بات کے خوف سے میرے اوسان خطا ہو گئے۔ میں استغفار کرنے کی بجائے زار زار رونے لگا۔ میری یہ حالت دیکھ کر حضرت کو مجھ پر ترس آ گیا۔ خوش دل کر کے فرمایا۔ اس کام کو چھوڑ دو۔ میں نے کہا حضرت میں نے چھوڑ دیا۔ لوگوں نے مجھے پوچھا کہ کیا معاملہ تھا؟ میں نے ساری حالت بیان کی سب تعجب کرنے لگے۔ کیونکہ اتنا عرصہ کسی کو بھی میری اس بات کا علم نہ تھا صرف شیخ ہی جانتے تھے کہ میں کیا کر رہا ہوں!۔

خواجہ ابوالقاسم حکیم رحمۃ اللہ علیہ نہایت

شیخ کی جلسوں پر کھلی رہتے ہیں۔۔۔ بزرگ آدمی تھے اور سرخس میں رہا کرتے

تھے۔ مریدوں کی خاصی تعداد آپ سے عقیدت رکھتی تھی۔ یہ سب کے سب بڑے ہی صاحب دل

لوگ تھے۔ جب حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت سرخس میں پہنچی۔ انہیں یہ تجسس



پیدا ہوا کہ یہ حضرت شیخ ابوسعید کون ہیں؟ ان کا مقام کیا ہے؟ ایک دن سارے بیٹھے آپ کے بارے میں ہی گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا کہ وہ بڑے بزرگ انسان ہیں دوسرے نے کہا کہ پہاڑ کے پیچھے رہنے والے ہیں۔ یعنی دیہاتی ہیں۔ ان میں ایک شخص بچی ترکی بھی تھے کہنے لگے غیبت میں بلا سرو پایا باتیں کرنا اچھی بات نہیں۔ میں مینہہ میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ وہ بزرگ کیسے ہیں۔ چنانچہ آپ نے رختِ سفر باندھا اور مینہہ کو روانہ ہو گئے۔ صوفیاء کی ایک جماعت نے انہیں الوداع کہا۔ اور کہنے لگے ذرا غور سے دیکھنا وہ کیسے بزرگ ہیں۔ ان کی کرامات یہاں تک پہنچتی ہیں۔ بچی مینہہ میں پہنچے۔ یہ صبح کا وقت تھا۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ منبر پر جلوہ فرما و عظ فرما رہے تھے۔ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت نے آپ کو دیکھا۔ فرمایا۔ بچی! آؤ ہمیں خوب دیکھ لو۔ تمہارے درویش تمہاری دالپی کا انتظار کر رہے ہیں۔ بتاؤ تم آنے لگے تو انہوں نے تمہیں کیا کہا تھا؟ بچی نے کہا حضرت آپ ہی بتائیے! حضرت شیخ نے فرمایا۔ انہوں نے کہا تھا کہ دیکھنا۔ وہ کیسا مرد خدا ہے؟ آپ نے پوچھا تم نے مجھے دیکھ لیا ہے؟ بچی نے کہا۔ حضرت دیکھ لیا ہے۔ اب بتاؤ انہیں جا کر کیا کہو گے بچی نے کہا جو حضرت فرمائیں وہی کہوں گا! آپ نے فرمایا۔ جاؤ۔ اور انہیں کہو کہ میں نے ایک ایسا شخص دیکھا ہے جس کی جیب کبھی بند نہیں رہتی۔ اور خلقِ خدا کی خدمت سے نہیں رکتا۔

بچی نے یہ سنتے ہی نعرہ مارا۔ اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آیا تو اپنے دوستوں کی طرف روانہ ہوا۔ ابوالقاسم کے سامنے صوفیہ کی موجودگی میں اپنے تاثرات پیش کئے۔ تمام سن کر بہت خوش ہوئے دوسرے دن تمام کے تمام مینہہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ حضرت شیخ کی زیارت کریں۔

ایک دفعہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ مرو کی طرف

شیخ ابوسعید مرو میں ۰ روانہ ہوئے ان دنوں وہاں خواجہ علی خاں رحمۃ اللہ علیہ

رہا کرتے تھے۔ پیر بوعلی سیاہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس عقیدت مندوں کا مجمع رہتا تھا۔ حضرت کی آمد کی خبر سنی تو کہنے لگے۔ ایسا پرندہ آ رہا ہے۔ جو سب پرندوں کا چلیبہ چن لے گا۔ اٹھے



اور کہنے لگے حضرت کا شاندار استقبال کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ خواجہ علی نے حضرت کے شایان شان استقبال کی تیاری کی۔ اور انتظامات کے علاوہ آپ نے حکم دیا کہ آج دو موٹے موٹے خچر ذبح کئے جائیں۔ اور ان کا گوشت محلے کے کتوں کو کھلایا جائے۔ اس شہر کے کتے بھی حضرت کی آمد پر چربین گوشت کھائیں۔ آپ کے خادم نے کہا۔ آپ نے ایسا کیوں کہا۔ فرمایا۔ جب بادشاہ آتے ہیں۔ تو اس شہر کی ہر چیز پر رحمت برستی ہے۔ کتے بھی پیٹ بھر کر کھائیں۔ آپ حضرت کے استقبال کے لئے ایک بڑا پر وقار جلوس لے کر نکلے حضرت شیخ کی خواہش تھی۔ کہ رباط عبداللہ ابن مبارک میں قیام فرمائیں گے۔ بوعلی سیاہ نے کہا۔ ہم ایک سال میں ہزار باروں کی تربیت کرتے ہیں۔ کہ ایک شاہباز ہمارے قابو آئے۔ آج اتنا بڑا شہباز آیا ہے۔ اسے کسی دوسری جگہ نہیں ٹھہرنے دیا جائے گا۔ حضرت نے فرمایا۔ جو افراد تمام کے تمام شہباز ہی ہیں۔ ان میں کوئی بھی باز نہیں ہے۔ پیر بوعلی نے کہا۔ حضرت آپ کی زیارت ہو گئی۔ ورنہ ہم لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ چنانچہ حضرت شہر میں آئے۔ اور خانقاہ میں نزول فرمایا تخت پر جلوہ فرما ہوئے۔ تمام پیراں عظام اور صوفیہ حلقہ نشین ہوئے نوجوان چاروں طرف صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے سلسلہ کلام شروع کیا۔ غالباً خواجہ علی جناب رحمۃ اللہ علیہ کو رشک آیا۔ بوعلی سیاہ اندر آئے اور اپنے مریدوں پر نگاہ ڈالی۔ اور حضرت کو تخت پر بیٹھے ایک نظر دیکھا حضرت شیخ کی ہیبت اور سلطنت دیکھ کر دم بخود ہو گئے۔ دل میں خیال آیا۔ اگر لوگوں نے آپ کی عارفانہ گفتگو سنی تو ہماری دلائت ختم ہو جائے گی۔ اور مرد کا وقار جانا رہے گا۔ حضرت شیخ نے اسی وقت خواجہ علی کی طرف نگاہ ڈالی اور فرمایا۔ خواجہ باہر اپنے بازار میں جاؤ۔ یہاں بڑی اچھی روٹیاں پکاتے ہیں۔ اپنے چہرے جیسی ایک خوبصورت روٹی تولے آؤ۔ علی باہر دوڑے گئے۔ ایک پاکیزہ سی روٹی لائے شیخ نے یہ روٹی لی اور پیر بوعلی کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ آج سے ہم شہر مرو اور دلائت مرو اس روٹی کے بدلے آپ لوگوں کو بخشتے ہیں۔ اور یہ روٹی بھی تمہاری ہوگی۔

آپ یہ بات کہہ کر باہر آ گئے۔ انہوں نے بڑی منت سماجت کی۔ مگر آپ نہ رکے پھر



بار بار کہا۔ حضرت کھانا تو کھالیں مگر آپ نے وہاں ٹھہرنے سے انکار کر دیا۔ اور رباط عبداللہ مبارک میں تشریف لے آئے۔ خواجہ علی جنازہ نے دسترخوان صحرا میں بچھا دیا۔ فارغ ہوئے تو آپ واپس مینہہ آگئے۔

میرے والد مکرم نور الدین منور رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا تھا  
اہل محبت کی آمد :- کہ انہوں نے خواجہ ابو الفتح سے سنا۔ ایک دن حضرت شیخ ابو سعید مشہد کی دکان پر مجلس فرما رہے تھے۔ دوران گفتگو فرمانے لگے۔ آج خلد بریں سے نسیم جانفرا چل رہی ہے اور یہ نسیم درویشوں کی آمد کے بغیر نہیں چل سکتی۔ یہ کہہ کر پھر وعظ فرمانے لگے۔ چند لمحے بعد دوسری بار فرمایا۔ آج خلد سے نسیم جانفرا چل رہی ہے اور یہ درویشوں کی آمد کے بغیر نہیں چل سکتی۔ تیسری بار پھر یہی جملہ دہرایا۔ خواجہ مودب اور عبدالکریم اور کچھ دوسرے صوفیاء اٹھے۔ انہیں اس بات سے معلوم ہوا۔ کہ کچھ درویش جہاں آ رہے ہیں وہ گاؤں کے ٹیلے کی طرف دوڑے۔ پھر حضرت کے اشارے کے مطابق دائیں جانب لگا ہیں ڈالیں واقعی مرد کی طرف سے کچھ صوفی آ رہے تھے۔ لوگوں نے دیکھا۔ تو ان سے معانقہ کیا۔ استقبال کیا۔ اور حضرت کی خدمت میں لائے۔ آپ نے فرمایا۔ ان حضرات کا سامان سفر میرے پاس لاؤ۔ حسن نے صوفیاء کا سامان سفر پیش کیا۔ تو آپ نے لے کر اپنے سر کے نیچے رکھ کر فرمایا۔  
آزرا کہ کلاہ سر بایہ زرد و برد - زانت کہ او بزرگ را داد و فرد  
وصلی اللہ علی محمد و آلہ اجمعین - منہ پر ہاتھ پھیرا، اور مجلس ختم کر دی سامعین پر  
رقت طاری ہو گئی۔

خواجہ ابو بکر فرماتے ہیں کہ میں حضرت شیخ کی  
نگاہ کا تازیانہ یا چھتاق ترکمانہ :- خدمت میں مینہہ میں موجود تھا۔ ایک دن بے پناہ بارش ہوئی۔ ندی نالوں میں سیلاب آ گیا۔ مینہہ میں بھی زبردست سیلاب آیا۔ نماز عصر سے پہلے ہی حضرت شیخ باہر آئے۔ اور فرمایا۔ پانی میں تیرنے کی اجازت عام ہے



تمام درویش سیلاب میں کودنے لگے۔ نماز عصر صحرا میں ادا کی گئی۔ میں حضرت شیخ کے ساتھ ہی تھا۔ کہ انہیں سیلابی دریا کے کنارے لے جاؤں۔ آپ نے مجھے دوبارہ فرمایا سارے درویش سیلاب میں کود رہے ہیں تم بھی جاؤ۔ اجازت عام ہے۔ لیکن میں پاک صاف کپڑے پہنے حضرت شیخ کی خدمت میں کھڑا رہا۔ اسی اثنا میں حسن مودب پیچھے سے آئے۔ اور مجھے دونوں ٹانگوں کے درمیان سے اپنی گردن پر اٹھا لیا۔ اور سیلاب میں جا پھینکا۔ پانی میرے سر سے گذر گیا۔ میں تو تیرنا جانتا نہ تھا۔ میری نگڑھی اور جتنے پانی میں بہہ گئے۔ کپڑے بھیگ گئے۔ غوطے کھانے لگا اور بے ہوش ہو گیا۔ مجھے اپنی اور دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی لوگوں نے مجھے پانی سے باہر نکالا۔ سرنگوں کیا گلے کے راستہ سے پانی باہر نکالا اسی دوران حضرت شیخ نے اعلان کیا کہ سب نماز جنازہ کے لئے آ جاؤ۔ مجھے اٹھا کر حضرت شیخ کے سامنے لا رکھا حضرت نے میرے سامنے مصتی بچھایا۔ اور تمام صف بستہ کھڑے ہو گئے حضرت نے چار تکبیریں پڑھیں۔ اور اس طرح نماز جنازہ ادا کی۔ میرے پاؤں کی طرف بیٹھ گئے چادر کا ایک کونہ کھینچا۔ اور فرمایا۔ ابو بکر۔ موت کے بعد اٹھ کھڑے ہو۔ اور ہمارے ساتھ باتیں کرو۔ یہ کہہ کر اٹھے۔ اور سحاری لی۔ اور گھر کی طرف چل پڑے میں بھی اسی طرح گیلے کپڑوں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور چل پڑا۔ تمام درویش وہاں ہی رہے۔ حضرت آتے ہی گھر چلے گئے۔ رات کھانا کھانے بھی دسترخوان پر نہ آئے۔

دوسرے دن منبر پر بیٹھے تاکہ وعظ کہہ سکیں۔ گفتگو کرنے سے پہلے حسن مودب کو بلایا اور فرمایا۔ ابھی اٹھو۔ اور بلخ چلے جاؤ اور پچیس تاریخ کو ہر حالت میں واپس پہنچ جانا۔ بارہ دن جاتے لگیں گے اور بارہ دن واپسی پر اور ایک دن بلخ میں ٹھہرنا۔ اور پچیسویں دن یہاں ضرور آ جانا ابو عمر و خوشگو یہ نیشاپور سے آ کر وہاں ٹھہرے ہیں۔ انہیں میرا سلام کہنا کہ صوفیوں کے لئے تین سیر عود چاہیے۔ اور ایک سو دینار قرضہ دینا ہے۔ یہ دونوں چیزیں لے کر آ جانا۔ حسن مودب اٹھے۔ اور سفر کو روانہ ہوئے۔ موضع زردک پہنچے تو



اسی دن ترکمان ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ سب کو گرفتار کر لیا۔ حسن موذب بھی پکڑے گئے اسے بہت مارا پیٹا۔ بے عزتی کی۔ اور کہنے لگے تم جاسوس ہو۔ انہوں نے اسی حالت میں ایک دن اور رات زیر تادیب رکھا۔ شکنجے میں کس دیا حسن موذب کہتے ہیں۔ ان شدید سردیوں میں مجھے جس تکلیف اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ بیان نہیں کر سکتا۔ آدھی رات ہوئی تو میں نے حضرت شیخ کا تصور کر کے فریاد کی۔ اور پکارا۔ ابھی میں نے یہ بات کہی تھی۔ کہ ڈاکوؤں کا سردار اپنے گھر سے نکلا۔ اور میرے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔ اور مجھے ایک خیمے میں بھیج دیا۔ گرم پانی دیا گیا۔ جس سے میں نہایا مجھے نئے کپڑے دیئے گئے۔ اور پھر مجھے اپنے خیمہ میں بلایا کہنے لگا۔ تم کس شخص کی جاسوسی کر رہے ہو۔ میں نے بتایا۔ میں جاسوس نہیں ہوں۔ میں تو میلنہ کے بزرگ کا مرید ہوں۔ جن کا اسم گرامی ابو سعید ابو الخیر ہے۔ اس نے پوچھا کہ ان کا علیہ اور شکل و صورت کیسی ہے؟ میں نے بیان کی۔ سردار کہنے لگا۔ جس شکل و صورت کے بزرگ بتاتے ہو۔ وہ ابھی ابھی میری خواب میں آئے اور ہاتھ میں تلوار اٹھائے حکم دیا۔ کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ ابھی ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ میں ڈر سے اٹھا۔ اور اب تمہیں آزاد کرتا ہوں تم جہاں چاہو چلے جاؤ۔ میں وہاں سے نکلا بلخ پہنچا۔ میرے جانے سے پہلے ابو عمرو خوشگو عزیزین جا چکا تھا۔ میں مایوس واپس آیا۔ اور پچیسویں دن میلنہ پہنچ گیا۔

حضرت شیخ صبح منبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمانے لگے

آج حسن نے آنا ہے۔ اس کا استقبال کیا جائے حضرت

شیخ کے بیٹے اور دوسرے درویش صحرا میں میرا استقبال کرنے آئے۔ میں حضرت کی خدمت

میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا۔ حسن مرحبا! حالات سفر تم سناؤ گے یا میں سناؤں۔ میں نے

عرض کیا۔ حضرت آپ سناؤں تو بہتر ہوگا۔ فرمانے لگے۔ مجھے معلوم تھا کہ تم ابو عمرو خوشگو کو

نہ مل سکو گے۔ مگر تم گئے راستے میں ترکمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ قید کر دیئے گئے۔ بڑی

تکلیف دی۔ تم نے مجھے پکارا۔ اور تمہیں رہائی مل گئی۔ بلخ گئے۔ اور ابو عمرو کو نہ پاسکے۔



حسن مودب نے عرض کی حضرت جب آپ کو یہ سب کچھ معلوم تھا۔ تو اُس غریب کو اس عیبت میں بھیجنے کا کیا مطلب تھا۔ آپ نے فرمایا حسن "جس سرکش نفس نے ابو بکر میکین کو پانی میں پھینکا تھا۔ اسے ہم نرم نہیں کر سکتے تھے۔ اسے تو ترکمانوں کے تازیانے ہی درست کر سکتے تھے" **صراف کے سو دینار:-**

ایک دفعہ حضرت شیخ قدس سرہ سرخس میں تشریف لے گئے۔ میرا ابو افضل حسن کی خانقاہ میں قیام فرما ہوئے۔ اس وقت خانقاہ کا خادم ایک ابو الحسن نامی درویش تھا۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ آپ کون ہیں کہنے لگا۔ ایک بزرگ اتنے مریدوں کو لئے ہوئے آئے ہیں۔ میرے پاس کچھ نہیں کہ انہیں پیش کروں۔ میرے دل میں خیال آیا ہی تھا۔ کہ حضرت نے مجھے طلب فرمایا۔ اور کہا۔ ابو الحسن! بازار جاؤ غلام صراف کو کہو کہ ابو سعید کہتے ہیں میں دینار بیجو۔ میں صراف کے پاس گیا۔ اور کہا تیس دینار دے دو۔ صراف نے بات سنی۔ اور تیس دینار خالص نیشاپوری تولے اور مجھے دے دیئے میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا۔ اب جاؤ اور انہیں خرچ کرو۔ دوسرے دن حضرت نے مجھے پھر بلایا۔ اور فرمایا۔ ابو الحسن آج اسی صراف کے پاس پھر جاؤ اور تیس دینار اور لے آؤ اور خرچ کرو۔ میں گیا۔ لے آیا۔ تیس دینار پھر حکم دیا۔ کہ جاؤ۔ تیس دینار علیحدہ لانا۔ اور دس دینار علیحدہ لانا۔ اب دس دینار خرچ کر لینا۔ اور تیس دینار دے کہ نیشاپور کے لئے ایک گدھا گرایہ پر لے آنا۔ میں صراف کے پاس آیا۔ اور کہا تیس دینار علیحدہ دینا اور دس دینار علیحدہ۔ صراف کہنے لگا۔ پہلے تو تم نے کبھی جدا جدا نہیں مانگئے۔ ابو الحسن نے کہا۔ آج حضرت نیشاپور جانے والے ہیں۔ کل کلاں یہ دینار مجھ سے نہ مانگتے رہنا۔ آج آ جاؤ اور اپنا قرضہ لے لینا۔

صراف میرے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صوفی اپنی اپنی سواریاں تیار کر رہے تھے۔ ان پر بوجھ لادے جا چکے تھے۔ صراف خاموش ہو کر حضرت کی خدمت میں کھڑا ہوا۔ مگر حضرت شیخ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ گھوڑے پر بیٹھے اور روانہ ہو گئے۔ صراف آپ



کے پیچھے پیچھے دروازے تک گیا۔ آپ دروازے کے باہر نکلے تو صرف بڑا تنگ دل ہو کر پریشان ہو گیا کہ اب کیا کروں۔ نیشاپور کے راستے پر پہنچے تو نیشاپور کی طرف سے ایک قافلہ آتا دکھائی دیا۔ ایک شخص قافلے کے آگے آگے آ رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور لوگوں سے پوچھا۔ کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ بتایا گیا۔ کہ حضرت شیخ ابوسعید ابو الخیر ہیں وہ شخص آگے بڑھا سلام کیا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ ایک سو دینار اس صراف کو دے دو۔ اس نے ایک تھیلی نکالی اور سو دینار صراف کے حوالے کئے حضرت نے صراف کو فرمایا۔ تمہارا حساب بے باق ہو گیا اس نے کہا۔ ہاں حضرت! آپ نے فرمایا۔ اب تم جا سکتے ہو۔ صراف کہنے لگا اب تو میں واپس نہیں جاؤں گا۔ جب تک آپ مجھے قبول نہ کریں۔ صراف پر ایک نگاہ ڈالی اور اسے مرد کامل بنا دیا۔

**سرخس میں ایک قاضی سیفی ہوئے ہیں جو قاضی القضاة بھی**

**قاضی سیفی کا قتل :-** تھے۔ اور معتبر عالم دین بھی۔ وہ اصحاب الرائے تھے۔ بزرگان دین اور صوفیاء کے منکر تھے۔ ان دنوں قاضی سیفی کا حکم چلتا تھا۔ بڑا صاحب جلال اور حکومت کے ہاں قابلِ صدا احترام مانا جاتا تھا۔ اس نے کئی بار لوگوں کو تیار کیا۔ لالچ دیا۔ کہ حضرت شیخ کو قتل کر دیں مگر کسی کو اس کام کی ہمت نہ پڑی۔ آخر کار ایک شخص آمادہ ہو گیا۔ اور قاضی نے اسے بہت سا پیشگی روپیہ دیا۔ اور پھر آئندہ دینے کا وعدہ بھی کیا۔ ایک دن مقرر ہوا کہ آج حضرت شیخ ابوسعید کو قتل کر دیا جائے گا۔ اسی دن آپ ایک بہت بڑے مجمع میں وعظ فرما رہے تھے۔ دوسری طرف قاضی سیفی نے بھی لوگوں سے خطاب کرنا تھا۔ مساجد میں اور بازاروں میں اعلان کیا جا رہا تھا۔ کہ قاضی سیفی فلاں جگہ خطاب کریں گے حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان سنا تو اپنے مریدوں کو فرمایا۔ وضو کر لو۔ آج قاضی سیفی کی نماز جنازہ پڑھی جانی ہے۔ لوگ حیران تھے کہ قاضی زندہ سلامت ہے ایک جگہ خطاب کرنے والا۔ مگر حضرت اس کی نماز جنازہ کا اعلان کر رہے ہیں حضرت نے بات کہہ دی لوگوں نے کسن لی۔



ادھر قاضی اپنے خطبے کی تیاری میں ایک حمام میں غسل کے لئے گیا۔ اس دن سے چند روز پہلے ایک ایسا شخص قید سے رہا ہو کر آیا تھا جسے قاضی سیفی نے اس بنا پر قید میں ڈالا تھا کہ اس نے طلاق کی قسم کھائی تھی۔ عورت جدا ہو گئی تھی۔ اسے مہراوردیگر اخراجات برداشت کرنا پڑے۔ قید خانہ میں رہنا پڑا۔ اسی دن وہ شہر میں رہا ہو کر آیا۔ ایک لوہار سے خنجر خریدا۔ اپنے گاؤں جا رہا تھا۔ اس نے اچانک قاضی کو دیکھا۔ کہ حمام سے اکیلے ہی چلا آ رہا ہے۔ آتش انتقام بھڑک اٹھی۔ اسی وقت خنجر مارا۔ قاضی کا پیٹ پھاڑ دیا وہ اسی جگہ مر گیا۔ شہر میں شور مچ گیا۔ کہ قاضی سیفی کو قتل کر دیا گیا حضرت ابھی تک وعظ فرما رہے تھے۔ لوگوں نے حضرت کے اس اعلان کو تسلیم کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ قاضی نے ہمارے قتل کا حکم دیا تھا۔ وہ ہمارا کیا ہوتا ہے! ہم نے اس کے قتل کا اعلان کیا۔ وہ خدا کا کیا ہوتا ہے!

کنڈم کے ذخیرے میں برکت :- شیخ عمر شوکانی امام اجل مالکان شوکانی کے والد خواجہ محمد جوانی کے عالم میں تباہی کرتے اور سر پر خوبصورت سی ٹوپی رکھتے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ آپ کے سامنے سے اسی شاندار لباس قبا و کلاہ میں گزے حضرت نے ایک نگاہ دیکھا۔ فرمایا۔ کہنے لگا۔ واقعی شیخ نے سچ کہا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس میں تبدیلی آئی۔ تو بہ کی۔ اپنے گھر کو ایک خانقاہ کی شکل دے دی۔ بہت سا مال و دولت مخلوق خدا پر خرچ کیا۔ حضرت شیخ اور آپ کے درویشوں پر بہت کچھ خرچ کیا۔ اپنی خانقاہ میں چالیس صوفیہ کے قیام و طعام کا بندوبست کیا۔ اور شوکان میں ان پر خرچ کرنے لگا۔ ایک عالیشان گنبد اور شوکان کی جامع مسجد کے بلند مینار اپنے مال سے تعمیر کرائے۔ اپنے مکان میں ایک بہت بڑا گودام بنایا۔ جو ہر وقت کنڈم سے بھرا رہتا تھا۔ درویشوں اور غریبوں پر خرچ کرتا رہتا۔ اپنے دل میں کہا کرتا تھا۔ یہ کنڈم پوری نہ ہوگی۔ دونوں عمارتیں بن کر



تیار ہو گئیں مگر گندم کا ذخیرہ ابھی تک موجود تھا۔ اسے تعجب ہوا۔ اسے یقین ہو گیا اس گندم سے جس قدر خرچ کرتا رہا ہے۔ اسی قدر برکت آتی رہتی ہے۔ ایک دن ایک شخص کو بھیجا کہ اس گودام میں دیکھو کتنی گندم ہے۔ جتنی ہے باہر ڈھیر لگا دو۔ وہ حیران رہ گیا۔ کہ بے پناہ گندم کا ذخیرہ پڑا ہے۔ وہ لوگوں کو ہر روز دیتا جاتا مگر گندم کا ذخیرہ کم ہونے کو نہ آتا۔ ایک عرصہ کے بعد اس نے پوچھا کہ گندم کتنی رہ گئی ہے۔ بتایا گیا۔ گودام لبا لب پڑے۔

آپ نے طوس کے ایک قاری عبدالملک شاداں کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ گندم کے ذخیرہ کا قصہ اسے سنایا۔ وہ رو پڑا۔ اور کہنے لگا۔ یہ اس شیخ طریقت کی برکت ہے جس کے تم مرید ہو۔ یہ بات محمد نے مجھے کہی ہے کسی دوسرے کو نہ سنانا۔ اور مجھے یقین ہے کہ حضرت شیخ کی دعا و برکت سے تم اور تمہاری اولاد عمر بھر کھاتی رہے۔ لوگوں کو کھلاتی رہے تو یہ گندم ختم نہ ہو گی۔

ایک دفعہ حضرت شیخ طوس جا رہے تھے  
**ڈاکوؤں کی لستی تائب ہو گئی :-** وہ برہستہ داوہ روانہ ہوئے۔ ان کی خواہش تھی۔ کہ وہ راستے میں ایک گاؤں رفیقاں میں قیام کریں گے۔ چند صوفیاء اور درویش قافلے سے آگے نکل گئے۔ تاکہ اس گاؤں میں آپ کے قیام کا جائزہ لیں۔ اور دیکھیں وہاں کس خانقاہ میں قیام کیا جا سکتا ہے۔ وہاں پہنچے تو وہاں کوئی خانقاہ نہیں تھی۔ سارا گاؤں ڈاکوؤں اور چوروں کا تھا۔ وہاں ایک معلم یا امام مسجد تھا۔ جس نے حج کیا تھا۔ نیک آدمی تھا بچوں کو پڑھا کر روزی حاصل کرتا تھا۔ اس نے سنا کہ حضرت شیخ شریف لاہے ہیں تو حضرت کے پاس دوڑا دوڑا آیا۔ اور کہا یہ چوروں ڈاکوؤں کا گاؤں ہے کوئی خانقاہ نہیں۔ سب گاؤں وائے حرام خور ہیں۔ گاؤں میں صرف میں ہی ایک ایسا شخص ہوں جو حلال روزی پر اکتفا کرتا ہوں۔ دوسرے کوئی ایسا شخص نہیں جو ایک دینار



بھی حلال روزی رکھتا ہو۔ اور نہ ہی ان سے اصلاحِ احوال کی توقع ہے یہ صورت حال بیان کرنے کے بعد حضرت شیخ سے گزارش کی کہ آپ میرے ہاں قیام فرمائیں حضرت شیخ نے فرمایا۔ ہم تو گاؤں کے منبردار اور ڈاکوؤں کے سالار کے گھر قیام کریں گے معلم نے بتایا۔ وہ تو پرلے درجے کا بد معاش اور بد قماش ہے چوروں کا سردار اور ڈاکوؤں کا پیشرو ہے۔ اس کا سارا مال حرام کی کمائی ہے۔ ہمیشہ شراب نوشی کرتا ہے اس کے سارے گھر میں ایک کپڑا بھی نمازی نہیں حضرت شیخ نے معلم کی ان تمام باتوں پر التفات نہ کیا۔ چنانچہ معلم وہاں سے لوٹا۔ اور منبردار کو جا کر کہنے لگا حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ آرہے ہیں اور تمہارے گھر ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ منبردار نے سنا۔ تو حکم دیا کہ میرے اس ناپاک گھر میں پاکیزہ کپڑے بچھا دیئے جائیں۔ تاکہ شیخ اور ان کے مرید پاک جگہ پر بیٹھ سکیں وہ حیران تھا۔ کہ آج ان بزرگوں کو حلال کا کھانا کہاں سے کھلاؤں بڑا متردد تھا۔ اس کی بوڑھی ماں زندہ تھی۔ بڑی نیک اور پارسا بی بی تھا۔ دوڑا دوڑا اس کے پاس گیا۔ اور کہا ماں کہیں سے حلال روٹی ملے تو حضرت کی خدمت میں پیش کروں۔ میرے سارے گھر میں ایک چیز بھی ایسی نہیں جو حرام نہ ہو مجھے بڑی فکر ہے ان نیک مہمانوں کو کیا کھلاؤں۔ اس کی والدہ اٹھی۔ اور ہاتھ میں پہنی ہوئی چوڑیاں اتار دیں۔ اور لڑکے کو دیتے ہوئے کہا۔ یہ چوڑیاں میری والدہ نے مجھے اپنی حلال کی میراث سے دی تھیں۔ انہیں فروخت کرو اور دعوت کا سامان کرو۔ میرا خیال ہے۔ کہ حضرت شیخ تمہارے پاس اسی لقمہ حلال کو جانتے ہوئے آرہے ہیں منبردار نے چوڑیاں لیں بازار میں فروخت کیں۔ مہمانوں کو دعوت دی۔ والدہ کی بات نے اس کے دل میں اثر کیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سنیں۔ اور آپ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ گاؤں کے اکثر و بیشتر لوگ بھی حضرت شیخ کے ہاتھ توبہ کرنے جمع ہو گئے منبردار سوچ رہا تھا کہ آیا اس کی والدہ کی چوڑیاں کی رقم سے کتنا خرچ ہو گیا ہے۔ جب سارے پیسے ختم ہو گئے تو حضرت



نے فوراً اعلان کیا۔ کہ میرے گھوڑے پر زین رکھو اور روانہ ہونے کے انتظامات کرو۔ مبردار نے بار بار التجا کی کہ ایک دو دن مزید قیام کریں۔ مگر حضرت نے اس کی بات نہ مانی اور روانہ ہو گئے۔

ایک عرصہ کے بعد نظام الملک نے رفیقان گاڈل کو خرید لیا۔ اور سارا گاڈل حضرت شیخ کے بیٹوں کو ہبہ کر دیا کہ یہاں دینی علوم اور خانقاہ کے اخراجات چلائیں۔ آج (تصنیف، کتاب کے وقت) یہ گاڈل حضرت شیخ کے فرزند ماتا دابو احمد جو ہمارے دوسری ماں کے بیٹے ہیں۔ کے پاس وقف ہے۔ اور وہ یہاں قیام پذیر ہیں۔

جناب عمر شوکانی بیان کرتے ہیں کہ حمزہ نامی درویش تھا۔ حضرت شیخ کا مرید تھا وہ کاری کرتا تھا۔ مگر بڑا پیارا آدمی تھا۔ دل میں محبت کے جذبات رکھتا تھا۔ آنکھیں تر رہتیں اور اکثر اوقات حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں حاضر رہتا۔ سحری کے وقت گھر سے باہر آتا۔ اسی وقت حضرت شیخ اپنے صومعہ سے نکل کر نماز تہجد ادا کرتے حضرت صبح کی نماز کے بعد مجلس وعظ میں تشریف لاتے تو حمزہ پہلے ہی موجود ہوتا۔ مجلس ختم ہوتی تو حمزہ بھی چلا جاتا۔ کوئی ایسی مجلس نہ ہوتی جس سے وہ غیر حاضر ہوتا حضرت شیخ بھی اسی درویش پر نگاہ شفقت فرمایا کرتے ایک دن مینہہ میں شیخ کی مجلس میں آ رہا تھا۔ اس کے پاس سونے کی ایک تھیلی تھی۔ دل میں خیال آیا۔ اگر یہ سونا مجلس میں لے گیا اور حضرت کی مجلس میں کسی سائل نے سوال کر دیا۔ تو حضرت نے اسی وقت مجھے حکم دینا ہے کہ یہ سونا اسی سائل کو دے دو چنانچہ اسے کسی دیوار کے نیچے رکھ کر مجلس میں جانا چاہیے۔ اس نے ایک ٹکڑے دیوار دیکھی اس میں چھپا کر رکھ دیا۔ اور مجلس میں حاضر ہوا۔ حضرت تقریباً آدھی مجلس کو چکے تھے۔ تو حمزہ کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔ حمزہ اٹھو! اس دیوار کے نیچے سونا چھپا آئے تھے۔ چور لئے جا رہا ہے۔ حمزہ مجلس سے اٹھا اور دیوار کی طرف دوڑا۔ دیکھا تو واقعی ایک چور اس دیوار کے قریب پہنچ چکا تھا۔ نزدیک پہنچ کر وہ سونا اٹھالیا۔ اور



اسے اٹھا کر حضرت کی خدمت میں لے آیا۔

اس دن کے بعد یوں ہوتا کہ جب تک حضرت کی خدمت میں نہ آتا اسے چین نہ آتا۔ گھر بار اور اہل و عیال کو چھوڑ کر حضرت کا مستقل درویش بن گیا۔ زندگی بھر حضرت کی خدمت میں رہا مرنے کے بعد وہیں دفن ہوا۔ آج تک اس کی قبر زیارت گاہ عوام ہے

نظام الملک طوسی نے اپنی ابتدائی

نظام الملک طوسی خانقاہ شیخ میں :- زندگی میں اصفہان شہر میں ایک

خانقاہ کی بنیاد رکھی تو امیر سید محمد کو خانقاہ کی خدمت پر مامور کیا۔ یہ ایک بڑا عالم فاضل

علوی سید تھا۔ اس خانقاہ میں سال کے بعد تمام اسلامی ممالک کے علماء و فضلا سادات

کرام اور صوفیہ عظام اور اصحاب ذکر و ارباب فکر جمع ہوا کرتے تھے۔ رجب کے مہینہ

میں نظام الملک خانقاہ کے ناظم سید محمد کو بلاتے اور کہتے ان بزرگوں کی ضروریات دریافت

کر کے بتائیں۔ اس طرح جو جو مطالبات کرتے نظام الملک انہیں بطریق احسن پورا کر کے

ان حضرات کو روانہ کرتے تھے اور اس طرح یہ حضرات بھی نظام الملک کو اپنی دعاؤں

میں یاد رکھتے۔

ایک بار رجب کا مہینہ آیا۔ شعبان گزر گیا۔ رمضان آیا۔ مگر کسی شخص کی کوئی حاجت

پوری نہ ہو سکی۔ اور نہ ہی کسی کو بلایا۔ نہ ان کے حال پر توجہ دی۔ اس موضوع پر مختلف حضرات

گفتگو کرنے لگے۔ کہ نظام الملک کو کس پریشانی نے آیا ہے کہ وہ اس کا رخصت سے رک گیا ہے

بعض حضرات کو شک گزرا کہ کسی شخص نے ان کے بارے میں بدگمانی پیدا کر دی ہے۔ رمضان

گزر گیا۔ شوال آ گیا۔ نظام الملک نے سید محمد کو کہلا بھیجا کہ ان بزرگوں سے کم از کم دس حضرات

کو میرے پاس بھیجا جائے ان سے بعض امور پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ سید محمد کھانا کھا کر

فارغ ہوئے تو ان بزرگوں میں سے دس صوفیہ کو لے کر نماز عشاء کے بعد نظام الملک کے

پاس پہنچے۔ دل میں ڈر تھا کہ خدا معلوم کیا کہتے ہیں۔ اندر گئے تو اس وقت نظام الملک معنی



پر کھڑے نماز عشاء ادا کر رہے تھے۔ شمع اس کے سامنے روشن تھی۔ سلام کیا بڑی عزت سے پیش آئے اور فرمانے لگے آپ شاید نہیں جانتے میں اپنی ابتدائی عمر میں علم دین کی تحصیل میں مصروف رہا۔ میں اپنی خواہش اور طلب کے مطابق علم دین حاصل نہ کر سکا۔ میں نے اپنے والد کو کہا مجھے مرو میں بھیج دیں۔ وہاں تحصیل علم میں آسانی رہے گی میرے والد رضامند ہو گئے۔ ایک غلام ایک خچر اور زادراہ مجھے دیا۔ اور کہا کہ جب قافلہ میں شریک ہو جاؤ۔ تو قافلہ والوں سے اجازت لے کر راستہ میں ایک دن کے لئے مینہ میں جانا۔ وہاں حضرت شیخ ابوسعید ابو النخیر کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اور یاد رکھنا کہ وہ کیا فرماتے ہیں؟ اور کیا کہتے ہیں؟ ان سے دعا بھی طلب کرنا۔

ہمارا قافلہ باز جاہ کے مقام پر پہنچا۔ میں نے قافلے والوں کو کہا کہ مجھے ایک دن کے لئے حضرت شیخ کی زیارت کی اجازت دی جائے وہ مان گئے۔ میں علی الصبح مینہ پہنچا۔ میری نگاہیں مینہ پر پڑیں۔ ادھر ادھر کی ساری وادی نیلیوں نظر آئی حدنگاہ تک نیلی پوش صوفیا نظر آئے۔ صوفیوں کی ٹولیاں نیلے لباس میں دکھائی دیں۔ میں حیران ہوا۔ کہ اتنے لوگ بیک وقت ایک ہی لباس میں کہاں سے آگے پھر ساری وادی میں مجلس لگائے بیٹھے ہیں۔ میں جس مجمع کے پاس سے گزرتا۔ وہ لوگ مجھے دیکھ کر اٹھتے۔ اور میری طرف آتے اور ایک ایک سلام کہتا۔ گلے لگاتے۔ معانقہ کرتے۔ اور واپس چلے جاتے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ آج ہمارے شیخ نے بتایا تھا کہ جس شخص نے ایک ایسے نوجوان کو دیکھنا ہو جس نے دنیا پر حکمرانی کرنی ہے اور عاقبت کو سوار نہ ہے وہ از جاہ کے راستہ پر پہنچ کر اس کا استقبال کرے ہم اسی لئے استقبال کو آئے ہیں۔

ان کی یہ بات سن کر میرے دل پر بڑا اثر ہوا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے ایک مجمع مجھے حضرت شیخ کی خدمت میں لے گیا۔ سلام پیش کیا۔ دست بوسی کی حضرت شیخ نے مجھے دیکھا۔ فرمایا



بیٹا مرحبا! تمہیں مبارک ہو! دنیا کی سرداری تمہیں مل گئی ہے! تم آگے بڑھو۔ وقت تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ تم جس راستے پر جا رہے ہو وہاں سے تو تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ تمہارے فیض سے بے پناہ طلبہ علم دین فیض یاب ہوں گے۔ اور ان دین والوں کے مقاصد پورے ہوں گے۔ آج میرے ساتھ وعدہ کرو۔ کہ تم زندگی بھر طالب علموں سے رعایت کرو گے اور محبت سے پیش آؤ گے۔ نظام الملک نے کہا حضرت جس طرح آپ نے فرمایا ہے میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں ان لوگوں کے پاؤں کے نیچے آنکھیں بچھا دوں گا۔ سر جھکا دیا۔ اور دیر تک ازراہ تعظیم کھڑا رہا حضرت نے پھر سراٹھایا۔ اور فرمایا بیٹے ابھی تک کھڑے ہو؟ میں نے کہا حضرت مجھے ایک سوال کرنا ہے۔ آپ نے اجازت دی۔ میں نے کہا حضرت جس واقعہ کی آپ بشارت دے رہے ہیں۔ اُس کی کوئی علامت یا بشارت ہوگی۔ آپ نے فرمایا ہاں ایک وقت آئے گا۔ کہ اس نیک کام کی توفیق تم سے چھین لی جائے گی۔ یہ تمہاری عمر کا آخری دور ہوگا۔“

نظام الملک یہ بات سنانے کے بعد رو دیئے اور کہا حضرات آپ یقین جانیں کہ رجب سے لے کر آج تک میں نے بارہا کوشش کی ہے کہ حسب سابق آپ کی ضروریات کو پورا کروں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ توفیق چھین لی گئی ہے۔ آج تیس دن ہوئے ہیں۔ کہ میں آپ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے خود آنا چاہتا تھا۔ کہ تیس دن سے اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکا ہر رات نماز پڑھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے رُو رکھتا ہوں کہ یا اللہ مجھے ان خدمات کی توفیق دے مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ مجھے معلوم ہے کہ میں عمر کے آخری دور میں پہنچ چکا ہوں اور غالباً حضرت شیخ کی بات پوری ہونے والی ہے۔ اس کے بعد نظام الملک نے سید مہدی کو حکم دیا کل عید الفطر کی نماز پڑھو۔ تو فوری طور پر سب سے پہلے یہ کام کرو کہ ان تمام حضرات کو خزانے کے دروازے پر لے جانا۔ اور ہر ایک کی ضروریات کو پورا کرنا اب دیر نہ ہو۔ اختیار نامہ اور حکم نامہ بھی لکھ دیا۔ سید محمد فرماتے ہیں کہ دوسرے دن نماز عید ادا کرنے کے بعد سلطان سلجوقی تو فوراً کوچ کر گیا۔ مگر نظام الملک تین دن تک وہاں ہی رہا



میں نے حسب الحکم تمام حضرات کی ضروریات کو پورا کیا۔ نقد روپیہ خزانے سے لیا۔ اور تمام کو بانٹا گیا۔ چوتھے دن نظام الملک روانہ ہوئے۔ بادشاہ کے لشکر کے پیچھے جا رہے تھے۔ بہادرندہ پہنچے تو ایک ملحد باطنی نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر کے شہید کر دیا۔ اور تمام لوگ آپ کی شخصیتوں سے محروم کر دیئے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

خواجہ امام ابوعلی فارمدی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت دیواریں بھاڑا کریں :- شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں

۱۔ نظام الملک رحمۃ اللہ علیہ جس پایہ کا وزیر تھا۔ تاریخ اسلام میں براہمہ کے علاوہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس نے تیس سال تک اس شان و شکوہ سے وزارت کے منصب کو نبھا کہ اس کے سامنے براہمہ کی دانتاں ماند پڑ گئیں۔ ملک شاہی دور کی ساری درخشانی نظام الملک کی ضیاء ہستیوں کا نتیجہ تھی۔ اور خاندان سلجوق کا سارا عدالتی نظام اسی وزیر کی تدبیر کا مرہون مرتب تھا۔ نظام الملک کا پورا نام دانتب ابوعلی حسن بن علی نظام الملک رضی امیر المومنین تھا۔ باپ طوس کا معمولی زمیندار تھا۔ ۳۸۰ھ میں ولادت ہوئی۔ سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ نو عمر میں فقہ حدیث ریاضی اور مروجہ علوم پر عبور حاصل کیا۔ والی بلخ کی ملازمت کی۔ پھر الپ ارسلان کے والد جعفری کے پاس مرد میں پہنچے۔ اس نے اس کو بہر قابل کو چمکنے کا موقعہ دیا۔ الپ ارسلان نے اپنا کاتب بنایا۔ الپ ارسلان کے اتنا قریب ہوئے کہ قلمدان وزارت حاصل کیا۔ زمانہ وزارت میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ ملک شاہ سلجوقی نے تخت نشین ہوتے ہی نظام الملک کو اور بلند مرتبت بنا دیا۔ ملک شاہی مدرسہ ہی نظام الملک کا زیریں دور ہے۔

نظام الملک نے اس وسیع ترین سلطنت اسلامیہ میں علم و فضل کے دریا بہا دیئے اس کی علم پروری علامہ نوازی اور اقوام مشائخ ضرب المثل ہے۔ اس کی مجالس فقہاء۔ آئمہ۔ اور اصحاب خیر و صلاح سے معمور تھیں ہوتیں۔ شیخ ابوالحسن شیرازی۔ ابوالقاسم قشیری اور ابوعلی فارمدی جیسے مشاہیر اسلام ان کی مجالس کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ وہ ان کے سامنے دوزانو بیٹھا۔ اس نے علم و فن کی اشاعت میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ دینی علوم کی درس گاہیں تمام ممالک میں قائم کیں۔ مدرسہ نظامیہ لاکھوں روپے سے قائم کیا۔ اور ہر سال اس دارالعلوم پر لاکھوں روپیہ خرچ کرتا۔ رمضان المبارک ۴۸۰ھ میں ایک باطنی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔



حاضر ہوا۔ تو آپ نے مجھے بڑی ریاضتوں اور مجاہدوں کا عادی بنا دیا۔ اس طرح میں عبادت کے معاملہ میں بڑا مہذب اور موذب ہو گیا آپ نے مجھے ابو بکر عبد اللہ کے ساتھ شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مینہہ میں بھیجا۔ ہم مینہہ پہنچے نوافل ادا کئے سنتیں پڑھیں۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری دی۔ آپ نے حسن موذب کو حکم دیا کہ ایک جھاڑوں لاؤ۔ وہ لے کر آیا تو آپ نے مجھے دے کر فرمایا۔ اس سے دیواروں کو جھاڑا کرو۔ ابو بکر عبد اللہ کو کہا کہ تم درویشوں کے جوتے سیدھے کیا کرو۔ ہم تیس دن رہے اور یہ کام کرتے رہے۔ چوتھے دن حضرت نے ہمیں بلایا اور کہا اب تم حضرت ابو القاسم گورگانی کی خدمت میں چلے جاؤ۔ ہم واپس آ گئے۔ ایک عرصہ گزر گیا ہے یہ دونوں بزرگ اس دنیا سے رخصت بھی ہو گئے لیکن آج میری شہرت کا یہ عالم ہے کہ دنیائے اسلام کے لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ مریدوں کا ایک وسیع حلقہ ہے۔ شیخ ابو بکر عبد اللہ کو اس قدر شہرت اور مشہوری نہ مل سکی۔ ایک دن حضرت ابو بکر عبد اللہ نے یاد کرتے ہوئے کہا کہ حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابو علی کو کہا تھا کہ دیواروں کو جھاڑتے رہو۔ اس طرح آپ ساری زندگی لوگوں کے دلوں کی دیواروں کو صاف کرتے رہے۔ مجھے کہا گیا تھا کہ درویشوں کے جوتے سیدھے کرتے رہو۔ میں ساری عمر جوتوں میں لبر کر دی۔ نہ کسی نے مجھے پہچانا نہ کسی نے میری شہرت سنی!

ایر مسعود دنیائے اسلام کے معروف اور

گر شیر شوی از دستِ ماجاں نری :- طاقتور بادشاہ ہوئے ہیں اپنے زمانہ میں

اس کا ثانی نہیں تھا۔ ایک دفعہ حضرت شیخ قرضہ میں زہر بار ہو گئے تو آپ نے حسن موذب کو اس کے پاس بھیجا کہ درویشوں کو قرضے کے بوجھ سے نجات دلائی جائے حسن اس کے پاس گئے سلام پہنچایا۔ تو اس نے بڑے آداب کا اظہار کیا۔ بڑی رعایات کیں۔ اور کہا ہم نے حضرت کے دل کا بوجھ اتار دیا ہے حسن دوبارہ گیا مگر اس نے ٹال دیا۔ کئی بار گیا۔ مگر وہ وعدہ فردا پر مانتا گیا۔ آخر کار حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ نے حسن موذب کو یہ شعر لکھ کر بھیجا۔



گو آنچہ بگفتہ بیایاں بُری گر شیر شوی از دستِ ما جاں بُری  
 اگر تم اپنے وعدہ کو پورا نہیں کرو گے۔ اگر تم شیر بھی ہو گے مگر ہمارے ہاتھ سے بچ کر  
 نہ جاؤ گے)

حسن مودب نے یہ کاغذ مسعود کے ہاتھ میں دیا۔ اس نے پڑھا۔ غصے سے لال ہو گیا  
 اور کہنے لگا یہ کیا دھمکی ہوئی! حسن کو وہاں سے اٹھا دیا۔ اور خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ حسن نے  
 ساری صورت حال حضرت شیخ کی خدمت میں بیان کر دی۔

مسعود کا مشغہ تھا کہ اس نے غورستان کے بڑے بڑے کتے پال رکھے تھے یہ کتے  
 جسے پکڑ لیتے مگر بڑے مگر بڑے کر دیتے۔ دن کو زنجیروں میں جکڑے رہتے مگر رات کے وقت  
 انہیں کھول دیا جاتا۔ وہ خیمہ کے ارد گرد گھومتے رہتے کسی کو جرات نہ ہوتی کہ خیمہ کے پاس ٹھیکتا  
 ایک رات خدا معلوم مسعود کے دل میں کیوں خیال آیا۔ کہ وہ رات کی تنہائی میں اٹھ کر لشکر  
 اور کمانڈروں کو خفیہ طور پر دیکھے آدھی رات کو اٹھا۔ پوئین اور ٹھی۔ بال بکھیر لئے تاکہ اسے  
 کوئی شخص پہنچان نہ سکے۔ اس وقت اس کے تمام حاشیہ بردار اور غلام سو رہے تھے خیمہ سے  
 نکلا۔ ابھی چند قدم باہر گیا ہی تھا کہ کتوں نے اسے نہ پہنچانا۔ دوڑ کر چھپے۔ وہ چیخا۔ چلا یا تو نوکر  
 اور خادم اٹھ کر دوڑے دائیں بائیں سے جمع ہو گئے۔ لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے پہلے کتوں  
 نے اسے چیر پھاڑ کر ہلاک کر دیا العیاذ باللہ۔

شیخ عبدالصمد بن محمد الصوفی الرخسی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کے خاص الخاص مریدوں  
 میں سے تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک عرصہ تک حضرت کی مجلس سے دُور رہا۔ مجھے بڑا افسوس  
 تھا۔ کہ میں ان فواید روحانی سے محروم ہوں جو آپ کی مجلس سے ملتے تھے۔ میں مینہ میں  
 پہنچا۔ تو اس وقت حضرت شیخ مجلس میں بیٹھے وعظ فرما رہے تھے۔ آپ کی نگاہ مجھ پر پڑی  
 فرمایا۔ عبدالصمد۔ فکر نہ کرو۔ اگر تم دس سال بھی ہماری مجلس سے دُور ہو گے۔ تو ہم صرف ایک  
 لفظ ہی کہیں گے۔ اور وہ ایک لفظ ناخن پر لکھا جاسکتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ



کاناخن آگے بڑھایا فرمایا۔ وہ لفظ یہ ہے ذَبْحِ النَّفْسِ وَالْإِفْلَاحِ۔ (نفس کو مار دو اور پرواہ نہ کرو) میں نے یہ بات سنی تو رقت میں آگیا۔ فریاد نکلی اور زمین پر گر پڑا۔

ایک بار ایسا موقعہ آیا۔ کہ کئی روز تک خانقاہ

**آہوان صحرا سرخود نہا ذہر کف** :- کے مطبخ میں گوشت نہ بک سکا درویشوں

اور صوفیوں کو بڑی تشویش تھی۔ حسن مودب کو تقاضا کرنے لگے۔ مگر اس کی ہمت نہ تھی

کہ گوشت مہیا کر سکے۔ ایک دن حضرت شیخ خانقاہ سے باہر نکلے۔ تمام صوفیہ اور درویش

بھی آپ کے ساتھ ہوئے۔ مرو کے راستہ چل پڑے اور مینہ سے دُور صحرا میں جا نکلے۔

ایک اونچی پہاڑی پر جا پہنچے رہم اس سے پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ شیخ پر صورت انقیاض وارد

ہوتی تو آپ مرو کے راستہ بیابان میں چلے جاتے تھے، حضرت وہاں ہی کھڑے ہو گئے

تھوڑی دیر گزری تو ایک ہرنی دوڑتی ہوئی آئی اور شیخ کے سامنے زمین پر لیٹنے لگی حضرت

شیخ اس کی بیچارگی دیکھ کر رونے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا!! یہ ہرنی

اسی طرح زمین پر لیٹ رہی تھی۔ حضرت شیخ نے مجمع کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ تم جانتے

ہو یہ ہرنی کیا کہتی ہے؟ وہ کہتی ہے۔ میں اس لئے آئی ہوں کہ درویشوں پر قربان ہو جاؤں

تاکہ آپ کے درویش خوش ہو جائیں۔ ہم نے اسے بارہا کہا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ تمہارے بچے

ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ مگر وہ بارہا التجا کرتی ہے کہ میں آپ کے دوستوں پر قربان ہونا چاہتی

ہوں۔ یہ بات سنتے ہی حضرت شیخ اور تمام صوفیاء رونے لگے ان پر رقت طاری ہو گئی اور

نعرے مارنے لگے مگر وہ ہرنی اسی طرح زمین پر لوٹی تھی اور بارہا نظروں سے دیکھتی تھی۔

حضرت شیخ نے حکم دیا۔ کہ ہرنی کو اٹھا کر قصاب کی دکان پر بھیج دیا جائے۔ حسن کو کہا

کہ قصاب کو کہنا کہ تیز چھری سے ذبح کرے اسے تکلیف نہ ہو۔ رات کو سارے درویشوں

نے ہرنی کے گوشت سے دعوت حاصل کی۔

**خلق کے ثمرات** :- خواجہ ابو علی ناردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت



شیخ اور ہم لوگ طوس سے میلنہہ کی طرف آرہے تھے۔ بہت سے درویش ساتھ تھے۔ راستہ میں ایک پہاڑی علاقہ میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک بہت بڑا سانپ راستہ میں کھڑا ہے ہم سب ڈر گئے۔ ادھر ادھر بھاگے۔ مگر حضرت شیخ اپنے گھوڑے پر اسی طرح سوار تھے۔ شیخ گھوڑے سے اتر آئے سانپ آپ کے سامنے زمین پر بیٹ رہا تھا میں حضرت شیخ کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے بڑی تکلیف کی۔ اب جاؤ یہ سنتے ہی سانپ جنگل کی طرف چلا گیا۔ تمام درویش پھر جمع ہوئے۔ پوچھنے لگے حضرت یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا کئی سال ہم دونوں ان پہاڑوں میں اکٹھے رہتے رہے ہیں یہ میرا ساتھی تھا ایک دوسرے کے تعلقان اچھے رہے ہیں اور ایک دوسرے کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ اب اسے خبر ملی کہ میں ادھر سے گزر رہا ہوں تو ان یادوں کو تازہ کرنے کے لئے راستہ میں آ بیٹھا تھا اِنَّ حَسْنَ الْعَهْدِ مِنَ الْاَيْمَانِ ط (اچھا عہد ایمان کی علامت ہوتی ہے) پھر حضرت نے فرمایا جس کا خلق اچھا ہو ہر چند اس سے اچھے خلق کا مظاہرہ کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم صلوات اللہ علیہ خلق تھے آگ بھی اُن سے خلق سے پیش آئی۔

ایک دن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ میلنہہ میں مجلس وعظ میں تشریف فرما تھے۔ ایک درویش اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ مجھے ایک سیر گوشت دیں۔ ایک ترک مجلس میں بیٹھا تھا کہنے لگا۔ میں دیتا ہوں۔ مجلس ختم ہوئی۔ تو وہ شخص حضرت کے پاس آیا۔ سلام عرض کیا۔ آپ نے پوچھا۔ بھائی۔ تم گوشت کا کیا کرو گے۔ کیا میں اس سے شور باتیاں کروں گا۔ آپ نے فرمایا۔ تھوڑے سے شور بے کے لئے تم نے اتنا شور مچایا ہے ترک نے گوشت لا دیا۔ اور وہ لے کر گھر چلا گیا۔ گھر پہنچا تو دیکھا کہ ایک بیگانہ مرد اس کی بیوی کے ساتھ حالت غیر میں بیٹھا ہے درویش بڑاشت نہ کر سکا۔ پھری لے کر دونوں کو قتل کر دیا۔ اور گوشت وہاں ہی پھینک کر بھاگ گیا۔

میں نے حضرت مالکانی رحمۃ اللہ علیہ کی قلم سے لکھا ہوا دیکھا کہ لکھا تھا کہ ایک بار ایک عورت حضرت شیخ کی مجلس میں بیٹھی تھی کہ اس پر رقت طاری ہو گئی۔ اس دنت وہ کوٹھے کی



چھت پر تھی۔ نیچے گری۔ شیخ نے ایک نگاہ ڈالی تو وہ زمین پر آنے کی بجائے دیوار کے ساتھ ٹک گئی دوسری عورتوں نے اسے پکڑ کر کھینچا۔ اور اس طرح وہ بچ گئی۔ دیکھا تو دیوار میں ایک میخ گڑھی ہوئی تھی جس سے اس کے کپڑے اُلجھ گئے تھے۔

میں نے اشرف ابوالیبان رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا درزی اور جولا ہا ہے کہ ایک بار ایک درزی اور ایک جولا ہا جو حضرت کی کرامات کے مکر تھے باہم دوست تھے وہ جب بھی بیٹھے حضرت کے متعلق کہتے کہ شیخ کی باتوں میں حقیقت نہیں ہے ایک دن دونوں نے مشورہ کیا کہ یہ شخص کرامات کے دعوے کو تارہتا ہے۔ اگر وہ یہ معلوم کر لے کہ ہم کون ہیں تو ہم اسے ولی اللہ مان لیں گے دونوں حضرت کی مجلس میں آئے حضرت نے دونوں کو مجمع میں دیکھا تو فرمایا۔

برفلک ہر دو مرد پیشہ و راند      ذآں یکے درزی و دیگر جولا ہا  
اشارہ درزی کی طرف کیا۔ اور فرمایا۔ یہ درزی اب بادشاہوں کا لباس تیار کیا کرے گا  
پھر جولاہے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ شخص اب سیاہ گڈی بنا کرے گا۔ دونوں نے سنا تو  
بڑے شرمندہ ہوئے۔ اور انکار کرامات سے تائب ہو گئے۔

خواجہ عماد الدین محمد بن العباس

**ایک بال دنیا و آخرت سے محبوب ہے۔** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ  
میں ابھی سات سال کا تھا۔ میں نے اپنے والد سے سنا جنہوں نے فرمایا کہ حضرت خواجہ جوہیہ رئیس  
مینہہ کی بیٹی نے بتایا تھا کہ ایک دن حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ مینہہ میں مجلس و عظیم شریف  
فرماتے تھے۔ آپ نے اس دن سرخ صوف کا خوبصورت لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ سر پر سفید  
پگڑی تھی۔ چہرہ سفید سُرخ تھا۔ میں آپ کے چہرے اور لباس کو بغور دیکھ رہی تھی۔ میں نے  
دل ہی دل میں کہا یا اللہ دنیا میں آج شیخ کا کوئی ثانی ہے۔ میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا  
تو شیخ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تم جو کچھ سوچ رہی ہو۔ اگر اسے دیکھنا چاہتی ہو تو غور



سے دیکھو۔ ایک درخت کی طرف اشارہ کیا جو دروازے کے باہر تھا۔ میں نے دیکھا تو درخت کے نیچے ایک خوش شکل نوجوان کھڑا تھا۔ کالا رنگ، خفک اور بے رنگ چہرہ۔ اور نہیف و نزار شیخ کے بالکل برعکس وہ کھڑا کھڑا حضرت شیخ کی باتیں سننے میں مگھتا۔ میں اس کو دیکھ رہی تھی کہ اس نوجوان میں بھلا کیا خوبی ہے جس کے لئے شیخ نے میری توجہ دلائی ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ حضرت نے فرمایا ہوش کرو۔ میں نے ہوش سنبھالا تو آپ نے فرمایا جس نوجوان کو تم دیکھ رہی ہو۔ اس کے بالوں کی ایک تار اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا و آخرت سے زیادہ محبوب ہے۔ ظاہریت پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔!

خواجہ امام عماد الدین محمد فرماتے ہیں۔

**بخاری شریف کی آخری حدیث** : ایک دن حضرت شیخ قدس سرہ و عظم

فرما رہے تھے۔ خواجہ حسن سمرقندی مجلس میں آئے۔ حضرت شیخ کی باتیں سننے لگے۔ دل میں کہا کہ یہ کیا بات ہے جو شیخ کہتے ہیں؟ اسی وقت حضرت نے اس کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ خواجہ آپ نے پندرہ بار صحیح بخاری پڑھی ہے۔ بخاری شریف کی آخری حدیث کون سی ہے خواجہ حسن نے واقعی صحیح بخاری کو پندراں بار پڑھا تھا۔ مگر دماغ پر زور ڈالنے کے باوجود حدیث نہ بتا سکے۔ آپ نے فرمایا۔ **كَلِمَاتَانِ خَفِيَّتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ جَنَّتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ** خواجہ امام حسن نہایت شرمندہ ہوئے اور دل ہی دل میں نادم تھے۔ جب باہر آئے تو کہنے لگے۔ میں نے پندراں بار بخاری شریف پڑھی اور اسے زبانی یاد کیا لیکن یہ حدیث مجھے یاد نہ آئی۔

خواجہ عماد الدین محمد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جد امجد استاد ابو بکر نوقانی رحمۃ اللہ علیہ

سے سنا تھا۔ ایک دن حضرت شیخ خواجہ حمویہ اور میں تینوں مینبہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے

تھے کہ ختن کا ایک نوجوان آیا کہنے لگا۔ رئیس مینبہ کون ہیں حضرت شیخ نے خواجہ حمویہ کی

طرف اشارہ کیا۔ نوجوان کہنے لگا مجھے اسلام سکھاؤ خواجہ حمویہ نے حضرت شیخ کو کہا۔ ت



آپ سے اسلام پیش کریں۔ میں نے کہا۔ اتنی دیر نہ کریں۔ اس نوجوان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اسے اسلام سے روشناس کریں۔ حضرت شیخ نے مجھے حکم دیا۔ کہ تم ہی اسے کلمہ پڑھا دو۔ میں نے اسے کلمہ پڑھایا۔ وہ نوجوان مسلمان ہو گیا۔ میں نے اسے پوچھا کہ اب بتاؤ کیا معاملہ ہے کہ تم اسلام لانے کے لئے اتنے بے تاب ہو۔ کہنے لگا۔ ہم دو بھائی ہیں بغرض تجارت ختن سے طبرستان آئے۔ ایک رات مجھے خواب میں کسی نے حکم دیا۔ کہ میں اسلام قبول کروں۔ اور مینہ کے مہر یا رئیس کے ہاتھوں دولتِ اسلام حاصل کروں۔ میں اٹھا۔ تو اسی دن سے ارادہ کر لیا کہ مسلمان ہوں گا۔ جب میں دریائے دجلہ کے طرف آیا۔ میرا دل تجارت سے اچاٹ ہو گیا دنیا کی طلب سے ٹھنڈا ہو گیا اور صرف دولتِ اسلام کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ میرا خواب سچا تھا۔ میں نے اپنے بھائی کو مالِ تجارت دے دیا۔ اور خود تارک الدنیا ہو گیا۔ آج اللہ نے مہربانی کی کہ آپ کے ہاتھوں دولتِ اسلام پالی ہے۔

حضرت شیخ نے مجھے پھر حکم دیا۔ کہ اسے قرآنِ پاک کی چند سورتیں یاد کرا دوں تاکہ اسے نماز پڑھنے میں سہولت ہو۔ میں نے اس نوجوان کو سورہ والضحیٰ تک آخری سورتیں زبانی یاد کرا دیں۔ اسی اثنا میں خواجہ حمویہ اپنے گھر چلے گئے اور گھر سے ایک پگڑی کرتہ ازار بند۔ موزے مکر بند غرضیکہ کہ پورا لباس بھیجا۔ اور حضرت شیخ قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے یہ ساری چیزیں اٹھائیں اور حسن مودب کو بلا کر کہا۔ انہیں بازار میں فروخت کراؤ۔ اس نوجوان کے اسلام لانے کی خوشی میں تمام درویشوں کی دعوت کرو۔ اسے نہلاؤ۔ اور نیا لباس پہناؤ۔ وہ شخص چند دن حضرت کی تربیت میں رہا اور پاک بازوں میں شمار ہونے لگا۔

خواجہ عبدالکریم جو حضرت شیخ کے خاص الخاص خادم تھے نے بتایا۔ کہ ایک دن مجھے ایک درویش نے بٹھا کر کہا کہ میں حضرت شیخ کی زندگی کے چند واقعات لکھ دوں۔



کوئی شخص آیا۔ اور کہنے لگا کہ حضرت شیخ نے یاد فرمایا ہے۔ میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کیا کر رہے تھے۔ میں نے بتایا کہ ایک درویش آپ کی زندگی کے چند واقعات لکھ رہا تھا۔ آپ نے سنتے ہی فرمایا عبد الکریم داستان نویس نہ بنو۔ بلکہ یوں زندگی بسر کرو کہ لوگ تمہاری داستانیں یاد کریں۔ اس میں چند فائدے ہیں۔ ایک تو یہ بات تھی کہ حضرت نے اپنی فرصت سے معلوم کر لیا کہ خواجہ عبد الکریم کیا کر رہے ہیں دوسرے اسے تادیب کی کہ یوں کرو اور یوں رہو۔ تیسرے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی کرامات اور حالات لکھے جائیں اور لوگوں میں مشہور کی جائیں چنانچہ اس راقم کتاب نے ابتدائی حصے میں لکھا ہے کہ بزرگان دین اپنے حالات کو پردہ گنہامی میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔

ازجاہ میں ایک حمزہ سکاک نامی درویش رہتا

### قوت برداشت کی تربیت

تھا۔ وہ حضرت شیخ قدس سرہ کا مرید تھا۔ وہ حضرت شیخ کی مجالس میں حاضر نہ ہوتا تھا لیکن جمعرات کو اہتمام سے حاضری دیتا پھر جمعرات اور جمعہ کی ساری مجالس میں شرکت کرتا۔ حضرت کے پیچھے نماز جو ادا کر کے پھر چلا جاتا تھا حمزہ حضرت کی نگاہوں میں بھی بڑا عزیز و محترم تھا مگر اس میں ایک عادت تھی کہ حضرت کے درویشوں پر درستی کیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت کی مسجد میں درویش بیٹھے تھے۔ حمزہ بھی مسجد میں آیا۔ اور مسجد کے دروازہ کو بڑے زور سے بند کیا۔ تمام درویشوں کو ہی حرکت سے سخت تکلیف ہوئی حضرت نے بھی اسے ناپسند فرمایا۔ آپ خلاف معمول مسجد میں تشریف لائے۔ آپ کو دیکھ کر تمام لوگوں میں ایک قسم کا اضطراب اور گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ اور سب نے مل کر حمزہ کی شکایت کی کہ یہ شخص ہمیں بڑا تنگ کرتا ہے۔ شیخ نے حکم دیا حمزہ کو بلاؤ۔ اس وقت حمزہ بازار چلا گیا تھا۔ لوگ اس کے پیچھے گئے اور اسے بلا لائے۔ آپ نے فرمایا۔ حمزہ درویشوں کو تم سے شکایت ہے۔ کہ تم ان کے آرام میں مغل ہوتے ہو۔ اور عقل سے کام نہیں لیتے۔ حمزہ کہنے لگا حضرت جب یہ لوگ حمزہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے



تو انہیں بار برداری کے کپڑے اتار دینا چاہیئے۔ حضرت اس وقت بڑے اچھے مزاج میں تھے نعرہ مارا۔ اور کہا حمزہ پھر کہو۔ پھر کہو! حمزہ نے پھر کہا۔ حضرت شیخ نے پھر نعرہ مارا اور کہا حمزہ پھر کہو! حمزہ نے تیسری بار کہا حضرت نے پھر نعرہ بلند کیا۔ اور حسن موذب کو کہا۔ اٹھو۔ اور شکر لے کر آؤ۔ حسن شکر کا ایک طبق بھر لائے۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے حمزہ کے سر پر نچپا اور کرنا شروع کی اور اسی طرح نعرے مارتے گئے۔ اور کہتے گئے مَنْ لَسُو يَطِقُ اِحْتِمَالِ الْاَذَى فَسَلِيْهِ اِنْ يَسْرَعُ ثَوْبَ الْحَمَائِيْنَ جو دوسروں کی تکلیف کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ انہیں مردوں کے کپڑے اتار دینا چاہیئے۔

ایک دفعہ حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ بارود کے راستہ سے سفر فرمایا ہے تھے۔ وہاں ایک عارف باللہ رہا کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی حضرت اگر آپ بارود میں چند روز قیام فرمائیں تو آپ کی کتنی مہربانی ہوگی۔ یہاں کے لوگوں کو بھی آپ کے فیضان سے کچھ حصہ مل سکے۔ حضرت نے اس کی بات مان لی۔ آپ تیس دن قیام فرما رہے۔ یہ عارف ہر روز ایک دینار حسن موذب کو دیتے اور کہتے کہ درویشوں کے لئے کھانا تیار کرو۔ حسن خرچ کرتے جاتے۔ لوگوں کو اعتراض تھا آیا یہ دینار حلال کی کمائی ہے۔ کیونکہ ظاہراً وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ لوگوں کی بات سننے لگے مگر خاموش رہتے۔ تیس دن گزرے۔ تو شیخ نے آگے جانے کا ارادہ کیا اور لوگوں نے کہا کہ ہمارے میزبان کو بلایا جائے۔ جب آئے کہ آپ نے درویشوں پر جو کچھ خرچ کیا ہے۔ کہاں سے آیا تھا۔ اس نے کہا۔ میری دادی نے اپنے ورثے سے دیا تھا یہ میری حلال کی میراث تھی۔ دادی کے اس ہار میں سونے کے تیس دانے تھے۔ ہر روز ایک ایک دانہ خرچ کرتا رہا ہوں۔ آج یہ دانے ختم ہو گئے۔ اور حضرت نے سفر کا آغاز کر لیا ہے۔ اس کی بات سن کر لوگوں کا شبہ جاتا رہا۔ اور حضرت کے حق میں عقیدت



یاد رہے کہ حضرت شیخ قدس سرہ کی ذات والا صفات کرامات کا ایک مجموعہ ہے ہم نے نہایت ایجاز اور اختصار سے ان کرامات اور واقعات کو بیان کیا ہے جو مستند اور تحقیق شدہ تھے۔ اور ہم نے ان کی چھان بین میں بڑی محنت کی ہے اگر لوگ ان واقعات سے استفادہ کریں گے تو یہ حضرت کی زندگی کے نورانی واقعات کا عمدہ خیر پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس شیخ عالی مقام قدس سرہ کی برکات عالیہ تاقیام قیامت جاری اور ساری رکھے۔ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَعِزَّتِهِ الطَّاهِرِينَ ط



## باب دوم

### فصل دوم

## حضرت شیخ ابوسعید کی زبانی مفید حکایات

ایک دن حضرت شیخ ابوسعید ابو النخیر قدس سرہ وضو فرما رہے تھے آپ نے حسن مودب کو آواز دی اور کہا کہ ہمارے سر سے کپڑے ہٹالو۔ اور درویشوں کے لئے کوئی میٹھی چیز تیار کرو جس مودب نے عرض کی حضرت آپ وضو سے فارغ ہو لیں تو میں حکم بجالاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نیکی کی تکمیل تک شیطان حملہ کرتا رہتا ہے۔ یاد رکھو نیکی کا جب بھی خیال آئے اس میں جلدی کرنا چاہیے اور پھر زندگی پر غرور نہیں کرنا چاہیے کیونکہ انبیاء کرام اور مشائخ کرام تک برگزیدہ لوگ بھی شیطان کے مکر و فریب سے محتاط رہے ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُودًا وَلَا نَبِيًّا إِذَا تَمَنَّى  
الْقَى الشَّيْطَانَ فِي أَمْنِيَّتِهِ فَيَبْخُ الْقَدَمَا  
أَيَلْقَى الشَّيْطَانَ ثُمَّ يَجِيءُ اللَّهُ -



## ترجمہ :-

اور ہم آپ سے پہلے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا اور نہ ہی کوئی نبی ایسا آیا ہے۔  
کہ جب اس نے کسی چیز کی خواہش کی ہو تو اسے شیطان اپنی مرضی کو سے۔ پھر  
وہ اللہ کا حکم بنا کر پیش کرے۔

حضرت شیخ قدس سرہ کے زمانے میں ایک درویش تھے وہ بڑی سخت اور دشوار  
خدمات سرانجام دیتے جہاں کہیں کوئی مشکل کام ہوتا وہ وہاں پہنچ جاتے ایک بار وہ حضرت  
شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا حضرت میں یہ تمام مشکل کام اللہ کی رضا کے لئے کرتا  
ہوں اس وقت وہ درویش ایک مکان کی تعمیر میں مصروف تھے اور گارے اور کچھڑ سے لت پت  
تھے کم از کم آپ میری حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے تعریف تو کر دیں حضرت شیخ ان کی بات  
سن کر بڑے خوش ہوئے۔ اس دن کے بعد حضرت اسے کوئی کام کرتے دیکھتے تو بڑی خوشی  
کا اظہار فرماتے اور اس کی تعریف کرتے۔ جس سے وہ درویش بڑی راحت محسوس کرتا۔  
اور اپنے اندر قوت کار میں اصناف محسوس کرتا۔

جن دنوں حضرت شیخ قدس سرہ طوس میں قیام فرماتے تھے ایک دن  
اللہ کار ساز ہے! :- خواجہ امام ابوالمحسن رومی کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔  
حضرت شیخ کے سامنے ایک مسئلہ تھا۔ جسے آپ حل کرنا چاہتے تھے۔ باتوں باتوں میں اس  
مسئلے کا حل نکل آیا۔ تو شیخ نے فرمایا: ہمارا تو اللہ ہی کار ساز ہے! اور کہا الحمد للہ رب العالمین  
حضرت خواجہ امام ابوالمحسن فرمانے لگے۔ حضرت ہمارے کام تو ابو علی وادراگر کرتا ہے۔ حضرت  
نے فرمایا۔ نہیں صرف بات اتنی ہے کہ آپ جب کام کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ میں نے یہ کام  
ایسے کیا۔ میں ایسا کرتا ہوں۔ ہمیں ایسا کرنا چاہیے! آپ کے کام بھی اللہ ہی کرتا ہے۔ مگر  
آپ لوگ اپنے آپ کو درمیان میں رکھتے ہیں۔ لیکن میں اپنے آپ کو درمیان میں نہیں لاتا۔



خواجہ امام مظفر خدائی نے ایک دن فرمایا کہ ہمارا معاملہ شیخ ابوسعید کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے پیمانہ اور دانہ ہو۔ شیخ کی حیثیت ایک دانہ ہے باقی ہم ہیں حضرت ابوسعید کے ایک مرید بھی اسی مجلس میں سن رہے تھے غصہ کھا کر مجلس سے اٹھ آئے۔ اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ امام مظفر سے جو کچھ سنا تھا۔ بیان کر دیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ جاؤ۔ اور امام مظفر کو کہو کہ وہ دانہ بھی تم ہی ہو۔ ہم تو کچھ بھی نہیں!

حضرت شیخ قدس سرہ طوس میں تھے۔ جب وہاں ادب اور احترام :- سے روانہ ہوئے تو استاد ابو بکر قدس سرہ آپ کو الوداع کہنے باہر آئے۔ حضرت آپ کو واپس جانے کا کہتے مگر وہ از رو ادب و خلوص واپس نہ جاتے۔ حضرت نے زور دے کر کہا۔ استاد اب واپس چلے جاؤ۔ وہ کہنے لگے۔ حضرت آپ جس راستہ پر چل پڑے ہیں میں اس سے واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا۔ تدبیر کی راہ سے اٹھ کر اب تقدیر کے راستے پر چلو۔!

حضرت شیخ قدس سرہ کا ایک نو عمر بچہ تھا۔ فوت ہو گیا۔ حضرت کو اس سے بڑا پیار تھا۔ قبرستان میں گئے تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے قبر میں اتارا اور مٹی کے سپرد کر دیا۔ آپ قبر سے نکلے تو آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور یہ شعر زبان پر تھا۔

زشت باید دید و انگارید خوب      زہر باید خورد و انگارید قند  
تو سنی کردم ندانستم ہے      کز کشیدیں سخت تر گرد و کند

کچھ عرصہ کے بعد آپ کا ایک اور فرزند بھی فوت ہو گیا۔ آپ نے فرمایا بہشت والوں نے ہم سے کچھ یادگاریں طلب کی تھیں۔ ہم نے پیشگی بیج دیں۔ تاکہ ہم پہنچیں تو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک وہاں ہو۔

حضرت نیشاپور میں تھے۔ ایک دن حکم فرمایا گھوڑے پر زین کسیں۔ تاکہ باہر چلیں۔



گھوڑے پوزین رکھی گئی۔ حضرت روانہ ہوئے بہت سے لوگ خدمت میں موجود تھے نیشاپور سے کچھ دور ایک گاؤں تھا۔ وہاں پہنچے تو پوچھا اس گاؤں کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے کہا۔ "درِ دست" شیخ وہاں ہی قیام فرما ہوئے۔ دوسرے دن لوگوں نے کہا۔ حضرت اب! پس جانا چاہیے۔ آپ نے فرمایا۔ انسان بڑی منزلیں مار کر درِ دست پر پہنچتا ہے اب اس سے آگے ہم کہاں جائیں گے۔ چنانچہ آپ چالیس دن وہاں ہی رہے اس گاؤں کے لوگ اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ اور اخلاقی پستیوں میں گرے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ کی برکات سے تمام تائب ہوئے۔ حضرت کے مرید ہو گئے اور حضرت نیشاپور آگئے تو یہ لوگ وہاں بھی آتے رہے۔ ایک بار حضرت نے فصد کرایا۔ خون بہہ رہا تھا۔ آپ نے حسن مودب سے پوچھا حسن کیا دیکھ رہے ہو۔ حسن کہنے لگے۔

مردان جہان فصد کنند خون آید      تو فصد کنی و عشق تو بیرون آید

"دنیا کے لوگ تو فصد کراتے ہیں تو ان کا خون نکلتا ہے۔ مگر آپ نے فصد کرایا تو آپ

کا عشق بہہ رہا ہے۔ آپ نے اسی وقت فصد کرنے والے کو بلایا۔ اور فرمایا۔ اسے بند کر دو۔ اسی وقت خون بند کر دیا گیا۔

ایک دن حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ

**ابوعلی سینا حضرت شیخ کی مجلس میں** : العزیز نیشاپور میں مجلس میں تشریف

فرماتے تھے اسی دوران خواجہ ابوعلی سینا حضرت کی خانقاہ کے دروازے پر آئے دونوں

حضرات نے اس سے پہلے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا جب ابوعلی اندر آئے

تو حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا۔ آج ہمارے پاس ایک حکمت دان آئے ہیں۔ ابوعلی سینا

آئے اور مجلس میں بیٹھ گئے مگر شیخ نے گفتگو جاری رکھی۔ مجلس ختم ہوئی۔ تو اپنے صومعہ

میں چلے گئے ابوعلی سینا کو بھی اندر بلا لیا۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ کسی کو اندر آنے کی

اجازت نہ تھی۔ تیس رات دن دونوں حضرات خلوت میں محو گفتگو رہے دونوں حضرات



ناز ادا کرنے کے علاوہ کبھی باہر نہ آئے تھے تین دن کے بعد بوعلی سینا نے اجازت لی اور چلے گئے۔ بوعلی سینا کے شاگردوں نے آپ سے پوچھا۔ ابو سعید ابی النخیر کیسے ہیں فرمایا: "جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ دیکھتے ہیں" ادھر حضرت شیخ قدس سرہ کے مریدوں نے حضرت سے دریافت کیا حضرت یہ ابوعلی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا: "جو کچھ وہ جانتے ہیں ہم دیکھتے ہیں"

اس دن سے شیخ بوعلی سینا کے دل میں حضرت شیخ ابو النخیر کے متعلق عقیدت کا بند بے پیدا ہوا۔ وہ اکثر و بیشتر حضرت کی ملاقات کو آتا۔ اور کئی کرامات دیکھتا ایک دن اچانک نیشاپور میں حضرت کے پاس آ گیا حضرت نے اس سے پہلے اپنے اصحاب کو حکم دیا تھا۔ کہ گھوڑے پر زین رکھیں ہم اندر زن جانا چاہتے ہیں داند زن کا گاؤں نیشاپور کے نزدیک ایک پہاڑ کے دامن میں ہے۔ جہاں حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی غار ہے، بوعلی سینا حضرت کو ملے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہم زیارت کا ارادہ رکھتے ہیں آپ کا کیا خیال ہے بوعلی سینا نے کہا میں بھی چلوں گا۔ دونوں حضرات چل رہے صوفیہ کی ایک بہت بڑی جماعت بھی ہمراہ تھی۔ بوعلی سینا کے شاگردوں کا ایک خاص بڑا گروہ بھی ساتھ ہو لیا۔ راستہ میں کئی جگہ کائی کے کانے پڑے دکھائی دیئے۔ حضرت شیخ ابو سعید نے فرمایا۔ ایک کا نام مجھے بھی اٹھا دو۔ پھر ایک ایسی وادی آئی۔ جہاں سخت پتھر تھے۔ حضرت شیخ اس کانے کو جس پتھر پر لگاتے پتھر میں سوراخ ہو جاتا۔ بوعلی سینا اور ان کے شاگرد دیکھ رہے تھے۔ بوعلی حضرت کے پاؤں میں گرے گئے۔ لیکن اس وقت تک کسی کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ حکمت کا یہ امام کیوں گواہ ہے لیکن اس دن سے بوعلی سینا حضرت کے ایسے مرید ہوئے کہ تقریباً ہر روز زیارت کو حاضر ہوتے اس دن کے بعد حکمت و عرفان پر جتنی کتابیں لکھیں اس میں ایک باب ادبیا کرام کی کرامات کا لکھا۔ اشارات وغیرہ کتابوں میں ایسے آثار ملتے ہیں پھر



بوعلی سینا نے اولیاء اللہ کی کرامات تصرفات . علوم و عرفان سلوک . چادہ طریقت و حقیقت پر کئی ایک مستقل کتابیں تصنیف کیں۔

خواجہ حسن مودب پہلی بار نیشاپور میں حضرت شیخ کی

خواجہ حسن مودب کی تربیت : خدمت میں حاضر ہوئے تو دنیا کے تمام مال و متاع

کہ حضرت کی خدمت میں نذر کر دیا حضرت نے چند دنوں میں ہی درویشوں اور غریبوں میں

تقسیم کر دیا۔ اور حسن مودب کو ریاضت اور عبادت میں لگا دیا۔ اس سلسلہ میں آپ بذاتِ خود

حوصہ افزائی فرماتے۔ تربیت کرتے اور نگرانی فرماتے تھے۔ لیکن ان ریاضتوں کے باوجود

خواجہ حسن کے اندر بوبے خواجگی موجود تھی۔ آپ نے ایک دن حسن کو آواز دی اور کہا جاں

اٹھاؤ۔ اور کرمانیوں کے چوک میں چلے جاؤ۔ اور وہاں سے تمام جگر بند اور شکنبے اوجھریاں

جو بھی نظر آئیں خرید لو اس جاں میں ڈال کر تمام گوشت اپنی پشت پر لاد کر لے آؤ۔ آپ

حضرت کے حکم سے چلے تو گئے۔ مگر آپ کو یہ کام بڑا گراں گذرا۔ مجبوراً کرمانیوں کے چوک

میں پہنچے تمام جگر بند اور اوجھریاں خرید لیں جاں میں رکھے پشت پر لادے اس حالت میں

چلے آ رہے تھے کہ خون اور نجاست آپ کے کپڑوں اور بدن پر بہ رہا تھا۔ اور حسن

لوگوں سے منہ چھپائے نہایت شرمندگی سے چلے آ رہے تھے لوگوں نے حسن کو ہمیشہ خوش

لباس میں دیکھا تھا۔ مگر آج وہ اسی غلاطت میں اٹے پڑے اسی بازار سے گزر رہے

ہیں۔ انہیں خواجگی اور امارت کے احساس سے دست بردار ہونا بڑا مشکل تھا حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

إِنَّ آخِرَهَا يَخْرُجُ عَنْ رُؤْسِ الصِّدِّيقِينَ حَبَّ السَّرِيَّاسَةِ

صدقیقین کے دماغوں سے جو چیز سب سے آخر میں نکلتی ہے۔ وہ حکمرانی کی محبت اور

خود سری کی بوجھتی ہے)

حضرت شیخ کی بھی یہی خواہش تھی کہ حسن کے دماغ میں خود سری اور حکمرانی کی اکڑ



کو ختم کر دیا جائے۔ حسن نے یہ حال اٹھایا۔ اور بدین ہٹیٹ کڈائی کرمانیوں کے بازار سے حضرت شیخ کی خانقاہ تک آئے تو عدنی گویاں کے گنجان بازار سے گزر ہوا۔ یہ بازار تمام نیشاپور کے بازاروں میں بارونق بازار تھا۔ حضرت نے حسن کو خانقاہ کے دروازے پر دیکھتے ہی فرمایا حسن! انہیں دروازہ حیرہ پرے جاؤ۔ اور وہاں کنویں کے یانی سے دھو کر واپس لاؤ۔ یہ تو بہت گندمی ہیں۔ یہ بازار شہر کے دوسرے کنارے پر تھا حسن دروازہ حیرہ پر گئے۔ اور ان تمام کو صاف کیا۔ دھویا۔ اور پھر خانقاہ کی طرف لائے اس دوران حسن سے خواجگی کی بو اور حکمرانی کی اکڑ مچکی تھی۔ اب وہ آزادانہ اور خوش خوش آ رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا۔ اب اسے باورچی کے حوالے کر دو تاکہ وہ اسے تیار کرے درویشوں کے لئے پکائے۔

حضرت شیخ نے دیکھا کہ اس کام کے سرانجام دینے میں حسن نے بڑا محسوس کیا ہے اور اسے سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ آپ نے آواز دے کر حسن کو بلایا۔ اور فرمایا حسن! اب تم نہا لوصاف اور پاکیزہ کپڑے پہن لو۔ اور کرمانیوں کے بازار میں چلے جاؤ۔ اور وہاں سے دروازہ حیرہ جانا اور لوگوں سے پوچھنا کہ کسی شخص نے تمہیں وہ اوچھریاں اٹھائے آتے جاتے دیکھا تھا۔ حسن نہائے۔ لباس بدلا۔ اور حسب الحکم چلے گئے۔ تمام بازاروں میں عام لوگوں اور دکانداروں سے پوچھا۔ کہ کسی نے انہیں دیکھا ہو۔ سب نے بتایا۔ نہیں ہم نے تو نہیں دیکھا۔ حسن واپس آئے تو حضرت شیخ نے فرمایا۔ حسن! صرف تم ہی اپنے آپ کو دیکھتے رہے ہو کسی شخص کی نگاہ نے تمہیں اس حالت میں تمہیں دیکھا تھا۔ یہ تمہارا ہی نفس ہے جو تمہیں اکڑ اور فخر پر آمادہ کرتا ہے۔ ورنہ دوسرے لوگوں کو اس سے کیا سرد کا ہے اس نفس پر سختی کرنا چاہیے اس کی سرزنش ہی کامیابی کی دلیل ہے اسے اس طرح دبائے رکھو کہ نہ اسے اپنی ذات کی پروا رہے نہ مخلوق کی۔ حسن نے حضرت کی یہ گفتگو سنی۔ تو خواجگی اور دنیاوی نمائش کی ساری باتیں دل سے نکال دیں۔ رات کو کھانا پکا۔ سارے درویش دسترخوان پر جمع ہوئے۔ تو حضرت شیخ نے فرمایا۔ پیٹ بھر کر کھاؤ۔ یہ حسن کی خواجگی کا سالن ہے اور آج رات تمہاری دعوت حسن کا غرور ہے۔



ایک دن حضرت شیخ کے پاس ایک شخص آیا۔  
اسرارِ خداوندی کی حفاظت :- اور کہنے لگا۔ حضرت میں اس لئے حاضر ہوا

ہوں کہ آپ اسرارِ حق کی تلقین فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا کل آنا۔ وہ دوسرے دن آیا حضرت  
شیخ نے درویشوں کو کہا تھا کہ ایک چوہا پکڑ کر ایک برتن میں بند کر کے اس کا منہ کپڑے سے بند  
کر دو۔ اس شخص کو بلایا۔ اور برتن اسے دے کر کہا۔ اسے لے جاؤ۔ اور اسے اپنے گھر رکھو۔ مگر  
اسے کھونٹا نہیں۔ اور خیال رکھنا۔ وہ لے کر چلا گیا مگر رات کو اس کے دل میں بار بار خیال آتا  
کہ اس برتن میں بھلا کیا ہے جسے نہ کھولنے کا کہا گیا ہے۔ اس نے ضبط کیا۔ عبرت کیا۔ مگر آخر کار  
اس نے فیصلہ کیا کہ منہ کھول کر دیکھوں۔ کیا ہے۔ کپڑا کھولا تو ایک چوہا پھلاگ کر بھاگ گیا۔ وہ  
آدمی دوسرے دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت میں نے تو آپ سے  
اسرارِ خداوندی دینے کو کہا تھا آپ نے مجھے چوہا دے دیا۔ حضرت نے فرمایا بھلا آدمی۔ ہم  
نے ایک چوہا تمہیں دیا۔ تم اس کی حفاظت نہیں کر سکے۔ اسرارِ خداوندی کیسے برداشت کرو گے۔

حضرت شیخ کی یہ عادت تھی کہ آپ کا کوئی  
گھر میں تین چیزوں کا خیال رکھو :- مرید شادی کرتا تو آپ اس کی بیوی کو  
بلا تے اور فرماتے گھر میں تین کام ضرور کرنا۔

۱۔ تمہارا خاوند جو چیز کھانے کے لئے گھر میں لائے۔ اس کی حفاظت کرو۔ اور  
کچھ نہ کچھ بیچ جائے تو اسے خاوند کی اجازت کے بغیر فریح نہ کیا کرو جس طرح عورتیں  
سوت کی چند تاریں بھی علیحدہ رکھ کر اس کے بدلے کچھ نہ کچھ خریدتی رہتی ہیں۔

۲۔ گھر میں لکڑی کا جالا کبھی نہ لگنے دو کیونکہ اس جالتے میں شیطان اپنا ڈیرہ  
لگا لیتا ہے اور ہمارے مرید شیطان سے دور رہتے ہیں۔

۳۔ جو کچھ پکانا چاہو۔ اسے پہلے دھو لیا کرو۔ خواہ گوشت ہو خواہ سبزی یا دال  
ہو۔ ان تین چیزوں کو ہمیشہ یاد رکھو۔



ایک بار حضرت شیخ وضو کرنے کے لئے بیٹھے تھے کہ ایک مرید کو وضو کے لئے پانی لانے کو کہا۔ اسے دیر ہو گئی۔ دوسرے درویشوں نے اعتراض کیا اور کہہ رہے تھے۔ اسے کیا ہو گیا ہے۔ اتنی نزدیک سے پانی لانا تھا۔ وہاں بیٹھ رہا ہے وہ پانی لے کر آیا تو حضرت نے ان درویشوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا دراصل جس پانی سے ہم نے وضو کرنا تھا وہ بھی چشمہ سے نہیں نکلا تھا۔ جب وہ برآمد ہوا۔ تو اس سے پانی لے آیا ہے تم خواہ مخواہ اعتراض کرتے رہے ہو مگر مدرسہ میں حضرت خواجہ امام ابو بکر صابونی ہمارے حضرت کے شریک مجلس تھے۔ اور ہم سبق بھی تھے۔ حضرت نے شہرت عامہ حاصل کی۔ تو ایک دن خواجہ ابو بکر حضرت کی خدمت میں آئے۔ اور فرمایا ہم ایک ہی مدرسہ میں ہم سبق تھے اکٹھے پڑھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا بزرگ بنا دیا۔ اور ہم اسی طرح مدرسہ میں استادی کر رہے ہیں اس کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تمہیں یاد ہے ایک دن ہمارے استاد ہمیں یہ حدیث لکھا رہے تھے۔

مَنْ حَسَنَ الْإِسْلَامَ الْمَرْءَ شَرَكُهُ مَا لَا يَخِيئُهُ

جس شخص نے اسلام کی حقانیت کو قبول کر لیا۔ وہ اس کے علاوہ تمام چیزوں

کو چھوڑ دیتا ہے۔

تمہیں یاد ہے گھر جا کر تم نے کیا کیا؟ امام ابو بکر فرمانے لگے۔ میں نے لکھا یاد کیا۔

اور مزید حاصل کرنے کے درپے ہو گیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ ہم نے ایسا نہیں کیا تھا ہم

گھر گئے۔ جو کچھ ہماری اپنی ضرورت کی چیز تھی۔ اُسے رکھا۔ باقی سب کی سب چیزیں بانٹ

دیں۔ اور دل کو تمام ضروریات سے فارغ کر لیا۔ اور دل میں بٹھالیا کہ یہ حدیث پر ہے

اب کسی چیز کو اپنے پاس دبائے رکھنا درست نہیں۔

سرخس میں لوگوں نے حضرت شیخ سے پوچھا۔ حضرت طریف کے کہتے ہیں۔ آپ

نے فرمایا۔ تمہارے شہر میں تو لقمان کو ظریف کہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ حضرت ہمارے



شہر میں تو اس سے سخت گفتار اور سنجیدہ انسان نہیں ملتا حضرت نے فرمایا تمہیں بھول ہوئی ہے ظریف تو پاکیزہ چیز کو کہتے ہیں۔ اور پاکیزہ چیز وہ ہوتی ہے جو کسی دوسری سے ملی ہوئی نہ ہو۔ اور کسی دوسرے چیز سے اس کو پیوند کاری نہ ہو۔

حضرت شیخ کو لوگوں نے بتایا کہ فلاں بزرگ پانی مرد کامل کے اوصاف :- پر چلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بڑا آسان ہے مرغابی اور بگلا بھی پانی پر چلتا رہتا ہے۔ پھر لوگوں نے کہا فلاں بزرگ ہوا میں اُڑتے ہیں آپ نے فرمایا۔ یہ بھی آسان ہے یہ چلیں یہ مکھیاں ہوا میں اُڑتی پھرتی ہیں۔ پھر کہا گیا کہ فلاں بزرگ ایک لمحے میں ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کر لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا شیطان ایک لمحہ میں مشرق سے مغرب پہنچ جاتا ہے۔ ان چیزوں کی اللہ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ مرد خدا وہ ہے۔ جو اللہ کی مخلوق کے درمیان رہے۔ نشست و برخاست کرے سوئے۔ جاگے۔ لوگوں سے لین دین رکھے۔ مخلوق خدا کے معاملات میں دخل رکھے اندریں حالات ایک لمحہ بھی یادِ خداوندی سے غافل نہ رہے۔

ایک مؤذن مینہ میں ظہر کی نماز کی اذان کہہ رہا تھا۔ اور اقامت کا رقت ہوا تو حضرت کو آواز دی مگر آپ گھر سے باہر نہ آئے مؤذن کئی بار حضرت کے گھر کے دروازے تک آیا۔ اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر چلا گیا۔ نماز کا وقت تک ہو گیا۔ مگر آپ گھر سے نہ نکلے آخر کار حضرت باہر آئے۔ مؤذن نے اقامت کہی۔ نماز ادا کی گئی۔ حضرت مسجد میں بیٹھے تو مشائخ اور صوفیہ نے پوچھا حضرت آج خیر تھی کہ آج آپ گھر سے نہ نکلے آپ نے فرمایا آج دنیا نے ہمارا گریبان پکڑ رکھا تھا۔ اور کہہ رہی تھی آپ سے سب سے کچھ نہ کچھ لیا ہے میرا حصہ بھی ملنا چاہیے۔ ہم نے بڑی کوشش کی کہ اس سے جان چھڑائیں فریاد بھی کی مگر وہ ہمارا گریبان نہ چھوڑتی تھی۔ نماز کا وقت جا رہا تھا۔ ہم نے پورا زور لگایا۔ مگر وہ باز نہ آئی۔ آخر کار ہم نے مفضل کو اس کے حوالے کر دیا۔ پھر کہیں جا کر اس نے ہمارا گریبان چھوڑا



ایک وقت آیا کہ آپ کے فرزندوں میں سے صرف مفضل اور ان کی اولاد دنیا کی نعمتوں سے مالا مال ہوتی رہی۔ ورنہ حضرت کی دوسری اولاد تنگدستی سے وقت گزارتی رہی۔ خواجہ مفضل اور ان کے بیٹے صاحب ثروت ہمنے مال و دولت سے مالا مال ہوئے۔ اور دنیائے دیکھا کہ خواجہ مفضل کی اولاد ہی دنیا کی نعمتوں سے پھلی پھولی۔

حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ایک بار طوس

**بخشش کے لئے ایک قدم** میں آئے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ حضرت وعظ

فرمائیں حضرت نے قبول کر لیا۔ دوسری صبح استاد کی خانقاہ میں منبر بچھا یا گیا۔ لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیٹھتے جاتے تھے۔ حضرت منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ تاری نے تلاوت قرآن کی اتنے لوگ آئے کہ تل دھرنے کی جگہ نہ رہی، ایک شخص نے اعلان کیا کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ سے ایک ایک قدم آگے آجائے تو بخشا جائے گا۔ حضرت نے فرمایا۔ وصلی اللہ علیہ وسلم و علیٰ آلہ و اجمعین یہ کہہ کر آپ نے فرمایا۔ لوگو! جیسا کہ میرے دوست نے ابھی بھی فرمایا ہے کہ جو ایک قدم آگے بڑھے گا۔ اللہ اسے بخش لے گا چونکہ تم لوگ ایک ایک قدم آگے بڑھے ہو سب کے سب بخشے گئے ہو۔ یہ کہہ کر آپ منبر سے نیچے آگے اور مزید کچھ نہ کہا۔

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے۔ کہ بزرگان دین میں سے ایک سو بزرگوں نے باتیں کیں ہیں۔ جو بات پہلے بزرگ نے ہی تھی وہی ہر ایک نے آفرین بزرگ تک کہتے رہے۔ کسی ایک نے دوسرے سے اختلاف نہیں کیا۔ صرف الفاظ مختلف تھے مطلب اور معنی ایک ہی تھا۔

التَّصَوُّفُ شَرَكٌ التَّكْلِيفُ ط = تصوف کیا ہے؟ تکلف کو ترک کر دینا تکلف میں خودی اور تکبر ہوتا ہے۔ تکلف چھوڑ دیا جائے تو تمام چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ مشائخ نے فرمایا ہے جو چیز لوگوں کو پسند آئے وہ اللہ کو پسند نہیں آتی۔ جو چیز اللہ کو پسند آتی ہے اسے لوگ پسند نہیں کرتے۔ ایک بار حضرت شیخ قرآن پڑھ رہے تھے آپ ہر



وہ آیت پڑھتے جس میں اللہ کی رحمت نمایاں تھی۔ عذاب اور وعید کی تمام آیتیں چھوڑ دیتے ایک عالم دین نے سنا تو فرمایا حضرت! اس طرح قرآن پاک کی ترتیب بدل جاتی ہے اپنے فرمایا۔

ساقی تو بدہ بادہ مطرب تو بدنِ دود تلمے خورم امروز کہ وقت طرب است

مے بہت اور مہت دبت لالہ رُفان بہت غم نیت و گر بہت نصیب دل اعداست

ترجمہ :- اے ساقی تم جام شراب دو۔ اے مغینہ تم ساز بجاؤ آج ہم شراب پیئیں گے

کیونکہ وقت اچھا ہے شراب ہے۔ خلوت ہے اور لالہ رُفان کا بادشاہ محبوب موجود ہے۔ آج ہمیں کیا غم ہے۔ اگر غم ہے تو وہ دشمن کے نصیب میں ہے۔

پھر فرمایا۔ ہمارے لئے تو خوشخبری اور مغفرت آئی ہے۔ دشمنوں کے لئے عذاب اور ڈر۔

ہے یہ بات سنتے ہی اس درویش کے دل میں خیال آیا۔ تو حضرت رک گئے فرمانے لگے۔

عَلَى الرَّعْمِ الْفَأَبَى الدَّرْدَا رَأَى الْكُثْرَ فَرَمَا يَكْرْتِي تَحْتِي، پھر فرمایا کہ ابو بکر واسطی

رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

تَعْلَقَ الْخَلْقِ بِالْخَلْقِ كَتَعْلَقِ الْمَسْجُونِ بِالْمَسْجُونِ

مخلوق کا مخلوق سے تعلق ایسا ہی ہے جو قیدی کا دوسرے قیدی سے ہوتا ہے۔

حضرت نے فرمایا۔ ایک سائل نے ایک بوڑھے سے درخواست کی کہ کچھ بات سناؤ۔ اس

نے کہا ملاہ الاعلیٰ سے تحت اثری تک تمام چیزیں اللہ کی قدرت کا ایک ذرہ ہیں جتنے علوم و

فنون اس کائنات میں ہیں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ایک ذرہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہذا ایسی ہستی

کے سلسلہ میں ایک ناچیز شخص بات کرے تو اس کی کیا حقیقت ہے کسی قسم کی عبارت اس

بات کے لائق نہیں ہے حضرت نے ایک دوسرے بزرگ کو کہا کہ آپ ہی کوئی بات

سناؤں وہ کہنے لگے مَا سَوَى اللَّهِ فَلَيْسَ كَهُ حَقِيقَةً فَمَا ذَا نِكَلَسُ =

ہم جو بات اللہ کے سوا کہتے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ پھر ہم بات کس

موضوع پر کریں۔



شیخ نے مزید بتایا کہ شیخ عبداللہ بن سہیل تستری قدس سرہ فرمایا کرتے تھے۔

قَلْبٌ لِّمَنْ يَلْبَسُ الْمِحْرَقَتَهُ وَهَمُّ الْأَزْدَقِ فِي قَلْبِهِ

وہ بہت ہی قلب انسان ہے جس نے فرقہ تو نہیں لیا۔ مگر اس کے دل میں روزی

کی فکر ہو۔

وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ اَرْزَقُ الْعِبَادَ عَلَى اللَّهِ لَا يَقُومُ بِهِ إِلَّا فَضْلُهُ =

حضرت شیخ نے بتایا کہ ہم ایک بار طبرستان میں حضرت ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ

کے پاس تھے آپ کی خدمت میں مختلف درویش آئے۔ آپ ان کی خواہشات پوری کرتے

جاتے خود فرماتے اسے ہر ایک کو خواہش دینا اسے پورا کرنا۔ مجھے کوئی خواہش اور تمنا نہ دینا۔ ہر ایک

کو آرزو دے ہمیں آرزو بھی نہ دے۔ بس ہمیں وہ دے کہ ہم نہ ہوں۔

ایک دن حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ الغرینیشاپور

لَيْسَ فِي جَبَّةِ سَوَى اللَّهِ - میں مجلس میں وعظ فرما رہے تھے آپ نے دوران

تقریر بڑے جوش میں فرمایا: لَيْسَ فِي الْجَبَّةِ سَوَى اللَّهِ (ہمارے گویان میں

اللہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے) یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنی انگشت شہادت سے اپنے گویان

طرف اشارہ فرمایا۔ اور سلینہ مبارک پر انگلی رکھ دی۔ اس مجلس میں بڑے بڑے مشائخ موجود

تھے۔ جن میں ابو محمد جوینی، استاد امام، ابوالقاسم القشیری، استاد اسماعیل صابونی اور دوسرے

حضرات رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ کسی نے بھی اعتراض

نہ کیا۔ بلکہ ان بزرگان دین پر ایک رقت طاری ہو گئی۔ تمام نے اپنے فرقے اتار کر رکھ دیئے۔

بے خودی کے عالم میں جھوم اٹھے۔ جب حضرت شیخ منبر سے نیچے آئے حضرت کا جبہ مبارک اور

مشارب کے فرقے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ مگر حضرت کے جبہ کا وہ حصہ جس کی طرف آپ نے

انگلی سے اشارہ کیا تھا۔ بطور تبرک محفوظ کر لیا گیا۔ آنے جانے والے لوگ اس ٹکڑے کی زیارت

کرتے تھے۔ حضرت کی وفات کے بعد یہ ٹکڑا خواجہ ابوالفتح اور ان کی اولاد کے پاس رہا۔ مدتوں



عالم اسلام کے عقیدت مند حضرت شیخ کے مزار کی زیارت کو حاضر ہوتے تو اس ٹکڑے کی زیارت کرتے غزوں کے حملوں تک یہ محفوظ تھا۔ غزوں نے لوٹ مچائی تو تبرکات کے ساتھ یہ ٹکڑا بھی گم ہو گیا۔

نیشاپور میں ایک حمزہ تراب نامی درویش رہا کرتا تھا۔ بڑا متواضع شخص تھا۔ ایک دن اس نے حضرت شیخ کی خدمت میں رقعہ لکھا تو ازراہ تواضع نیچے لکھا۔ تراب قدمیہ در آپ کے قدموں کی خاک، حضرت نے جواب میں یہ شعر لکھا۔

گر خاک شدی۔ خاک ترا خاک شدیم چوں خاک ترا خاک شدم! پاک شدیم!

راقم (مؤلف کتاب) کے جدا مجد خواجہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ بعض لوگ کہا کرتے تھے کہ حضرت کی زبان سے اکثر اشعار بلا ارادہ وارد ہوتے تھے۔ اگرچہ اس شعر کے علاوہ بھی آپ نے مندرجہ ذیل دو اشعار کہے تھے۔ مگر ان کی تصدیق نہیں ہو سکی آپ فرماتے ہیں۔

جانا بز میں خاوراں خاکے نیست کش بامن در روزگار من کاے نیست

بالطف و نوازش جمال تو مرا در دادں صد ہزار جاں خاکے نیست

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو القاسم یاسین سے سنا کہ ایک دن آپ

نے مجھے فرمایا۔ ابو سعید!

مرد باید کہ جگر سوخته خنداں بودا نے ہمانا کہ جنیں مرد فراداں بودا

مرد حق تو وہ ہے جو جگر سوخته بھی ہو اور خنداں بلب بھی ہو۔

ایک دن حضرت گنگو فرما رہے تھے۔ آپ کے پاس بہت سے مشائخ اور عزیز بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص مجلس میں ہی بلند آواز سے رونے لگا۔ جس سے تمام اہل مجلس محسوس کرنے

لگے۔ حضرت شیخ نے ایک نگاہ پر ہیبت سے اسے دیکھا اور فرمایا۔ اِنْ شِئْتَ اَنْ تَقُولَ كَمَا قُلْتَ نَاقِدُ كَمَا فَتَدُتْ فَاِنَّ مِنْ ثَبَتٍ ثَبَتٍ وَمَنْ صَبْرٌ ظَفَرٌ



اگر تم چاہتے ہو کہ وہ بات کہو جو میں نے کہی ہے۔ تو ایسے بیٹھ جاؤ جیسے میں بیٹھا ہوں۔  
یاد رکھو جو ثابت قدم رہتا ہے وہ ثابت قدم ہو جاتا ہے جو صبر کرتا ہے۔ اسے ہی صبر  
کی دولت ملتی ہے۔

آپ نے مزید فرمایا۔

سَمِعْتُ اَنْ عَقْبَهُ ابْنُ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَمَّ  
مَجْرًا الْعَبْدُ مَلِكًا غَيْبَةً فَذَبَلِي ه لَوْ اَنْ ذُو نَكَ بَجْرٍ اَلْيَقِيْنَ مُعْتَرِضًا  
بِهَمَا مَا شَاءَ اللَّهُ ط پھر فرمایا  
لَخَلَّتْ ذَاكَ سَرَابًا ذَاهِبًا لَاشْر  
وَلَوْ وَعِيَتْ وَفِيهَا بَدِينًا سَقَر  
لَهَوْنَ الشُّوقِ خَوْضُ النَّارِ فِي اسْقَر

حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دن ایک شخص حضرت ابوالفضل حسن  
قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت میں نے کل رات آپ کو خواب میں دیکھا تھا  
کہ آپ مرے پڑے ہیں اور لوگ جنازے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ بات تم  
نے اپنے لئے دیکھی تھی۔ یاد رکھو جنہیں مرا ہوا دیکھو۔ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں مَنْ عَاشَ لِلَّهِ  
لَا يَمُوتُ اَبَدًا جو اللہ کے لئے زندہ رہتا ہے۔ کبھی نہیں مر سکتا۔

ایک دن ایک درویش وضو کر رہا تھا۔ حضرت شیخ بھی وضو کرنے کے  
وضو کی دعا : لے وہاں چلے گئے۔ درویش وضو کرتا جا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔  
اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ كِتَابِيْ بِمَيْمِنِيْ۔ (اے اللہ مجھے نامہ اعمال دائیں ہاتھ دینا۔ حضرت  
شیخ نے سن کر فرمایا۔ اے درویش۔ اس نامہ اعمال سے کیا پڑھو گے۔ ایسا نہ کہا کرو۔ تمہیں  
اس بات کی طاقت نہیں ہے۔ درویش نے پوچھا۔ حضرت میں کیا پڑھا کروں۔ فرمایا۔ کہا کرو۔  
اَللّٰهُمَّ اَلْمُغْفِرُ وَالرَّحِيْمُ وَلَا تَسْأَلُ۔ اے اللہ مجھے بخش دے۔ نجد پر رحم فرما  
اور مجھے سوال نہ فرمانا۔

نماز میں درویش کی دعا :- بابا حسن حضرت شیخ قدس سرہ کے پیشوا امام تھے حضرت کی



خانقاہ میں امامت انہی کے ذمہ تھی۔ ایک دن صبح کی نماز پڑھا رہے تھے دعا مانگتے ہوئے فرمانے لگے تبارک ربنا وتعالیت اللہم صل علی محمد و آل محمد حضرت شیخ نے فرمایا کہ بابا حسن تم نے آل محمد پر درود نہیں پڑھا۔ بابا حسن کہنے لگے۔ حضرت جہاں صحابہ کرام پر درود نہ پڑھا جائے، وہاں آل محمد پر درود پڑھنے سے کیا فائدہ! حضرت نے فرمایا۔ ہم تو جہاں بھی گئے۔ آل محمد کو وہاں ہی پایا۔

جس زمانہ میں حضرت شیخ ابوالخیر قدس سرہ نیشاپور میں تھے۔ تو وارد  
**دل کی صفائی :-** گرد کے لوگ آپ کی مخالفت کرتے تھے حضرت استاد امام ابوالقاسم  
 بھی آغاز میں حضرت کے مخالف تھے۔ ایک بار آپ حضرت شیخ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو مخالفت ختم کر دی۔ بایں ہمہ کبھی کبھی امام ابوالقاسم کے اندر اندر ہی آپ کی مخالفت کا خیال آتا تھا۔ ایک دن حضرت شیخ امام ابوالقاسم اور دوسرے صوفیاء کے ساتھ ایک بازار سے گزر رہے تھے اس بازار میں ایک اجنبی کتا آپہنچا۔ اس بازار کے تمام کتے اس کے پیچھے پڑ گئے اور بھونکنے لگے۔ اسے دبیج لیا اور اسے زخمی کر دیا اور مار مار کر بازار سے نکال دیا۔ حضرت شیخ رک گئے اور فرماتے لگے۔ ابوسعید اس شہر میں مسافر ہے اور اجنبی ہے۔ اس کے ساتھ کتوں کا سا سلوک نہیں کرنا چاہیے اس دن سے حضرت امام ابوالقاسم کا سینہ صاف ہو گیا۔ اور مخالفت کا خیال بھی نہ آتا۔

خواجہ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کے خاص خادموں میں  
**خاشعہ راہ :-** سے تھے۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی بچہ ہی تھا۔ کہ میرے والد مجھے حضرت شیخ قدس سرہ کی خدمت میں لے گئے میرے والد تو واپس چلے آئے مگر میں حضرت کی خدمت میں ہی رہا۔ میں نے دیکھا۔ حضرت شیخ خانقاہ کے پردوں کی اس دھول کو دیکھنے لگے جو اڑا اڑ کر پڑی ہوئی تھی۔ حضرت نے فرمایا۔ پردوں پر پڑی ہوئی دھول کو جھاڑ کر میرے پاس لاؤ۔ میں اٹھا۔ اور جتنی مٹی تھی۔ جھاڑ لایا۔ فرمایا۔ تمہاری زبان میں



اسے کیا کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ خاشکہ۔ فرمایا۔ یاد رکھو۔ دنیا اور آخرت تو راہ خداوندی کا خاشاک، خاشاک ہیں جب تک یہ خاشکہ راستے سے صاف نہ ہوگا۔ منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکیں گے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَدْنَاهَا اِمَّا طَمَّتْ اَلْاَذَىٰ عَنِ الطَّبْرِيقِ۔ ایمان کا کمترین درجہ یہ ہے کہ راہ سے خاشکہ ہٹا دیا جائے۔ پھر فرمایا جہاں خدا ہے وہاں دوسری چیز نہیں رہ سکتی جہاں خدا ہے وہاں دوسرا شخص نہیں آ سکتا جہاں تو ہے وہاں دوزخ ہی دوزخ ہے جہاں تم نہیں وہاں بہشت ہی بہشت ہے۔

حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کا ایک مرید عراق سے چلا اور آپ کی دنیاوی تحفے :- خانقاہ مینہہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا لباس بڑا قیمتی تھا۔ راستے

میں اپنے دل میں فخر یہ سوچتا چلا آ رہا تھا کہ آج میں حضرت شیخ کی خدمت میں ایسا ہی قیمتی اور خوبصورت لباس لے جاؤں گا۔ حضرت دیکھ کر بڑے خوش ہوں گے۔ یہ تحفے آپ کو خوش کر دیں گے۔ وہ ابھی مینہہ سے تقریباً تیس میل دور تھا۔ تو حضرت نے درویشوں کو حکم دیا کہ

گھوڑے پرزیں کسیں۔ گھوڑا تیار ہوا حضرت سوار ہوئے اور بہت سے درویشوں کو لے کر صحرا کی طرف نکل گئے۔ اب درویش نے حضرت کو درویشوں کے ساتھ دیکھا۔ تو اس کا سر عزور

سے اور اونچا ہو گیا کہ میرے استقبال کو آرہے ہیں۔ غالباً انہیں میرے خوبصورت تحفوں کی خبر ہو گئی ہے۔ اس خیال سے اس کے دل میں حُب دنیا اور بڑھ گئی۔ حضرت کی خدمت میں

حاضر ہوا۔ اور قدم بوسی کے لئے زمین پر گر گیا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ کپڑے جو ہمارے لئے تحفے لائے ہو۔ وہ تو دکھاؤ درویش فوراً کپڑے لے آیا۔ آپ نے کپڑے لے کر درویشوں کو حکم دیا۔ انہیں

پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اور ان کے ٹکڑے صحرا کی ان جھاڑیوں پر بھیر دو۔ یہ دیکھ کر درویش شرمندہ ہو گیا۔ اور بڑا شکستہ دل ہوا۔ حضرت نے فرمایا۔ دنیا کی ان چیزوں پر غرور

کرنا۔ خوش ہونا۔ اور اسے بڑی نعمت سمجھنا اچھا نہیں ہماری نگاہوں میں ان قیمتی کپڑوں کی یہ قیمت ہے۔ یہ دنیا پرستی درویشوں کو زیب نہیں دیتی۔ درویشوں کا طائفہ تو ان چیزوں سے



بے نیاز ہوتا ہے۔ ان کی نگاہیں تو آخرت کی نعمتوں پر ہوتی ہیں یہ دیکھ کر اس درویش سے دنیا کی نعمتوں کی محبت سرد ہو گئی۔ مینہہ میں آیا۔ تربیت حاصل کی۔ اور خاص بزرگوں سے شمار ہونے لگا۔ ایک دن ایک درویش مینہہ میں حاضر ہوا۔ اور سامان سفر لئے ہوئے حضرت کی خدمت میں آگیا۔ اور عرض کی حضرت میں نے بڑا سفر کیا۔ نہ خود آرام کیا۔ نہ کسی کو آرام کرتے دیکھا آپ نے فرمایا۔ یہ بات تعجب انگیز نہیں ہے۔ یہ سفر جسے تم مکمل کر کے آئے اس سے اپنی مراد پا چکے ہو۔ اگر تم سفر نہ کرتے۔ تو خود بھی آرام کرتے دوسروں کو بھی آرام کرتا دیکھتے۔ انسان کا اپنا آپ ہر اس کا قید خانہ ہے۔ اپنے آپ کے قید خانے سے باہر نکلے۔ تو آزادی کی رحمتیں پاتا ہے۔

طوس میں ایک سید زادہ تھا جس کا نام شیر حمزہ تھا۔ ان سادات سے رواداری کا گھر طوس کے صحرا کے کنارے تھا۔ حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ العزیز کو اس سے بڑا پیار بنا۔ آپ طوس جاتے تو اسی کے پاس ٹھہرتے۔ حمزہ آپ کا مرید بھی تھا۔ ایک دفعہ حضرت طوس میں گئے۔ تو لوگوں کو کہا حمزہ کو بلا لاؤ۔ لوگوں نے بتایا۔ حضرت وہ تو بگڑ گیا ہے۔ شراب نوشی میں غرق رہتا ہے۔ جام پر جام اٹھاتا جاتا ہے چالیس دن ہو گئے۔ خود بھی پیتا ہے۔ اپنے غلاموں اور کنیزوں کو بھی پلاتا رہتا ہے۔ تمام کو عربیاں رقص کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ بڑی حیران کن بات ہے اس درگاہ سے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ اس سے زیادہ نہ کچھ کہا۔ نہ اعتراض کیا۔ لوگوں نے حمزہ کو خبر دی۔ کہ حضرت ابوسعید قدس سرہ طوس میں تشریف لائے ہوئے ہیں اب یہ بڑے کام چھوڑ کر انسان بن جاؤ۔ دوسرے دن پاک صاف ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے اس سے اسی سابقہ محبت اور التفات کا برتاؤ کیا۔ اور اس کے بڑے کام کی طرف اشارہ تک نہ کیا۔

جن دنوں حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور میں قیام فرماتے تھے۔ تو حضرت شیخ ابو عبد اللہ بک



رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں ہی تھے وہ ان دنوں شیخ ابو عبد الرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں رہا کرتے تھے۔ اور حضرت سلمی کی وفات کے بعد اسی خانقاہ کے پیر اور نگران بنے۔ یہ ابو عبد اللہ باکو حضرت شیخ سے جب بھی سوال کرتے طرزاً یا اعتراضاً کرتے۔ حضرت شیخ بڑے تحمل سے جواب دیتے یہ دن حضرت شیخ کو کہنے لگے کہ آپ میں مجھے چند چیزیں ایسی نظر آتی ہیں جو مشائخ میں نہیں پائی جاتیں۔ ایک تو یہ بات ہے کہ آپ بوڑھوں کو بھی نوجوانوں کے سامنے بٹھا دیتے ہیں۔ بچوں کو بڑوں کے رویہ کھڑا کرتے ہو۔ چھوٹے بڑے کے درمیان کچھ فرق نہیں رکھتے نوجوانوں کو سماع کی مجالس میں رقص کی اجازت دیتے ہو ایک درویش فرقہ اتا رہتا ہے تو دوسرے کو دے دیتے ہو۔ اور کہتے ہو۔ الفقییر اُولىٰ بخرقۃ درویشوں کو فرقہ ہی اچھا لگتا ہے، یہ باتیں ہمارے پیروں اور بزرگوں کے ہاں نہیں پائی جاتیں۔ حضرت شیخ نے پوچھا کوئی اور بات بھی رہ گئی ہے؟ کہنے لگے۔ بس۔ آپ نے فرمایا۔ چھوٹے اور بڑوں کے بات ہمارے نزدیک واقعی کوئی چھوٹا بڑا نہیں سب یکساں ہیں جو راہ طریقت پر چل پڑا اگر چہ جان ہو۔ اسے بڑوں کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ جو چیز ہم ستر سالہ بوڑھوں کو نہیں ملی ہو سکتا ہے ان نوجوانوں کو مل جائے۔ یہ اس کی دین ہے۔ اس میں ہم امتیاز نہیں کر سکتے۔ باقی رہی بات کہ نوجوان سماع میں رقص کرتے ہیں۔ یاد رکھو۔ نوجوانوں کے نفس خواہشات کے پتلے ہوتے ہیں۔ وہ جب ہاتھ مارتے ہیں تو خواہشات کم ہوتی جاتی ہیں۔ جب پاؤں جھاڑتے ہیں تو خواہشات بھڑتی جاتی ہیں۔ جب ان کی خواہشات کم ہو جاتی ہیں تو بزرگوں کی صف میں مناسب طریقہ سے بیٹھتے ہیں۔ اگر ان کی خواہشات دبی رہیں تو گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا خطرہ رہتا ہے ان کی خواہشات کی آگ سماع میں ہی ٹھنڈی ہو جاتی ہے فرقہ محفوظ رکھنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے۔ کہ انہیں فرقے کی محرومی کا احساس نہیں ہوتا اور ان کی نگاہیں دوسروں کے فرقے کی طرف نہیں اٹھتیں۔ اس طرح جمعیت دل حاصل رہتی ہے شیخ عبد اللہ نے آپ کی باتیں سنیں تو فرمایا۔ اگر ہم حضرت شیخ ابو سعید کو نہ دیکھتے تو زندگی بھر کسی صوفی کو نہ دیکھتے!



شیخ ابو عبد اللہ باکو رحمۃ اللہ علیہ ایک دن حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ  
**آدابِ مجلس** - العزیز کی مجلس میں حاضر تھے۔ بڑے امیرانہ لباس میں سنہری کمر بند  
 باندھا ہوا تھا حضرت نے انہیں دیکھا اسی دوران ایک اور شخص حضرت کی خدمت میں آگے  
 بڑھا اور کہنے لگا۔ اللہ آپ کو بہشت دے حضرت نے فرمایا۔ ہمیں بہشت کی ضرورت نہیں بہشت  
 میں معذور۔ لنگڑے۔ لوہے۔ اور فاقہ مست و رویش ہوں گے۔ وہ اندھے۔ مفلوج اور ضعیف پڑے  
 ہوں گے ہمیں تو دوزخ کی ضرورت ہے۔ جہاں مجتہد۔ مزدور۔ فرعون اور ہامان جیسے اکڑ کر بیٹھے  
 ہوں گے۔ ہمارے خواجہ عبد اللہ جیسے کمر بند لوگ بیٹھے ہوں گے۔ ہم تو ہاں جا نہیں گے جہاں ہمارے  
 خواجہ ہوں گے یہ بات کہہ کر عبد اللہ باکو کی طرف اشارہ کیا۔ عبد اللہ سمجھ گئے بڑے نادم ہوئے شکستہ  
 ہو گئے۔ جان گئے کہ میرے اس تکبرانہ انداز نے حضرت کو ناراض کر دیا۔ حضرت کے نزدیک آئے  
 قدموں میں گر پڑے تو بہ کی۔ اور آئندہ کے لئے اس تکبرانہ انداز کو ترک کر دیا۔ اور پھر مجلس میں کبھی اکڑ  
 کرنے بیٹھے۔

پیر حبی آپ کا خاص درزی تھا۔ ایک دن اس نے حضرت کے کپڑے سینے اور ایسے وقت  
 لے کر آیا۔ جب آپ دوپہر کو آرام فرما رہے تھے۔ آپ کا خادم خاص عبد الکریم حضرت شیخ کے سر ہانے  
 بیٹھا تھا اور نیکھا چلا رہا تھا۔ جب کپڑے پکڑے اندر آ گیا۔ خواجہ عبد الکریم نے کہا۔ یہ کپڑے لانے کا  
 وقت ہے۔ کہنے لگا۔ جہاں تم سما سکتے ہو۔ میں بھی سما جاؤں گا۔ عبد الکریم نے نیکھا تو ایک طرف رکھ  
 دیا۔ اور تھپڑھی کو دے مارنے لگے سات تھپڑ مارے تھے کہ حضرت سوئے سوئے فرمانے لگے بس  
 کافی ہیں۔ جب باہر آ گیا۔ اور خواجہ بخار سے شکایت کرنے لگا کہ خواجہ عبد الکریم نے میری یہ خاطر کی  
 ہے۔ حضرت شیخ ابوسعید نماز کے لئے باہر آئے تو خواجہ بخار نے کہا۔ حضرت آج کل کے نوجوان  
 بوڑھوں پر دست درازی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خواجہ عبد الکریم کا ہاتھ ہمارا ہی ہاتھ تھا۔  
 ایک دن حضرت شیخ قدس سرہ العزیز نیشاپور میں مجلس و عظ برپا کئے ہوئے تھے۔ شیخ  
 ابوالقاسم قشیری قدس سرہ بھی مجلس میں بیٹھے تھے۔ حسین آباد گاؤں میں آٹاپینے کی ایک چکی پر



آپ کا دعویٰ تھا۔ کہ یہ آپ کی ہے۔ دوسری طرف ایک دیہاتی دعویٰ کرتا تھا۔ کہ یہ چکی اس کی ہے ایک تاری حضرت شیخ کی مجلس میں قرآن پڑھا تھا اس نے یہ آیت پڑھی مَنْ أَمْلَكَ الْيَوْمَ رَأَجَ يَهْ مَلِكُ كَسْ كَاهْ ۛ حضرت شیخ فرمانے لگے۔ میں تو ماننا ہوں کہ یہ ملک تیرا ہے۔ مگر ابوالقاسم قستیری کو منوالیں وہ کہتے ہیں کہ حسین آباد کی چکی ان کی ہے!

ایک دن حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مجمع

صبر و تحمل کی مثال :- کے ساتھ ایک بازار سے گزر رہے تھے ایک عورت نے

چھت سے خاکستریچے ڈالی حضرت کے کپڑوں پر بھی پڑی۔ مگر آپ نے پرواہ نہ کی۔

مریدوں کو بڑا غصہ آیا۔ چاہتے تھے۔ کہ اس عورت کو سبق سکھائیں۔ حضرت نے فرمایا۔

سبر کرو۔ جو شخص آگ کا مستحق تھا۔ اس پر تھوڑی سی خاکستر پڑی ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی

ہے اس کا شکر ادا کریں آپ کی بات سن کر سارے صوفیا پر رفت طاری ہو گئی۔ اور کچھ

کہے بغیر آگے بڑھے۔ اللہ اکبر!

ایک دن حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ آپ کی نوای

فاطمہ بانو جو خواجہ ابوطاہر کی بیٹی تھیں۔ اٹرن پر سوت لپیٹ رہی تھی۔ اسی دوران دھاگے

الچھ گیا وہ بڑی متردد تھیں۔ آپ نے بچی کو یوں پریشان دیکھا تو فرمایا۔ فاطمہ آئندہ دھاگے

الچھا۔ یہ آیت پڑھ لینا وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَقَصَتْ غُرُسَهُمْ مِنْ بَعْدِ قُوَّةِ

إِنكَاثًا۔ فاطمہ یہ پڑھ لیتیں اور دھاگے کا الچھا و ختم ہو جاتا۔

میشاپور میں ایک دن حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ اعزیز گھوڑے

میں شیخ گرجے میں :- پر سوار جا رہے تھے ایک گرجے کے دروازے کے سامنے سے

گزرے۔ اتفاقاً اس دن اتوار تھا شہر کے تمام عیسائی گرجے میں جمع تھے۔ آپ کے مریدوں

نے عرض کی۔ حضرت آج انہیں دیکھیں تو سہی یہ کیسے عبادت کرتے ہیں۔ حضرت شیخ نے بات

مان لی۔ اور سارے گرجے کے احاطے میں داخل ہو گئے عیسائیوں نے حضرت کو آتے دیکھا



بڑے حیران ہوئے۔ نہایت احترام سے استقبال کیا۔ حضرت شیخ نے ایک تاری کو اشارہ کیا کہ وہ قرأت قرآن کرے۔ یہ مشترکہ جمع جس میں عیسائی اور مسلمان دونوں تھے۔ قرآن سن کر رونے لگے شیخ اٹھے۔ اور مجمع سے باہر نکل آئے دوسرے دن ایک شخص نے کہا۔ وہ ایسا موقع تھا اگر حضرت حکم دیتے تو تمام عیسائی صلیبس پھینک دیتے۔ آپ نے فرمایا۔ ہم نے تو صلیبس نہیں لگوائے تھیں کہ پھینکوانے کا حکم دیتے۔ نہ ہی زنا بندھوائے تھے۔ کہ توڑنے کا حکم دیتے۔

ایک دن حضرت شیخ قدس سرہ نیشاپور میں مجلس وعظ میں بیان فرمایا  
**گوہر خدمتِ خلق** :- رہے تھے۔ دوران وعظ فرمایا۔ ہماری خانقاہ میں اوپر سے لے

کر نیچے تک ہوتی ہی موتی بھرے ہوئے ہیں آپ لوگ انہیں کیوں نہیں اٹھاتے لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا مگر موتی کہیں دکھائی نہ دیئے کہنے لگے حضرت یہاں تو موتی تھیں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مخلوق کی خدمت کر۔ خدمت کر دیہی موتی ہیں!

جن دنوں خواجہ ابوطاہر حضرت شیخ کے بڑے صاحبزادے (قدس سرہ)  
**سورہ الم نشرح** :- ابھی چھوٹے تھے آپ کے ہم سبق بچوں نے صاحبزادہ کی تختی اٹھائی اور آپ کے گھر لے آئے۔ خواجہ حسن نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ بچے ابوطاہر کی تختی اٹھالائے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا۔ اُس پر کیا لکھا ہوا ہے عرض کیا سورہ الم یکن۔ حضرت نے فرمایا۔ ان بچوں کو پھیل پیش کر۔ حسن نے کچھ پھیل بچوں کے سامنے رکھا۔ حضرت نے فرمایا۔ تمہارا مانیٹر مہتر کون ہے۔ ایک لڑکے کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔ یہ وہ ہے! فرمایا۔ مکتب میں اس کو کہیں آئندہ تختی پر سورہ الم یکن نہ لکھوائیں۔ بلکہ سورہ الم نشرح لکھائیں۔

نیشاپور میں حضرت کی خانقاہ کے متصل ایک بڑھیا عورت کا  
**بڑا بزرگ چھوٹا غصہ** :- حجرہ تھا۔ وہ ہمیشہ ہاون دستہ ہاتھ میں پکڑے کچھ نہ کچھ کوٹتی رہتی۔ درویشوں کے ذکر و اذکار میں خلل ہوتا۔ ایک دن درویشوں نے حضرت کی خدمت میں شکایت کی۔ مگر حضرت نے کچھ نہ کہا۔ ایک دن وہ بڑھیا گھر پر موجود نہ تھی۔ درویشوں نے صلاح کی اور اس



کا حجرہ گرا دیا۔ تاکہ ہا دن دستے کی بجائے کچھ عرصہ تک اپنا حجرہ بناتی رہے گی۔ بڑھیا واپس آئی۔  
تو حجرہ گرا ہوا دیکھا کہ کہنے لگی۔ افسوس۔ اتنے بڑے بزرگ اور اتنا چھوٹا سا غصہ!

ایک دن حضرت شیخ قدس سرہ حمام میں گئے۔ اسی دوران خواجہ امام ابو محمد جو نبی قدس سرہ  
آپ سے ملنے کو آئے۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ تو حمام میں گئے ہیں۔ خواجہ امام بھی حمام کی طرف  
چلے گئے۔ حضرت شیخ سے ملے۔ تو آپ نے فرمایا۔ حمام بہت اچھا ہے۔ خواجہ امام نے کہا۔ ہاں اچھا  
ہے۔ فرمایا۔ کیوں اچھا ہے؟ خواجہ امام نے کہا۔ کیونکہ اس میں حضرت شیخ جلوہ فرما ہیں۔ آپ نے  
فرمایا۔ اس سے کوئی اچھی توجہیہ فرما ہیں۔ خواجہ امام نے عرض کی آپ ہی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔  
اس لئے کہ آپ یہاں ہیں آئے ہیں۔

خواجہ ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار عراق کے چند

اصلی صوفی :- عقیدت مند حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور آپ کے بڑا قیمتی اور خوبصورت لباس تیار کر کے لئے حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو آپ  
نے ان لوگوں کی خوشی کے لئے انہیں پہن لیا۔ اچھی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ کہ آپ کی خانقاہ  
کی بتلی جو اکثر گھر میں گھومتی پھرتی رہا کرتی تھی۔ آپ کے اس مرتع کو دیکھ کر آئی لوگوں کے  
سامنے ان کپڑوں پر پشیاب کر کے بھاگ گئی۔ حضرت بتلی کی یہ حرکت دیکھ کر فرمانے لگے۔ ہم نے سوچا  
تھا کہ عراق کا تحضہ پہن کر بڑے صوفی اور بزرگ نظر آئیں گے۔ مگر اس بتلی نے ہماری صوفیت پر پشیاب  
کر دیا ہے۔ یہ لباس لے ہیں۔ اور ابوالفتح کو دے دیں۔ اصلی صوفی وہی ہے۔ چنانچہ لباس اتار کر  
ابوالفتح کو دے دیا گیا حضرت ابوالفتح نے پہن لیا۔ اور حضرت کے بعد آپ فخریہ فرمایا کرتے کہ ہمیں  
تو بتلی کی مہربانی نے اصلی صوفی بنا دیا ہے۔

مجھے ایک نیک سیرت بزرگ نے بتایا۔ کہ جن دنوں ہمارے شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور

میں قیام فرماتے تھے۔ تو تمام طبقوں کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بیعت کرتے مشائخ

علماء اور اساتذہ بھی آپ سے بیعت ہونے لگے۔ جو لوگ آپ کی بزرگی کے منکر تھے۔ وہ بھی آپ



کے عقیدت مند بن گئے۔ ان دنوں قاضی ابوبکر جبرہ وقت کے بہت بڑے عالم اور امام عصر تھے۔ (نیشاپور میں چار ابوبکر نامی بزرگان دین مدفون ہیں جن کے مزارات مستجاب الدعوات میں ہیں۔ قاضی ابوبکر قدس سرہ انہیں میں سے ایک ہیں) ایک دن قاضی ابوبکر نے دعوت کا اہتمام کیا۔ اور شہر کے تمام آئمہ اور مشائخ کو شریک دعوت کیا حضرت ابوسعید قدس سرہ کو بھی دعوت دی گئی تمام حضرات جمع ہوئے تو علماء کرام نے اپنے معمول کے مطابق بعض مسائل پر گفتگو شروع کی اسی دوران ہر مذہب کے امام کی افضلیت پر گفتگو ہونے لگی۔ ہر ایک اپنے امام فقہ کی فضیلت دوسروں سے زیادہ بتاتا۔ اور دوسرے مذاہب کی تنقیص پر اظہار خیال کرتا۔ یہ موضوع وسیع ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ سلسلہ گفتگو ختم ہونے کو نہ آتا۔ تمام حضرات اس بات پر متفق ہو گئے کہ ہم قرآن حکیم کو حکم اور منصف بناتے ہیں اور اسی کے فیصلہ پر خاموشی اختیار کر لی جائے گی۔ کیونکہ قرآن کریم اس بات کی گواہی دیتا ہے لَا رُطْبَ وَلَا بَالِسِ الْاِثْنِیْنِ الْاَوَّلِیْنَ کتابِ مَبِیْنٍ (دنیا کی کوئی خشک و تر چیز نہیں جس کا ذکر قرآن میں نہ کیا گیا ہو) ہر مذہب کے تصور سے قرآن پاک کی جلد کھولا جائے۔ اور جو آیت کریمہ سامنے آئے اُسے فیصلہ جانتے ہوئے عمل کیا جائے اور بحث ختم کی جائے۔ اس کے بعد کوئی عالم دین بھی دوسرے پر طعن و تہلیل نہ کرے۔ قرآن پاک کی ایک جلد لائی گئی۔ تمام اس بات پر متفق ہو گئے۔ ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کو کہا گیا کہ آپ قرآن پاک کا کوئی سا صفحہ کھولیں انہوں نے فرمایا یہ قرآن میرے مطالعہ میں رہتا ہے ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب کو یہ شبہ پڑے کہ میں نے نشان زدہ صفحات کھول دیئے ہیں۔ اس لئے کوئی اور صاحب کھولیں۔ ہر ایک کو کہا گیا مگر سب نے عذر پیش کیا۔ آخر کار سب نے اتفاق کیا۔ کہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کھولیں گے۔ وہ صاحب حال بزرگ ہیں۔ ان کی راہنمائی سب کے لئے قابل قبول ہوگی۔ حضرت کو قرآن پاک کی جلد پکڑا دی گئی آپ نے بسم اللہ پڑھ کر کہا۔ کیا مذہب شافعی من ہے؟ قرآن کا ایک صفحہ کھولا اور دائیں جانب سے ساتویں سطر



پڑھی لکھا تھا۔ ولایتوں کا حق ہو قُلْ اَبِی وِدِی وَاِنَّهُ لِحَقٌّ۔ (لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ آپ فرمادیں گے میرا اللہ حق ہے!) آپ نے جو نہیں یہ آیتہ کہ یہ پڑھی تمام حاضرین قرآن کے اس معجزہ سے متعجب ہو گئے اور کہنے لگے۔ اب یہ معاملہ ختم ہونا چاہیے۔ پھر کسی نے دوسری بار قرآن کھونے کو نہ کہا۔

اس واقعہ سے کئی لطائف اور اسرار ظاہر ہوئے ایک یہ کہ مذہب شافعی از روئے قرآن حق اور سچا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دوسرے مذاہب جھوٹے ہیں۔ ماشار کلاً دوسرے یہ کہ جب تم کوئی دینی کام کرنے لگو۔ اور فیصلہ نہ کر سکو تو کون کون کام زیادہ اچھا ہے تو قرآن سے فیصلہ لے لیا کرو کیونکہ اس معاملہ میں اب روم کے تمام بزرگان دین آئمہ کبار اور مشائخ کرام متفق ہیں۔ خواجہ امام ابو محمد جوینی۔ آپ کے بیٹے امام الحرمین قاضی صاعد علی علی صغریٰ ابو بکر اسحاق اتاد اسماعیل صابونی استاد امام ابو القاسم قشیری اور دوسرے بلند پایہ علماء کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین جیسے موجود تھے۔ یہ لوگ کسی نہ کسی مذہب یا سلسلہ کے مقتدا ماننے جاتے ہیں۔ کسی نے بھی اس طریق کار پر اعتراض نہ کیا تیسری بات یہ ہے کہ ہر کام کا آغاز دائیں جانب سے ہونا چاہیے۔ خصوصاً دینی معاملات میں دائیں ہاتھ کو مقدم جانا چاہیے جو تھے یہ کہ ہر بات طاق سے کرنا چاہیے۔ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ پر عمل ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی وَتَرْحِبُ الْوَتَرُ اللّٰهَ اَبَدٌ۔ اور ایک طاق کو ہی پسند فرماتا ہے، اگر ہم اس واقعہ کی تفصیلات اور ان کے فوائد بیان کرتے جائیں تو ایک دفتر درکار ہے۔

حضرت شیخ نیشاپور سے روانہ ہو کر میلنہہ کو آ رہے تھے راستہ میں

**ترکمانوں کا حملہ :-** طوس کے دروازہ نو بہار میں پہنچے۔ حضرت تنہا سوار تھے۔ اور

دوسرے ساتھی پیچھے آ رہے تھے۔ یہ ترکمانوں کے حملوں کے آغاز کا زمانہ تھا۔ سارا خراسان

بد امنی کا شکار ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں چار پانچ ترکمانوں نے حضرت شیخ کو آگھیرا۔ اور حضرت

شیخ کا گھوڑا پھینکا جا ہا۔ آپ نے فرمایا۔ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔ انہوں نے حضرت کو کہا



نیچے اتر آئے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے چار آدمی مل کر گھوڑے پر بٹھاتے ہیں۔ ابھی انہیں آ لینے دو۔ یہ گھوڑا تمہارا ہوا۔ اسی اثنا میں حضرت کے بہت سے ساتھی آپہنچے۔ آپ نے انہیں کہا۔ مجھے اس گھوڑے سے اتار لو اور یہ گھوڑا انہیں دے دو۔ ساتھیوں نے کہا۔ حضرت ہم تو یہ گھوڑا ہرگز نہیں دیں گے ہم مقابلہ کریں گے۔ حضرت نے فرمایا نہیں ہم نے کہہ دیا ہے۔ کہ یہ گھوڑا انہیں دینا ہے۔ چنانچہ سب نے حضرت کو اتارا اور گھوڑا انہیں دے دیا۔ ترکمان گھوڑا لے کر چلے گئے آپ وہ رات ایک گاؤں میں رہے۔ دوسرے دن عصر کے وقت بہت سے ترکمان آپ کا گھوڑا لئے حاضر ہوئے، گھوڑا واپس کیا اور ایک اور خوبصورت سا گھوڑا نذر کیا۔ اور حضرت سے معافی کے خواستگار ہوئے اور کہنے لگے۔ حضرت یہ نادان تو جوان غلطی کر بیٹھے ہیں آپ نے فرمایا۔ ہم گھوڑا واپس نہیں لیں گے۔ جس گھوڑے کو ہم چھوڑ دیتے ہیں پھر اس پر سواری نہیں کرتے آپ کی بات سن کر تمام ترکمان تائب ہوئے اپنے سر منڈا ڈالے اور حضرت کی برکت سے اسی سال حج پر چلے گئے۔

جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور کی خانقاہ میں وعظ فرمایا کرتے تھے ایک بوڑھی عورت کا گھر آپ کے مکان کے پاس ہی تھا۔ وہ عورت آپ کو وعظ کہتے سنتی مگر ان کی مجلس میں آنے کی بجائے حضرت امام ابوالقاسم قشیری کی مجلس وعظ میں چلی جاتی۔ ایک عرصہ تک اس کا یہی معمول رہا۔ لوگوں نے اسے بار بار کہا کہ قریب وعظ چھوڑ کر وہاں کیوں جاتی ہو۔ نہایت درد سے کہنے لگی۔ میں کیا کروں۔ حضرت کو میں دیکھ نہیں سکتی۔ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے میری آنکھیں کھولی گئی ہیں۔

ایک دن حضرت شیخ نیشاپور میں ہی مجلس وعظ میں تشریف فرما تھے۔  
**دل کی خوشی** آپ کے ہاتھ میں ایک ٹپکا تھا۔ فرمانے لگے تیس ہزار دینار

نیشاپور کی ضرورت ہے جو شخص یہ پگڑی خرید کر حسن موذب کو تیس ہزار دینار دے گا وہ ہمیشہ خوش رہے گا۔ ایک بوڑھی عورت نے آواز دی میں دوں گی۔ لوگوں نے کہا۔ مائی!



تین ہزار دینار نیشاپوری ہیں؛ کہاں سے لاؤ گی۔ کہنے لگی۔ میں جانتی ہوں۔ بوڑھی اٹھی اور جو کچھ والدین سے لائی تھی اور اپنے خاوند سے حاصل کیا تھا۔ سارے کا سارا حضرت کے سامنے لے آئی شیخ نے بلند آواز سے کہا۔ مبارک باد۔ بگڑی عورت کو پکڑا دی اور روپیہ حسن مودب کو فرمایا۔ حسن اب کہو۔ اس کے لئے کیا دعا کروں۔ حسن نے اس بوڑھی سے پوچھا کیا دعا چاہتی ہو۔ بوڑھی نے کہا دعائے دل خوشی حسن نے شیخ کو کہا۔ اور حضرت شیخ مسکرا دیئے۔ اور فرمایا۔ اے سلیم القلب بی بی۔ تم نے دولت۔ جاہ۔ کیوں نہ مانگا۔ ہمیں ستر سال ہو گئے ہیں دل خوشی کو تلاش کرتے کرتے مگر ابھی تک اس کی خوشبو مشام جان تک نہ پہنچی تو نے یہ کیا مانگ لیا!

ایک دن حضرت شیخ اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ نیشاپور  
ازبرائے مصطفیٰ :- کے ایک سید امام آپ کو سلام کہنے آئے تھے اور حضرت کے

پہو میں بیٹھے تھے اسی اثنا میں شیخ ابوالعباس ثقفانی بھی تشریف لے آئے حضرت نے آپ کو سید امام کے پاس پرے بٹھا دیا۔ سید زادے کو یہ بات ناگوار گزری کہ اتنا بڑا آدمی اور پرے کر بٹھا دیا جائے حضرت شیخ نے سید زادے کے چہرے کے تاثرات پڑھ کر کیا۔ میاں سید زادے ان بزرگوں کو جو رتبہ حاصل ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ مگر آپ کا جو احترام ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے۔

ایک بار حضرت شیخ قدس سرہ نیشاپور کے بازار میں جا  
سردارباش :- رہے تھے۔ آپ کے ساتھ ہی صوفیاء کی ایک جماعت تھی

آپ بازار میں چند لمحات رکے تو بازار میں بہت بڑا مجمع ہو گیا دوسری طرف سے بعض لوگ طوطیاں بجاتے نیم عریاں حالت میں چلے آ رہے تھے۔ ان کے پاؤں میں چمڑے کے موزے تھے۔ اور ایک شخص کو گردن سے دبائے آگے بڑھے۔ جب حضرت شیخ کے قریب پہنچے تو آپ نے دریافت کیا۔ یہ کون ہے؟ بتایا کہ یہ جوئے بازوں کا سردار ہے آپ نے پوچھا۔ تمہیں یہ سرداری کیسے ملی۔ کہنے لگا۔ حضرت راستبازی۔ اور پاک باندی



سے آپ نے سن کر نعرہ لگایا۔ اور فرمایا۔ راستباز۔ پاک باز۔ اور سردار۔ باکش !  
 خواجہ علی طوسی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ کے سسر تھے۔ دسترخوان پر  
 حضرت شیخ کے ہم نوالہ وہم کاسہ بھی تھے۔ حضرت شیخ پہلے کھانے کے مسنون طریقے اور آداب  
 مجلس لیکھا کرتے تھے۔ ایک دن خواجہ علی ایک پیالہ دھورہے تھے۔ حضرت شیخ نے پوچھا۔ آپ  
 کیا کر رہے ہیں؟ کہنے لگے۔ پیالہ پاک کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا اسے دھو دھو کر گھسانا دینا  
 دوسرے دن کھانا کھاتے وقت حضرت خواجہ اپنی جگہ سے ہٹ کر ایک گوشے میں بیٹھے۔ دسترخوان  
 بچھا حضرت شیخ نے کہا۔ آج مجھے خواجہ علی نظر نہیں آرہے۔ لوگوں نے بتایا وہ ایک گوشے میں  
 بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے نزدیک آکر بیٹھیں۔ آپ کا بوجھ ہم برداشت کریں گے۔  
 دوسرے کیوں کریں۔

خواجہ ابوالفتح کی روایت کے مطابق جب خواجہ گل سنکانی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت  
 شیخ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت بڑے ظریف اور خوش مذاق نوجوان  
 تھے بڑے خوبصورت کپڑے پہنا کرتے۔ ایک بار حضرت شیخ کی کسی نے دعوت پکائی۔ آپ اپنے  
 صوفیاء کے ساتھ جا رہے تھے۔ حضرت کی عادت تھی۔ صوفیاء کی جماعت آگے آگے ہوتی۔ آپ  
 پیچھے جائے خواجہ گل حضرت شیخ کے آگے آگے جا رہے تھے۔ اور اپنے لباس اور رفتار پر بار بار  
 نگاہ ڈالتے۔ حضرت شیخ نے دیکھا فرمایا۔ خواجہ گل آگے آگے نہ جاؤ۔ خواجہ گل آپ کے پیچھے پیچھے  
 چلنے لگے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ خواجہ پیچھے پیچھے نہ چلو وہ دائیں طرف چلنے لگے۔ ابھی چند قدم  
 چلے تھے تو حضرت نے فرمایا خواجہ دائیں ہاتھ نہ چلو۔ خواجہ آپ کے بائیں طرف ہو کر چلنے  
 لگے۔ حضرت نے فرمایا خواجہ! بائیں ہاتھ نہ چلا کرو۔ خواجہ تنگ دل ہو کر کھڑے ہو گئے  
 اور کہنے لگے حضرت پھر کس طرف سے چلوں۔ آپ نے فرمایا۔ اپنے آپ میں رہو اور سیٹھے  
 چلتے جاؤ۔

ۛ تابا تو تونی ترا بدیں حرف چہ کار      کین آب حیوان ست ز آدم بیزار



یہ بات سنتے ہی خواجہ گل جوم اٹھے۔ شیخ کے قدموں میں گر پڑے۔ تو بہ کی سفر  
حجاز پر روانہ ہوئے اور بندگان خاص سے ہو گئے۔

خواجہ ابوالفتح کی روایت ہے کہ حضرت شیخ قدس سرہ ایک دفعہ نیشاپور سے  
روانہ ہوئے اور ملینہ میں آ رہے تھے۔ ایک بہت بڑا ہجوم آپ کے ساتھ تھا۔ دوسرے  
دن مشہد میں ایک مجلس میں بیٹھے وعظ فرما رہے تھے۔ حدنگاہ تک حاضرین بیٹھے ہوئے  
تھے۔ بڑا اچھا وقت بنا ہوا تھا۔ لغزہ تکبیر۔ سبحان اللہ۔ مرجا بلند ہو رہے تھے حاضرین  
پر ایک کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ حضرت کے ہمسایہ میں ایک شخص رہتا تھا جسے احمد بوشہ  
کہتے تھے۔ اس کا معمول تھا۔ کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ساری رات شراب نوشی میں  
مشغول رہتا۔ اور ہا ہو کا شور رہتا۔ یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا۔ اس کے اس فعل سے  
حضرت کے خادم صوفیہ اور دوسرے عقیدت مند بڑے نالاں تھے۔ سب نے یہ پروگرام  
بنایا کہ اسے دہاں سے ہٹا دیا جائے اور اس کا مکان منہدم کر دیا جائے تاکہ یہ تماش بنیور  
کا اڈا ختم ہو جائے حضرت نے بھی ان کی یہ باتیں سنیں۔ تو فرمانے لگے۔ سبحان اللہ۔  
ایک باطل کا اتنا اثر ہے۔ کہ تم لوگ حق چھوڑ کر اس کے درپے ہو گئے ہو۔ تم اپنے حق  
صداقت میں اتنے کچے ہو۔ کہ اس کے سُور کو چھوڑ کر باطل کے درپے ہو گئے ہو۔ حالاً  
حق کی روشنیوں کا یہ اثر ہوتا چاہیے۔ کہ باطل ان کے سامنے ماند پڑ جائے۔ حضرت کی با  
سن کر سب کے سب دم بخود ہو گئے بعض زم دل رونے لگے اور خاموش رہے وہ وہ  
گزر گیا۔ حضرت نے کچھ نہ کہا۔ اور نہ ہی وعظ کیا۔

دوسرے دن خواجہ ابوالفتح اپنے والد مکرم حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی  
خدمت میں حاضر تھے۔ احمد بوشہ حضرت کے سامنے سے گزرا۔ مگر سر جھکانے لگا۔ گویا یوں  
محسوس ہوتا تھا۔ کہ وہ شرمندگی سے حضرت سے آنکھیں نہیں ملا سکتا وہ آگے چلا کر  
مگر حضرت نے اسے آواز دیکر بلایا۔ اور کہا "اسلام علیکم" ہم دونوں کی آپس میں دشمنی



تو نہیں ہے۔ ہم تو ایک دوسرے کے ہمسائے ہیں اور نیک ہمسائے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسائے کے حقوق کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اگر کبھی آپ کے ہاں مہمان آجائیں۔ اور کسی چیز کی ضرورت پڑے تو بلا تکلف منگو لیا کریں۔ اگر کوئی خدمت درکار ہو تو بلا کم و کاست حاصل کر لیا کریں۔

یہ بات سنتے ہی احمد بوشتر نے حضرت کے قدم چوم لئے اور کہنے لگا حضرت آئندہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ کہ آپ کے آرام میں خلل ہو۔ توبہ کرتا ہوں۔ اور مرید ہوتا ہوں۔  
خواجہ ابوالفتح فرماتے ہیں۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حضرت شیخ کا وصال ہو گیا ہر ایک کو وصیت کی گئی۔ احمد بوشترہ ادب سے کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ ابھی تک روشنائی نظر نہیں آئی آپ جا رہے ہیں میں کیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا فکر نہ کرو۔ جس کی نگاہوں نے میرے چہرے کو دیکھ لیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے فضل کرم کی بارشیں ہونے لگتی ہیں۔

خواجہ ابوالفتح فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کا دستور تھا کہ بدھ دار کو حمام میں جاتے۔ نہاتے۔ لباس بدلتے اور کچھ وقت گزارتے۔ ایک بار شیخ محمد جوینی قدس سرہ آپ کو ملنے آئے۔ مگر آپ کے متعلق دریافت کر کے حمام میں ہی چلے گئے۔ آپ نے فرمایا خواجہ! یہ حمام کی آسائش اور سکون کیوں کر ہے۔ خواجہ نے فرمایا۔ لوگ تھکے ماندے آتے ہیں۔ گرم پانی سے نہاتے ہیں۔ گرم فضا میں انہیں سکون ملتا ہے اور انہیں آرام ملتا ہے۔ حضرت نے فرمایا اس سے کوئی بہتر چیز بیان کرو۔ خواجہ محمد جوینی نے کہا۔ حضرت سارا ہفتہ لوگ اپنے اپنے کام کاج میں مصروف رہتے ہیں۔ کپڑے میسے ہو جاتے ہیں۔ بدن ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ بال بڑھ جاتے ہیں یہاں آتے ہیں نہاتے ہیں لباس بدلتے ہیں۔ بال ترشواتے ہیں حجامت بناتے ہیں اعصاب پر دباؤ اور تھکاوٹ سے سبکسار ہوتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے آپ کو خوش تر پاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ خواجہ اس سے بھی اچھی بات سناؤ خواجہ



محمد جوینی کہنے لگے۔ حضرت اب آپ کچھ بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ دو مخالف طبیعتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں لیکن آپس میں شکر و شکر ہو جاتے ہیں انہیں اپنی مخالفت بھول جاتی ہے۔ خواجہ محمد جوینی رو پڑے اور کہا حضرت جو بات آپ کو سوچتی ہے اس کی طرف کسی کا خیال بھی نہیں جاتا۔

ایک دن حضرت شیخ قدس سرہ د عظم فرما رہے تھے۔ اسی مجلس حضرت خواجہ غرورِ خرد :- ابوالحسن فرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک صاحبزادے بھی موجود تھے آپ نے دوران گفتگو فرمایا عہد نبوت سے لے کر آج تک جو بزرگان دین نجات یافتہ ہیں۔ ان کا ایک مکمل سلسلہ اور رابطہ ہے۔ ان میں سے اس صاحبزادے کے والد مکرم خواجہ ابوالحسن فرقانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خواجہ فرقانی فرمایا کرتے تھے کہ علماء امت کا فتویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نورِ عقل سے دیکھا جاسکتا ہے۔ میں نے اللہ کو عقل سے دیکھنے کی کوشش کی تو اپنے آپ کو نابینا پایا۔ جب تک اللہ تعالیٰ وجدان کی روشنی نہ دے۔ وہ کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اور نہ اسے کچھ نظر آسکتا ہے میں نے ہزاروں کا ہاتھ پکڑا ہے۔ اور غرورِ عقل کے اندھیرے سے باہر لایا ہوں۔

میرے والد مکرم نور الدین منور رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے نیشاپور کے قیام کے دوران کہیں جا رہے تھے۔ آپ بازارِ عرب میں پہنچے۔ دکانیں آراستہ اور پُرمیوہ تھیں۔ نیشاپور کے تمام بازاروں میں سے یہ بازار نہایت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ حضرت وہاں پہنچے تو پوچھا۔ اس بازار کو کیا کہتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا۔ عرب! آپ نے فرمایا۔ سبحان اللہ جن لوگوں کے بازارِ عرب کا یہ عالم ہو۔ ان کے بازارِ صلح کی کیا رونق ہوگی۔ میرے والد مکرم نے مزید فرمایا۔ ایک دن میرے والد مکرم مجلسِ وعظ سے فارغ ہوئے تو باہر ایک تخت پر تشریف فرما ہوئے قاریانِ خوش الحان بھی موجود تھے۔ اور دوسرے لوگ بھی مختلف مسائل پر گفتگو کر رہے تھے ہر شخص کسی نہ کسی مسئلہ پر دریافت کر رہا تھا۔ حضرت دیکھ رہے تھے لوگ پوچھتے رہے آپ نے فرمایا۔

گر میں سخن زیادہ وارم دست باورد و نسا۔ و طوس یاد میں بس



اگر میں ختن میں بیٹھے بیٹھے یار کے لئے باز دکشادہ کروں۔ ورد۔ نسا اور طوس کے  
دولت سما جائیں۔

دعویٰ اللہ علی و محمد و آلہ اجمعین فرماتے ہوئے منہ پر ہاتھ پھیرا تخت سے نیچے آئے  
اور پھر مزید کچھ نہ کہا۔ سارا دن گزر گیا۔ آپ نے کچھ بیان نہ کیا۔ حضرت شیخ کی ابتدائی زندگی  
میں مینہہ کے لوگ آپ کے منکر تھے۔ اکثر مخالفت کرتے۔ مینہہ کا رئیس خواجہ حمویہ نے سرخس سے  
ایک عالم کو بلایا۔ یہ عالم پرلے درجے کا متعصب اور بزرگان دین کا منکر تھا۔ اس نے فتویٰ دیا  
کہ حضرت کی مجالس میں جانا خلاف شریعت ہے۔ ایک دن حضرت شیخ کی مجلس و عظیم عالم دین  
حمویہ بھی تشریف لے گئے۔ کسی نے مجلس سے اٹھ کر حضرت شیخ سے سوال کیا۔ حضرت کی کپڑے کا  
خون پاک ہے یا پلید۔ اور اس کا خون کس قدر کپڑے کو لگ جائے تو کپڑا دھونا چاہیے حضرت  
نے خواجہ حمویہ کی طرت اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کی کپڑے کے مسائل تو امام حمویہ سے دریافت  
کریں یہ ان مسائل کے ماہر ہیں۔ ہم سے تو حضور کی حدیث کی بات پوچھئے۔

۵۔ از ما بخر حکایت مہر و وفا پیرس!

شیخ کا دستور تھا۔ کہ اپنے خادم خواجہ حسن مودب کو ہر جمعہ کے دن خواجہ حمویہ کی خدمت میں  
بھیجا کرتے۔ ان کے حالات دریافت فرماتے کوئی نہ کوئی پیغام دیتے اور مزاج پرسی کرتے۔ آپ  
کے اس طریقہ محبت سے حضرت خواجہ حمویہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ اور حضرت کی توجہ پر فخر کرتے ایک دن  
جمعہ کے دن سخت سرد ہوا میں چل رہی تھیں۔ برفانی طوفان چل رہے تھے حضرت شیخ کو ایک مسد  
پر شورہ بیٹا تھا۔ حضرت نے خواجہ حسن مودب کو بلایا۔ اور فرمایا۔ خواجہ حمویہ کے پاس جاؤ ہمارا  
سلام کہو۔ اور کہنا کہ آج سخت سردی ہے۔ اگرچہ آج بات کرنے کے حالات تو نہ تھے۔ مگر میں  
اس لئے حاضر ہو گیا ہوں۔ کہ آپ کا دل معنوم نہ ہو جائے اور یہ خیال نہ آئے کہ شیخ نے سردیوں  
کے طوفانوں کے سامنے خلوص و محبت کو جھکا دیا ہے۔

ایک دن حضرت شیخ مجلس فرما رہے تھے۔ مجلس کے دوران فرمایا۔ ایک وقت آئے گا



کہ انسان ایک جگہ سال بھر بھی مقیم نہ رہ سکے گا۔ کسی حجرہ میں پانچ دن تک آرام نہ پاسکے گا کسی مسجد میں ایک دن تک قیام نہیں کر سکے گا۔ آپ نے مزید فرمایا۔ کہ ایک نوجوان ایک بوڑھے کے پاس آیا۔ کہنے لگا۔ بابا۔ ہمیں کوئی بات تو بتاؤ۔ بوڑھے نے سر نیچے جھکالیا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا۔ نوجوان! تم ابھی تک انتظار کر رہے ہو۔ اس نے کہا۔ ہاں بابا! فرمایا۔ جو کچھ بھی اللہ کے سوا ہے اس کے متعلق بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور جو چیز اللہ کے اسرار میں سے ہے۔ وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔

ان اللہ تعالیٰ اجل من ان یوصف اذ یدکر زید کر۔

جن دنوں حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ نیشاپور میں تھے۔ ایک دن لوگوں نے آپ کو ایک خانقاہ میں دعوت دی تاکہ وعظ کر سکیں۔ یہ خانقاہ حضرت سید اجل حسن کے گھر کے ساتھ ہی تھی۔ رات کو مجلس سماع گرم ہوئی صوفیا پر حالت وجد طاری ہوئی تو ہر طرف حق ہوکا شور برپا ہوا۔ بعض صوفیا رقص کرنے لگے۔ اس شور و غوغا سے سید حسن کی نیند اچاٹ ہو گئی اپنے خادموں سے پوچھا کہ یہ کیا شور و شر ہے۔ انہوں نے بتایا کہ خانقاہ صدوقی میں شیخ ابوسعید آئے ہوئے ہیں اور صوفیا اس وقت وجد میں آکر رقص کر رہے ہیں۔ سید حسن ان دنوں صوفیا کے سخت خلاف تھے اور ان کے اطوار و احوال سے منکر تھے۔ انہوں نے اپنے آدمیوں کو کہا۔ چھت پر چڑھ کر ان صوفیوں پر پتھر اڑا کر دو۔ چنانچہ سید حسن کے ملازم کوٹھے پر چڑھ گئے۔ اور دیوار کی اینٹیں اکھاڑ اکھاڑ مجلس میں برسائے لگے صوفیا کو بڑی تکلیف ہوئی۔ حضرت شیخ نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا۔ سید حسن اجل کے ملازم اینٹیں برسارہے ہیں۔ آپ نے فرمایا جو اینٹیں پھینکیں گئی ہیں میرے پاس لاؤ۔ لوگ لے کر آئے تو آپ ایک ایک ٹکڑے کو اٹھاتے۔ بوسہ دیتے اور آنکھوں پر لگاتے جاتے اور ایک طباق میں رکھتے جلتے تھے اور فرماتے کہ خاندان نبوت جو کچھ بھی



کی نیند میں خلیں آیا ہے اور ہم بازار عدنی گویاں میں چلیں اسی وقت اٹھے گھوڑے پر سوار ہوئے اور سارے مجمع کے ساتھی بازار عدنی گویاں میں چلے گئے۔ سید حسن کے خادموں نے دیکھا۔ تو نیچے اتر آئے۔ اور سارا واقعہ سید حسن کو سناتے جاتے۔ اور ساتھ ہی روتے جاتے۔ سید حسن نے سمجھا ان لوگوں کو صوفیاء نے مارا ہے۔ پوچھا تم لوگ روتے کیوں ہو۔ انہوں نے سارے حالات تفصیل سے بیان کئے تو سید حسن بے حد شرمسار ہوئے اس شرمساری کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ سید حسن بیمار ہو گئے۔ بستر پر پڑے روتے جاتے اور کہتے کہ میں نے صوفیاء کا دل دکھایا ہے اس کیفیت سے صوفیاء کے خلاف نفرت کے جذبات ختم ہو گئے۔ دل کی دنیا بدل گئی۔ ساری رات کروٹیں لیتے گذری۔ دوسرے دن علی الصباح اٹھے حکم دیا کہ میری سواری تیار کریں۔ سوار ہو کر حضرت شیخ قدس سرہ کی خانقاہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ رات کے واقعہ کی معافی طلب کریں اور حضرت شیخ بھی صبح صبح اٹھ کر صوفیاء کی ایک جماعت کے ساتھ سوار ہوئے۔ اور سید حسن کے گھر کو آ رہے تھے۔ تاکہ رات کے واقعہ پر معافی مانگیں۔ دونوں بزرگ نیشاپور کے چوک میں ملے۔ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ اور عذر کرنے لگے۔ اور ہر ایک دوسرے سے کہتا۔ آپ اپنے گھر واپس جائیں میں آپ کے پاس حاضر ہوتا ہوں۔ سید اجل نے کہا۔ حضرت اگر آپ اپنے گھر واپس جائیں تو میں سمجھوں گا آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ میں خدمت میں حاضر ہو کر معافی طلب کروں گا حضرت نے فرمایا۔ مجھے سید زادہ کے حکم کی تعمیل عزیز ہے۔ واپس آئے دونوں حضرات نے ایک دوسرے سے معذرت چاہی۔ ایک دوسرے کو معاف کیا۔ تمام صوفیاء کے دلوں کا غبار مٹ گیا۔

حضرت سید اجل عرض کرنے لگے۔ اگر حضرت شیخ آج رات ہمارے غریب خانہ میں قدم رنج فرمائیں۔ تو میرے لئے باعثِ صداقت ہو گا۔ حضرت شیخ اسی رات سید اجل کے گھر گئے۔ سید حسن نے بڑے پر تکلف طریقہ سے دعوت کی۔ آپ کے آداب کو برقرار رکھا۔ دونوں حضرات ملے صوفیاء اور ملازم اکٹھے رہے۔ اس دن سے سید اجل حضرت شیخ سے ارادت و محبت کرنے لگے۔ پناہ حضرت شیخ جب تک نیشاپور میں رہے۔ سید حسن اجل نے آپ پر تیس ہزار دینار



ایک دفعہ حضرت شیخ کی مجلس وعظ کے دوران ایک درویش اٹھا۔ اور ایک لمبا واقعہ بیان کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ درویش۔ ذرا بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں ایک بات سنا تا ہوں وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا۔ اتنے بے وقوف سانے سے کیا فائدہ! اب تم نے سوال کرنا ہو تو صرف آنا کہہ دیا کہ وہ۔ پیچ بولنا امانت ہے! جھوٹ بولنا خیانت ہے! مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے! اس نوجوان نے کہا۔ میں اب ایسا ہی کہوں گا۔

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ کو ایک دن انقباض کی

شاهِ سرخس :- کیفیت طاری ہوئی آپ اپنے معمول کے مطابق مینہ سے سرخس کو روانہ ہوئے۔ جب دشتِ کرد میں پہنچے۔ تو لقمان کو دیکھا۔ لقمان نے کہا ابوسعید کہاں جا رہے ہیں؟ کہا میرا دل تنگی محسوس کر رہا تھا۔ سرخس جا رہا ہوں بقمان نے کہا جب آپ سرخس پہنچیں تو شاہِ سرخس کو میرا سلام کہنا۔

حضرت شیخ ابوسعید کہتے ہیں۔ ہم سرخس میں پیر ابو الفضل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ کہ کسی نے اندر آ کر کہا۔ کہ لقمان رو رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں مجھے رباط بورجائیں لے جائیں۔ تین دن سے اس نے سوائے رونے کے بات تک نہیں کی آج اس نے کہا ہے کہ پیر ابو الفضل کو کہہ دیں کہ لقمان جا رہا ہے کوئی کام ہو تو بتائیے۔ پیر ابو الفضل نے سنا۔ تو فرمایا۔ ہم بھی وہاں جائیں گے۔ اٹھنے جمع کے ساتھ نکلے۔ لقمان نے آپ کو دیکھا تو مسکرائے۔ پیر ابو الفضل ان کے سر ہانے جابیٹھے۔ اور انہیں دیکھتے جاتے تھے۔ گرم گرم آہیں بھرتے جاتے۔ لب نہ ہلتے تھے کسی نے مجمع میں سے لا اہ الا اللہ پڑھا۔ لقمان نے مسکراتے ہوا کہا۔ ہم نے خرج ادا کر دیا ہے اپنی برات حاصل کر لی ہے اور توجید پر قائم ہیں۔ ایک درویش نے کہا۔ اب اپنے آپ کو یاد کرنا چاہیے لقمان فرماتے لگے۔ اس کی بارگاہ میں ہم لڑتے تو نہیں سکتے۔ پیر ابو الفضل کو یہ بات بڑے تند



آئی فرمایا۔ سچ کہتے ہیں! چند لمحوں کے بعد اس کی روح پرواز کر دی جان دینے کے باوجود لقمان کی آنکھیں اپنے پیر کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں اور ان کی نگاہوں میں ذرہ بھر تبدیلی نہ تھی۔ لوگ باتیں کرنے لگے۔ کوئی کہتا کہ ختم ہو گئے۔ کوئی کہتا نہیں ابھی تک جان ہے۔ اس کی نظریں درست دیکھ رہی ہیں۔ پیر ابو الفضل فرمانے لگے۔ جاں بحق ہو گئے ہیں۔ لیکن جب تک ہم یہاں بیٹھے رہیں گے اس کی آنکھیں کھلی رہیں گی دوست دوستوں کے چہرے سے آنکھیں نہیں ہٹاتے۔ یہ کہتے ہوئے ابو الفضل اٹھے۔ لقمان نے آنکھیں بند کر لیں۔

جن دنوں حضرت شیخ ابوسعید تائن پینچے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کی بہت دعوتیں کیں۔ ایک دعوت پر حضرت شیخ پینچے۔ تو کسی کو خواجہ لوسید حداد کو بلانے بھیجا۔ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ انہوں نے کہا بھیجا۔ چالیس سال ہو گئے ہیں کہ میں نے اپنا ہی کھانا کھایا ہے۔ کسی کا کھانا نہیں کھایا۔ حضرت شیخ نے سنا تو فرمایا۔ ہمیں پچاس سال ہو گئے ہیں نہ اپنا کھانا کھایا۔ اور نہ کسی کا۔ جب کھایا اپنے اللہ کا دیا کھایا۔ اور اسی سے مانگا ہے ابھی دنوں جب حضرت شیخ تائن میں موجود تھے۔ ایک بزرگ آدمی جن کا اسم گرامی محمد تائینی تھا بسا اوقات حضرت کی مجلس میں حاضر ہوتے۔ اور شیخ کی دعوتوں میں بھی شرکت کرتے۔ ایک دعوت پر وہ حسب معمول شریک دعوت تھے۔ مجلس سماع برپا ہوئی رقص کا دور دورہ تھا وہ مجلس سے اٹھے اور باہر آ کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ لوگ سماع سے فارغ ہوئے تو حضرت شیخ نے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ جہاں سے سورج طلوع ہوتا اور جہاں غروب ہوتا ہے۔ اس مقام میں حضرت محمد تائینی جیسا فاضل اور بزرگ دوسرا کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ لیکن آپ اس حدیث سے سرودا تفتیت نہیں رکھتے کہ سماع کا کیا مقام ہے۔ ایک بار نیشاپور میں حضرت شیخ کی مجلس میں کئی بزرگ موجود تھے جن میں اتادا اسماعیل صابونی۔ محمد جوینی۔ اتادا ابو القاسم قشیری کے اسمائے گرامی خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ



ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ رات کو کون کون سا وظیفہ کیا جاتا ہے۔ جب حضرت شیخ کی باری آئی۔ تو ان بزرگوں نے آپ سے پوچھا۔ حضرت آپ کون سا وظیفہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں ہر رات اپنے اللہ کو کہتا ہوں۔ یا اللہ میرے درویشوں کو کل ایسی اچھی چیز عطا کر جس کو کھا کر خوش ہو جائیں۔ ان بزرگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا حضرت یہ کیا وظیفہ ہوا۔ آپ نے فرمایا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

ان الله تعالى في عون العبد ما دام العبد في عون أخيه المسلم

یہ سن کر سب بزرگوں نے کہا۔ شیخ کا درد سب سے افضل ہے۔ اس حکایت میں نکتہ یہ ہے کہ جو وظائف آپ لوگ پڑھتے ہیں۔ یا نماز و روزہ کرتے ہیں وہ تو آخرت کے ثواب اور درجات کے حاصل کرنے کے لئے ہے یہ آپ لوگوں کے نفس کا حصہ ہے۔ اگر نیکی کرو گے تو اس کا ثواب بھی زندگی میں پائیں گے۔ چنانچہ ہمارے تمام اوراد۔ وظائف اور عبادتیں صرف اپنی ذات کے لئے ہیں۔ مگر شیخ کا درد دوسروں کے فائدے کے لئے ہے مگر ایک بزرگ کے احوال میں یہ پایا جاتا ہے کہ وہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اے اللہ میرے اعضا اور بدن کو قیامت کے دن اتنا بڑا کر دے جس سے دوزخ کے تمام علاقے پڑ ہو جائیں۔ اور کوئی گنہگار میرے سوا وہاں جگہ نہ پا سکے۔ دوزخ کے تمام عذاب میری ہی ذات پر ہوں۔ تیرے بندے اس سے محفوظ ہو جائیں۔ یہ دعا دوسری دعاؤں سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت امام جوینی امام الحرمین ابوالمعالی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے والد ابو محمد جوینی نے فرمایا کہ اٹھو! حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر کی خدمت میں جاؤ۔ شیخ جو کچھ بھی فرمائیں اسے یاد کر لینا اور پھر واپس آکر مجھے بتانا۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سلام عرض کیا۔ حضرت شیخ نے مجھے پوچھا۔ کیا پڑھتے ہو؟ میں نے کہا

خداوند خدایانہ بندہ جلتے خلاف نہیں جانتے۔ میں واپس آ گیا۔ والد کی خدمت



میں حاضر ہوا اور حضرت شیخ کی زبان سے جو کچھ سنا تھا میرے والد نے فرمایا آج کے بعد خلائی نہ پڑھنا۔ اب فقہ اور علم دین پڑھنا۔ میں اس دن سے دینی علوم پڑھنا شروع کئے میں حضرت کی برکت سے اس مقام پر پہنچا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت شیخ ہرات کو جا رہے تھے۔ علماء و مشائخ کی

**سفر ہرات :-** خاصی تعداد آپ کے ہمراہ تھی۔ صوفیاء کا ایک مجمع ہم سفر تھا۔ جن میں قاری۔ نعت خوان اور قوال بھی تھے۔ جب زندکار گاؤں میں پہنچے۔ یہ گاؤں شہر سے تقریباً دو فرلانگ پر واقع ہے۔ اس گاؤں میں ایک مرد خدارہتے تھے۔ جنہیں شیخ ابوالعباس زندہ کاری (ریکائی) کہتے تھے۔ ان کے ایک بھائی تھے۔ جو بڑے نیک سیرت اور محترم تھے وہ دونوں اکٹھا رہا کرتے تھے۔ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جس میں دونوں نشست رکھتے تھے صوفیاء میں سے جو بھی آتا اسے اسی نشست گاہ میں ٹھہراتے اور دعوت کرتے اور خدمات تو اضع بجالاتے۔ البتہ یہ لوگ سماع اور قوالی کے منکر تھے۔ حضرت شیخ تشریف لائے تو اسی نشست گاہ پر ٹھہرایا۔ جو کچھ حاضر تھا پیش کیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے۔ حضرت شیخ نے کہا۔ کوئی شعر تو سنائیں۔ شیخ ابوالعباس کہنے لگے۔ ہمیں یہ عادت نہیں ہے۔ حضرت شیخ نے قوال کو کہا اچھا تم ناد۔ قوال نے شعر کہا تو حضرت شیخ ابوسعید پروردگار کی ہو گیا اٹھے اور رقص کرنے لگے۔ تمام مجمع بھی شیخ کے ساتھ رقص میں شریک ہو گیا۔ شیخ ابوالعباس نہ نہ کہتے رہے حضرت شیخ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے سینہ سے لگایا تاکہ وہ بھی رقص کرنے لگے۔ مگر وہ اپنے آپ کو کھینچتے رہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ دیکھو! باہر دیکھو! اس نے صبح اپنی نگاہ ڈالی۔ تمام درخت۔

پودے بلکہ ساری وادی حضرت شیخ کی موانعت میں رقص کرتے نظر آئے۔ شیخ ابوالعباس بے خود ہو کر رقص کرنے لگے۔ اور اپنے بھائی کا بازو پکڑ کر کہا۔ بھائی آؤ۔ ہمیں اس شخص سے کوئی کلمہ نہیں ہے۔ دونوں رقص میں محو ہو گئے اور انکار کی کیفیت جاتی رہی۔ اس دن کے بعد سماع کے عادی ہو گئے شیخ اس دن وہاں ہی رہے۔ دوسرے دن ہرات میں آئے۔ شہر کے دروازے پر پہنچے



تو فرمانے لگے۔ اس شہر میں مسلمان آباد ہو گئی ہے مگر کفر ابھی تک دندنارہا ہے۔ شہر میں داخل ہوئے تو اس خانقاہ میں گئے جہاں خالونھے۔ خانقاہ کے دروازے پر خالو کھڑا تھا۔ شیخ نے اسے دیکھا اور اس نے بھی حضرت شیخ کو دیکھا۔ مگر ایک دوسرے سے بات نہ کی۔ آپ وہاں سے ہی واپس آگئے اور قاضی ہرات کے گھر گئے۔ اجاب کو لے کر اس کے گھر جا بیٹھے۔ قاضی کو اندر خبر ہوئی تو ننگے پاؤں دوڑا دوڑا باہر آیا۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں دوڑا نو ہو کر آ بیٹھا۔ اور کہا حضرت کوئی بات تو کریں۔ حضرت شیخ نے فرمایا حُبُّ الدِّينِ رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ (دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے)۔ یہ بات کہہ کر اٹھے اور باہر نکل گئے۔ قاضی بڑی تواضع اور زاری کرتا رہا مگر شیخ ایک لمحہ بھی نہ رکے۔ باہر نکلے تو ہرات کا ایک عام شخص آپ کی رکاب پر ہاتھ رکھے جا رہا تھا۔ راستہ میں اس نے حضرت شیخ سے سوال کیا حضرت! اس آیت کریمہ کا کیا مطلب ہے۔ الترحمٰن علی العرش السّتوی۔ شیخ نے فرمایا ہمارے گاؤں مینہہ میں بوڑھی عورتیں بتایا کرتی تھیں کہ خدا ہے۔ اور کوئی عرش نہیں ہے آپ یہ باتیں کرتے کرتے ہرات کے دروازے سے باہر نکل آئے ایک محلہ جہاں پانی جمع کرنے کے لئے ایک بڑا سا تالاب بنا یا گیا تھا۔ اور لوگ اسے چاہے یعقوب کہتے تھے۔ پیچھے۔ اس پانی کے کنارے پر ایک آدمی کھڑا تھا اور زرد سے آواز دے رہا تھا۔ گوہر! باہر آؤ۔ ایک عورت نے گھر سے منہ باہر نکال کر جھانکا۔ وہ بوڑھی عمر کی کالی اور چھپک زدہ چہرہ عورت تھی۔ بڑے بڑے دانت جن کی عینی خدمت کی جائے کم ہے۔ حضرت شیخ اور دوسرے لوگوں نے اس بڑھیا کو دیکھا۔ فرمایا۔ ایسے سمندر کا ایسا ہی گوہر ہونا چاہیے۔ پھر ہرات کے دوسرے دروازہ کو روانہ ہوئے جسے دروازہ دوسرہ کہا کرتے تھے۔ جب دروازہ پر پہنچے۔ ایک شخص کو کھڑے پایا۔ اس نے ایک ایسی بات کہی جو حضرت شیخ کو سخت ناگوار گذری۔ آپ اس دروازہ سے بھی آگے بڑھے۔ حتیٰ کہ حضرت ہرات سے باہر نکل آئے۔ لوگ آپ کو الوداع کہنے نکلے حضرت شیخ نے ہرات کے لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا "ہرات والو! انی اریکم بخیر"



اِنَّ اَنْتَ عَلَيَّكُمْ عَذَابٌ يَّوْمٍ عَظِيْمٍ طرہیں تمہیں خوش بخوش دیکھ رہا ہوں لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم کسی بڑے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ، یہ کہہ کر آگے بڑھے اور ہرات میں ایک لمحہ بھی نہ رکے۔

مجھے حضرت شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد  
آدھے شلغم سے علاج :- میں سے ایک بزرگ نے بتایا کہ حضرت شیخ عبداللہ ابتدائے

کار میں ریاضت کرتے ان کی دلی خواہش تھی کہ انہیں حقیقت کے اسرار و رموز سے واقفیت ہو۔ ریاضت کے علاوہ وہ پیران طریقت کی خدمت میں حاضر ہوتے علماء دین کی خدمت میں بیٹھتے اور ان سے دعائیں کرواتے۔ بعض اوقات ان کی زبان پر فحش کلامی بھی آجاتی حالانکہ دلی طور پر آپ فحش گوئی اور فضول باتوں کے سخت خلاف تھے۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ یہ عادت بد ختم ہو جائے۔ لیکن وہ اس پر قابو نہ پاسکتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ ایک دن نیشاپور میں آئے حضرت شیخ بوسعید ابوالخیر ان دنوں نیشاپور میں قیام فرماتے تھے حضرت عبداللہ انصاری آپ کی مجلس میں گئے مگر دل ہی دل میں ڈرتے تھے کہ کہیں زبان سے کوئی فحش لفظ نہ نکل جائے۔ زیارت کرنے لگے۔ اس وقت حضرت شیخ بیٹھے ہوئے تھے ایک مرید ان کی خدمت میں موجود تھا اور شلغم پکا کر ان پر ٹھکر بھیر رہا تھا۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر رہا تھا۔ آپ اسے کھاتے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ انصاری حاضر ہوئے تو حضرت شیخ نے ایک شلغم جسے آدھا آپ نے کھایا تھا۔ عبداللہ انصاری کے منہ میں ڈال دیا۔ اس دن کے بعد ان کی زبان سے فحش کلامی ختم ہو گئی بلکہ غیر مناسب گفتگو بھی نہ نکلی۔ حقائق آشکارا ہو گئے۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ میری زبان سے جتنے حقائق نکلتے ہیں اس آدھے شلغم کا نتیجہ ہیں۔ جسے حضرت شیخ نے میرے منہ میں رکھا تھا۔

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر نے اپنی  
دنیا کی دولت اور دین کی سعادت :- خانقاہ کے صوفیاء کے اخراجات کے



لئے پانچ سو دینار نیشاپوری قرض لئے۔ ایک دن حسن مودب کو فرمایا گھوڑے پر زین کسو ہم ابو الفضل فزاتی کے ہاں جانا چاہتے ہیں تاکہ یہ قرضہ وہ ادا کریں۔ حضرت شیخ صونیوں کی ایک جماعت لئے ردانہ ہوئے ایک درویش پہلے ہی یہ خبر لے کر ابو الفضل فزاتی کے پاس پہنچ گیا کہ حضرت شیخ اپنا قرضہ ادا کرنے کے لئے اتنے دینار لینے آرہے ہیں اور ان کے ساتھ اتنے لوگ ہیں۔ ابو الفضل آپ کے استقبال کو آگے بڑھے۔ بڑے احترام و اعزاز سے حضرت شیخ کو ایک اچھی جگہ قیام فرمانے کا اہتمام کیا۔ بڑی بڑی پرتکلف دعوتیں ہوئیں۔ تین دن رات میزبانی کا حق ادا کر دیا۔ ان تین دنوں میں ابو الفضل نے آرام نہ کیا۔ اور حضرت کی خدمت میں کھڑے رہے۔ یا ادھر ادھر دوڑتے رہے۔ چوتھے دن اس سے قبل کہ حضرت شیخ کوئی مطالبہ کریں۔ حسن مودب کو علیحدہ بلایا۔ اور پانچ سو دینار دے کر کہا اس سے شیخ کا قرضہ ادا کر دینا۔ ایک سو دینار مزید نکال کر دیئے اور کہا۔ یہ سفر خرچہ لے لیں۔ ایک سو مزید دیئے۔ کہ یہ وہ خرچہ ہے جو آپ لوگوں نے آتی بار کیا تھا۔ چنانچہ حسن مودب حضرت شیخ کے پاس آئے۔ اور یہ ساری بات سنائی۔ حضرت نے شیخ ابو الفضل کو فرمایا۔ اب تمہارے لئے میں کیا دعا کروں؟ کہنے لگے۔ جو حضرت کی مرضی! فرمایا۔ کیا میں یوں کہوں کہ اللہ تعالیٰ تم سے دینار واپس لے لے ابو الفضل نے کہا نہیں یا حضرت اگر میرے پاس مال دنیا نہ ہوتا۔ تو آج آپ میرے غریب خانہ پر قدم رنجہ نہ فرماتے اور میں خدمت کرنے سے قاصر رہتا۔ حضرت شیخ نے ہاتھ اٹھائے اور کہا۔ اے اللہ۔ اس سے دینا واپس نہ لینا۔ دنیا کی دولت اس کے لئے زاد راہ بنا دے اس کے لئے وبال جان نہ بنے۔ حضرت کی دعا کی برکت سے ابو الفضل کی اولاد اپنے زمانہ کی مالدار اور محتسب لوگوں میں شمار ہوئی۔ انہیں بڑے بلند مراتب ملے۔ آپ کے بیٹے بزرگی اور ولایت کے مقامات بلند پر بھی پہنچے۔ یہ لوگ دین و دنیا میں خراسان کے معروف لوگوں میں شمار ہوئے۔

مشرابی نائب ہو گیا، جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں قیام فرماتے رات کو



اٹھے حسن کو بلایا اور کہا ابھی کوئی قوال بلا کر لاؤ۔ حسن باہر گئے۔ قوالوں کو ایک ایک کر کے ڈھونڈا مگر کوئی نہ ملا۔ تھگ گیا۔ لوگوں نے ایک نوجوان کا پتہ بتایا۔ مگر وہ شراب خانہ میں پڑا ہوا تھا۔ حسن شراب خانہ میں پہنچے تو وہ دھت پڑا ہوا تھا۔ لوٹ کر حضرت کی خدمت میں آئے۔ اور واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اسے ہی لے آؤ حسن شراب خانہ میں پہنچے اس نوجوان کو نیا اور خانقاہ میں لے آئے۔ نوجوان کی یہ حالت تھی کہ اسے نشہ میں کوئی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں آیا ہے حضرت نے اس نوجوان کو کہا کہ کچھ سناؤ۔ اس نے ٹوٹا پھوٹا شعر سنا یا۔ مگر نشہ میں لڑکھڑاتا ہوا۔ اور وہیں گر پڑا اور مستی کے عالم میں سو گیا۔ شیخ نے کہا اسے سونے دو صبح اٹھا۔ تو چلانے لگا۔ میں کہاں ہوں؟ حسن نے آگے بڑھ کر کہا کہ تمہیں شراب خانے سے اٹھا کر شیخ کی خدمت میں لایا گیا ہے۔ اور تم نشہ میں سوتے رہے ہو۔ نوجوان ہر ایک کے پاؤں میں گرتا جاتا۔ اور شرمساری سے پانی پانی ہوتا جاتا۔ حضرت شیخ کے پاس پہنچا اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ حضرت شیخ نے اس کے کندھوں پر تھسکی دی۔ اسے حمام میں بھیجا۔ نوجوان نے حمام کو کہا کہ میرے بال کاٹ دو۔ اس نے بال پکڑے کاٹ دیئے حضرت شیخ نے اپنے کپڑے پہننے کو دیئے تیس سال تک دردیشوں کی خدمت کرتا رہا۔ اور حضرت شیخ کی نگاہ کی برکت سے نیک انسانوں میں شمار ہونے لگا۔

ایک دن حضرت شیخ نے کہا کہ میرے گھوڑے پر زین رکھی جائے سواری تیار ہوئی تو حضرت شیخ سوار ہوئے۔ ایک جماعت ہمراہ تھی۔ بازار میں پہنچے تو ایک گائیکا (مطر بہ) عورت دکھائی دی۔ جو شراب میں مست تھی خوبصورت چہرہ اس پر غارہ لگائے حضرت کے سامنے آکھڑی ہوئی لوگوں نے اسے جھڑکا۔ کہ تم کیا رہی ہے شرم کرو! یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ اسے چھوڑ دو۔ جب وہ اور نزدیک آئی تو حضرت نے فرمایا۔

اے نمیرسی کہ گرفتار آئی!

آراستہ دست بازار آئی



ترجمہ :- تم بن سنور کو مست حرام بازار میں آرہے ہو۔ اور دوست! تمہیں پتا نہیں کہ گرفتار آرہے ہو۔ یہ شعرنا تو عورت و جد میں آگئی۔ بڑی روٹی۔ نزدیک کی مسجد میں چلی گئی۔ حضرت شیخ کے ایک مرید نے پکارا۔ حضرت نے فرمایا۔ جا کر دیکھو اس کی کیا حالت ہے۔ وہ آگے بڑھا تو عورت نے اپنا تمام قیمتی لباس۔ ریشمی کپڑے اور زیورات ایک کپڑے میں باندھ کر درویش کے حوالے کر دیئے۔ اور کہا شیخ کی خدمت میں پہنچا دینا۔ اور کہنا اب میں نے توبہ کر لی ہے میرے لئے دعا فرمائیں۔

وہ درویش کپڑے اور زیورات لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا پیغام پہنچایا۔ حضرت نے فرمایا۔ مبارک ہو۔ فرمایا۔ جو کچھ اس عورت سے لائے ہو اسے بیچ کر حلوا اور نان لاؤ۔ اور غریبوں کو کھلاؤ۔ یہ کہہ کر حضرت خود صحران کی طرف چل نکلے۔ یہ واقع سارے شہر میں مشہور ہو گیا لوگ جو درجوق حضرت شیخ کے پیچھے دوڑے ادھر غریبوں میں حلوا اور کھانا تقسیم ہونے لگا لوگ کھانے لگے۔ مگر شیخ اور آپ کے صوفیاء اس نظارے کو دیکھتے رہے۔ کھانا کھانے کے بعد عود اور صندل کو آگ پر جلایا گیا۔ خوشبو سے سارا بازار مہک اٹھا۔ شیخ پر رقت طاری ہو گئی نعرہ بلند کیا۔ اور کہا۔ جو سانس آتا ہے۔ اُسے دھوئیں اور ہوا کی نذر کر دو۔ لوگ یہ دعوت کھا چکے تو حضرت تمام لوگوں کے ساتھ شہر میں آئے۔ وہ مطربہ اپنی توبہ پر ثابت قدم تھی۔ وہ حضرت کی نظر التفات سے اپنے زمانہ کی نیک عورتوں سے شمار ہونے لگی۔

خواجہ ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ جن والی خراساں کی اصلاح :- دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں تھے۔ سیف الدین دانی نیشاپور حضرت کی زیارت کو حاضر ہوا۔ سیف الدین ان دنوں عالم اسلام کا بڑا حکمران تھا۔ خانقاہ میں آیا۔ بہت رویا۔ اور حضرت کو کہنے لگا۔ مجھے اپنی فرزندگی میں قبول فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا تمہیں بہت بڑا منصب ملا ہوا ہے۔ تم فقروں میں شامل ہو کر کیا کرو گے۔ جاؤ اور عدل و انصاف سے لوگوں کی خدمت کرو۔ اس نے انصاف کا وعدہ کیا۔ حضرت نے مزید فرمایا۔ اس بات کا عہد



کو و ظلم نہیں کر دے گے اپنے شکر پر پابندی لگاؤ گے کہ وہ عوام الناس پر زیادتی نہ کریں۔ اس نے وعدہ کیا۔ اب حضرت شیخ نے فرمایا آج سے تم ہمارے بیٹے ہو۔ سیف الدولہ سلام کر کے باہر آئے عدل و انصاف کو اپنالیا۔ وہ اپنے عدل و احسان کی وجہ سے سارے خراسان میں مشہور ہو گیا۔ لوگ اس کی جو امزدی اور عدل گستری کی مثال دیا کرتے تھے۔

نیشاپور کے قیام کے دوران ایک دن حضرت شیخ اتاد

سلطان طغرل کا بھائی :- امام تشری قدس سرہ کی خانقاہ میں وعظ فرما رہے

تھے۔ وہاں سے فارغ ہوئے تو بازار عدنی گویاں میں سے گزر ہوا۔ وہاں ہی راستہ میں ابراہیم نیال جو سلطان طغرل کا بھائی ملا۔ شیخ کو دیکھ کر اوٹا گھوڑے سے اتر پڑا۔ سر جھکائے کھڑا رہا۔ قدم بھیکی کی۔ حضرت شیخ نے فرمایا سر کو ادرنیچے کر دو۔ اس نے اور جھکا لیا۔ شیخ نے فرمایا۔ اور نیچے کر دو اس نے اور نیچے کر لیا حتیٰ کہ لوگوں کے سامنے اس کا سر زمین کی مٹی کو چھونے لگا۔ شیخ نے فرمایا۔ تمام شد! بسم اللہ کر کے اٹھو۔ اور سوار ہو جاؤ۔ شیخ خود آگے چلے آئے اور اپنی خانقاہ میں آ بیٹھے۔ غالباً کسی درویش کے دل میں خیال آیا۔ کہ یہ کیا بات ہوئی جو حضرت شیخ نے برسہا بازار کی۔ کہ سلطان طغرل کے بھائی کو لوگوں کے سامنے ذلیل کر دیا۔ آپ نے فرمایا تم نہیں جانتے کہ جو لوگ مجھے سلام کرتے ہیں میرے لئے نہیں کرتے۔ اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ ہمارا جسم تو قبلہ خداوند کریم ہے۔ ورنہ مجھے کون جانتا ہے۔ یہ تو اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہے ہم درمیان میں نہیں ہوتے۔ اس لئے جو اللہ کے سامنے جھکتا ہے۔ اُسے پوری طرح جھکنا چاہیے ہم نے ابراہیم نیال کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے کو کہا تھا۔ اپنے سامنے تو نہیں حضرت نے مزید فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کو قبلہ مسلمانان بنایا ہے۔ تاکہ مخلوق اس کو سجدہ کرے حالانکہ وہ اپنی ذات کو سجدہ کرانا چاہتا ہے۔ درمیان میں کعبۃ اللہ کے درو دیوار کیا حیثیت رکھتے ہیں اسی طرح ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے قبلہ خلق بنایا ہے ہماری عزت تو صرف اس کے لئے ہے ہم تو مٹی کا قالب ہیں۔ درویش نے حضرت شیخ کے قدم چومے اور کہا جو کچھ یہ



بزرگان کہتے ہیں اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ ظاہر یہ اعتراض کرنا باطن سے آنکھیں بند کرنا ہے۔

حضرت خواجہ امام ابو علی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی یہ روایت ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ میں نے حضور نبی کریم صاحب کو ثروتینیم کو خواب میں دیکھا۔ آپ کے سر پر تاج تھا۔ کمرہ میں ایک مرصع لباس۔ امیر المؤمنین حضرت علی کریم اللہ وجہہ آپ کے پاس بیٹھے ہیں ابوالقاسم جنید بغدادی اور ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں دست بستہ کھڑے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر قدم بوسی کی۔ سلام عرض کیا اور گزارش کی حضور یا رسول اللہ ما تقول من اولیاء اللہ؟ حضور نے فرمایا

هَذَا مِنْهُمْ وَأَنْتَ آخِرُهُمْ مَا ذَا مَضَيْتَ أَنْتَ يَشْنَايَا لَأَمْذَكُرَ  
أَحَدٍ لِيَدَكَ وَإِشَادِ إِلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ۔

کتاب کے مولف خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے امام اجل غزالدین محمود ایلبساخی طول اللہ عمرہ سے سنا تھا۔ جنہوں نے طوس میں حضرت امام عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ سے سنا۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اپنے والد سے سنا تھا کہ انہوں نے حضرت ابوسعید ابوالخیر سے خود سنا کہ وہ فرمایا کرتے تھے جس وقت میں نے خواب میں نبی کریم صاحب کو ثروتینیم صلوٰۃ اللہ علیہ والہہ کو دیکھا تو آپ نے خوش ہو کر فرمایا۔ ابوسعید جس طرح آخری نبی ہوں اسی طرح تمام آخری ادبیاد میں سے ہو۔ تمہارے بعد ایسا دلی کوئی نہ ہوگا۔ اپنی انگوٹھی اتار کر مجھے پہنادی۔

ایک بار حضرت شیخ مینہہ

مارا برکیہ بند نیست و با خلق خدا جنگ نیست :- میں مجلس وعظ فرماتا ہے

تھے دوران مجلس ماورالنہرو سے ایک درویش وارد ہوا۔ مجلس میں بیٹھ گیا۔ مجلس ختم ہوئی تو

درویش نے آگے بڑھ کر حضرت شیخ کو سلام کیا۔ تین دن تک خدمت میں رہا۔ ہر روز مجلس میں



بیٹھا۔ تو حضرت ہمیشہ اسی کی طرف منہ کر کے وعظ فرماتے۔ اور بڑی خوبصورتی سے اظہار خیال فرماتے چوتھے دن مجلس کے دوران ہی اس درویش نے نعرہ مارا۔ اٹھا۔ اور کہا کہ حضرت مجھے یہ بتائیں۔ آپ کیا ہیں؟ کیا چیز ہیں؟ حضرت نے فرمایا۔ ہمارا خزانہ بند نہیں اور مخلوق خدا سے لڑائی نہیں ہے۔ درویش نے یہ بات سنی تو بیٹھ گیا۔ شیخ مجلس سے فارغ ہونے درویش نے وطن جانے کی تیاری شروع کی۔ روانہ ہوا۔ وہاں پہنچا وہاں کے بزرگ مشائخ جمع ہو گئے اور حلقہ میں بیٹھ کر مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے لگے۔ وہ درویش بھی ان کے درمیان بیٹھا تھا جب درویش کو گفتگو کرنے کو کہا گیا۔ تو بزرگوں نے کہا میاں خراسان سے جو کچھ لے کر آئے ہو ہمیں بھی سناؤ اس نے بتایا کہ میں نے ایک بزرگ مینہ میں دیکھے ہیں۔ وہ اچھی باتیں کہتا تھا۔ میں ساری تو یاد نہیں رکھ سکا۔ مگر میں نے اس سے ایک سوال کیا۔ کہ تم کون ہو۔ اور احوال کیا ہیں؟ انہوں نے بتایا ہمارا خزانہ کھلا ہے۔ اور مخلوق خدا سے کوئی جنگ نہیں! یہ سن کر تمام مشائخ اٹھے اور خراسان کی طرف منہ کر کے زمین بوس ہوئے۔ اور حضرت شیخ کا ادب بجالائے جن دنوں حضرت شیخ ابوسعید نیشاپوری میں تھے۔ حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ بھی نیشاپور میں ہی تھے۔ آپ نے حضرت شیخ کو نہ دیکھا تھا نہ ملاقات کی تھی۔ وہ حضرت شیخ کے منکر تھے۔ جو شخص ان کے پاس آتا حضرت شیخ کی باتیں پوچھتے۔ اسی طرح جو نبی امام قشیری حضرت شیخ کے خلائق باتیں کرتے تو لوگ وہاں جانتے مگر حضرت شیخ چپ رہتے۔ ایک دن حضرت امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ شیخ ابوسعید اللہ کو دوست رکھتے ہیں مگر اللہ ہمیں دوست رکھتا ہے۔ ہمارے اور ان کے درمیان بس اتنا فرق ہے کہ ہم ہاتھی ہیں۔ جبکہ وہ چھریں۔ حضرت شیخ نے سنا تو فرمایا ہاتھی بھی آپ ہی ہیں اور چھری بھی آپ ہی ہیں۔ ہم تو کچھ بھی نہیں۔ بلکہ ہمارا تو وجود ہی نہیں وہ شخص حضرت امام کے پاس آیا۔ اور انہیں بتایا کہ حضرت شیخ یوں فرماتے ہیں امام قشیری نے اس وقت عہد کیا۔ کہ آج کے بعد حضرت شیخ کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے اس وقت تک کوئی بات نہ کی۔ جب تک آپ کی مجلس میں آنے کا موقع نہ ملا۔ پھر یہ ساری مخالفت محبت میں تبدیل ہو گئی



جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں تھے۔ تو ایک عالم دین بیمار ہو گئے۔ آپ انکی بیماری پر سی کو گئے۔ ان کے پاس بیٹھے اور باتیں کرتے رہے اسی دوران اس عالم دین کے احباب جمع ہو گئے ان میں کچھ طبیب اور علماء کے پاس بیٹھنے والے بھی تھے۔ ایک کہہ رہا تھا۔ کہ فلاں چیز کا استعمال یوں ہوتا ہے۔ دوسرا کہہ رہا تھا فلاں چیز یوں دینا چاہیے۔ ہر شخص اپنے اپنے ثواب دید کے مطابق بات کر رہا تھا۔ اور عالم دین ہر ایک کا جواب دیتے جاتے تھے۔ تمام کے تمام اپنی ہی باتوں میں مستغرق تھے۔ جب فارغ ہوئے تو حضرت سے معافی طلب کی کہ ان لوگوں سے خواہ مخواہ باتیں کرتے رہے حضرت نے فرمایا۔ آپ کو اس سے بہتر طریقہ سے مرنا چاہیے۔ اس بات سے عالم دین اور محتاط ہوئے اور اسے احساس ہوا کہ واقعی اس نے غلطی کی ہے اور شیخ حق پر ہیں چنانچہ کہا۔ حضور جہاں آپ کی نگاہیں جاتی ہیں۔ ہم وہاں نہیں پہنچ سکتے۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ العزیز مرد جا رہے تھے قصبہ لغبثور میں پہنچے تو آپ کو یہ قصبہ پسند نہ آیا۔ حالانکہ وہاں کے لوگ نیک سیرت۔ بزرگ۔ آئیہ مذاہب اور اہل تقویٰ تھے اس شہر میں اس وقت تیس ہزار مفتی اور مستدین لوگ اس شہر میں تھے۔ شہر کے عوام اصلاح یافتہ تھے دکتے ہیں ایک بادشاہ نے اس شہر میں فساد کو رانا چاہا۔ تو شہر کے چھوٹے بڑے سب جمع ہو کر کہنے لگے۔ ہم اپنے شہر میں فساد نہیں ہونے دیں گے۔ یا کسی قسم کی معصیت کا ارتکاب کرے۔ ہمارے نوجوانوں کو کوئی شخص فساد برپا کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا یا ان نوجوانوں کو کسی گناہ پر لگائے۔ ہم اپنے نوجوانوں کو یہاں تک بھی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ یہ خیال بھی کریں کہ فساد کیسے کیا جاتا ہے۔ یہ حالت دیر تک قائم رہی۔ آخر کار لوگوں کے اتفاق اور نیک نیتی نے اس کو ناکام بنا دیا حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ العزیز اس شہر میں پہنچے تو آپ نے فرمایا۔ یہ شہر جنتیوں پر دوزخ ہے۔ وہاں سے مرد کو روانہ ہوئے قاضی حسین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ کو دیکھا۔ تو آپ سے بیعت ہو گئے حضرت شیخ چند دن وہاں ٹھہرے۔ ایک درویش نے اپنے بیٹے کے ختنے کو لئے تو حضرت شیخ اور صوفیاء کو دعوت پر بلایا۔ حضرت اپنے صوفیاء کو لے کر اس کے گھر پہنچے۔ کھانا کھانے کے بعد مجلس سماع



ہوئی شیخ پر ایک حالت خاص طاری ہوئی۔ وہاں سے اٹھے۔ خانقاہ میں آئے۔ صوفی بھی حضرت کے ساتھ ساتھ ہوئے۔ مگر قوال وہاں ہی گاتے رہے۔ اور شہر کے لوگ بھی وہاں ہی رہے۔ لوگوں کو اس قوال اور سماع سے انکار تھا۔ قاضی حسین کے پاس جمع ہوئے۔ اور صورت حال پر اظہار خیال کرنے کو کہا۔ حسین قاضی نے حضرت شیخ کی خدمت میں ایک رقعہ لکھا۔ کہ لوگ آپ کی مجلس سماع کے منکر ہیں اور اب احتجاج کو رہے ہیں۔ حضرت شیخ نے رقعہ پڑھا اس کی پشت پر لکھا۔

تو یزگشت خوئے بدآن خوب روئے را      ورنہ بچشم بد بخواند لیش مردمان  
قاضی نے یہ بیت پڑھا تو رونے لگا۔ اور لوگوں نے انکار سے توبہ کر لی۔

کہتے ہیں حضرت شیخ مرد میں پہنچے تو یہ سارا قصبہ پیر بوعلی سیاہ خواجہ جناز کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضرت شیخ وہاں سے باہر چلے گئے۔ صحرار میں آئے۔ خواجہ جناز اراداً تارکاب تھاے ساتھ ہوئے۔ جس وقت حضرت شیخ ان کے گھر پہنچے۔ تو خواجہ جناز نے آپ کی باگ پکڑا کر دکنا چاہا اور گزارش کی کہ میرے گھر قدم رنجہ فرمائیں۔ اور چند لمحات مجھے مشرف فرمائیں حضرت تمام جماعت کو لئے وہاں ہی ٹھہرے۔ وہاں ایک بہت بڑا ستون تھا۔ اس پر بہت سی شہتیریاں رکھی تھیں۔ جس پر کھلا چھت تھا۔ گویا ساری عمارت اسی ستون پر کھڑی تھی۔ حضرت شیخ کی نگاہیں اس ستون کو دیکھ رہی تھیں آپ نے فرمایا لا بتوا نک حملت ما حملت یہ کلمہ شیخ کی زبان پر آیا تو خواجہ نے برملا کہا۔ ہاں ہاں حضرت اس ستون پر بڑا فرج آیا ہے میں اس پر بڑا کام کیا ہے۔ بڑی مشقت برداشت کی ہے پھر جا کر اس ستون کو کھڑا کیا ہے۔ سارے شہر میں اس سے بڑا ستون کہیں نہیں شیخ نے سن کر کہا۔ اے سبحان اللہ! ہم کہاں ہیں اور قاضی کہاں! اسی وقت اٹھے۔ وہ کہتا رہا۔ حضرت تشریف رکھے۔ چند لمبے بیٹھے مگر حضرت شیخ اٹھے۔ اور عبد اللہ مبارک کی حویلی میں چلے آئے۔ اور مرو میں نہ ٹھہرے۔

نیشاپور کے زمانہ قیام میں ایک حضرت شیخ نے نئے کپڑے سلانے اور انہیں ایک بار پانی میں دھو کر نازی کیا۔ اور رسی پر ڈال دیئے تاکہ سوکھ جائیں ایزار پانی گم ہو گئی



ہر شخص سے پوچھا گیا مگر پتہ نہ چلا۔ یہ گستاخی کس نے کی تھی۔ حضرت شیخ رواق خانہ میں بیٹھے تھے۔ اور کچھ نہ کہتے تھے۔ ایک بوڑھا حضرت کے گھر کے دروازے کے سلسے بیٹھا رہتا۔ حضرت شیخ کو اس سے بڑی محبت تھی۔ اور بے حد عزت کرتے۔ صوفیاء نے کہا سب کو دیکھا یہ کہاں سے تلاش کریں۔ سب کی تلاشی شروع کی جائے۔ سب سے پہلے اس بوڑھے کے بستر کی تلاشی لی تو نیچے سے ایزار پائی نکل آئی۔ حضرت کو معلوم ہوا تو حکم دیا۔ اس کا بستر گلی میں پھینک دو۔ چنانچہ صوفیوں نے اُسے اٹھایا۔ اور گلی میں رکھ دیا۔ وہ بوڑھا وہاں سے اٹھا پھر اسے کسی نے نہ دیکھا۔

ایک بار حضرت شیخ کے ایک تاجر اور امیر مرید نے ایک ترک کینز آپ کی خدمت میں پیش کی کہ وہ آپ کی خدمت کیا کرے گی۔ وہ کینز آپ کی خدمت کرتی۔ بڑی نیک سیرت عورت تھی شیخ نے اس کینز کو اپنے بیٹے ابوطاہر کے حوالے کر دیا۔ کینز آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ رو رہی تھی۔ اور کہہ رہی تھی۔ مجھے قطعاً یہ دہم نہ تھا۔ کہ آپ مجھے اپنی خدمت سے محروم فرمادیں گے۔ شیخ نے فرمایا۔ ابوطاہر ہمارے دل کا ٹکڑا ہے بیٹا ہے۔ ہم نے تمہیں گھر سے تو نہیں نکالا۔ صرف ان کے حکم میں کر دیا ہے۔ ہم تمہیں خدمت سے محروم تو نہیں کر رہے۔ چنانچہ کینز ابوطاہر کی خدمت کرتی رہی لیکن بایں ہمہ حضرت شیخ کے سارے کام اپنے ہاتھ سے کرتی۔ ابوطاہر نے اسی کینز سے شادی کی۔ مگر وہ حضرت شیخ کی خدمت گزار ہی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتی۔ حضرت نے ایک دن خوش ہو کر فرمایا۔ بیٹی!

از ترکستان کہ بود آرنده تو گورد۔ دیگر بیارمانسده تو!

یہی کینز تھی۔ جس سے حضرت خواجہ ابوطاہر کے ہاں خواجہ ابوالفتح پیدا ہوئے۔



# ملفوظات و اقوال

شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سره



○ " ہم چلتے چلنے کو ہتھان کے ایک دامن میں ایک گاؤں طرق نامی میں پہنچے۔ قیام کیا۔ ہم لوگوں سے پوچھا کہ اس سببی میں کوئی بزرگ ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ یہاں ایک بزرگ ہوئے ہیں۔ انہیں دادا کہتے تھے۔ ہم ان کے مزار پر حاضر ہوئے۔ زیارت کی۔ ناتھ پڑھی۔ ہمیں وہاں بڑا سکوں ملا۔ گاؤں کے چند لوگ آئے۔ ہم نے پوچھا۔ کسی نے دادا کو دیکھا تھا۔ انہوں نے بتایا۔ ہاں یہاں ایک بوڑھا آدمی ہے۔ اس نے دیکھا تھا۔ اسے بلانے کے لئے آدمی بھیجا گیا۔ اُسے لایا گیا۔ بڑا پر جلال آدمی تھا۔ ہم نے پوچھا کیا آپ نے دادا کو دیکھا تھا۔ اس نے کہا۔ ہاں میں اس وقت بچہ تھا۔ ہم نے پوچھا۔ ان کی کوئی بات سناؤ کہنے لگا۔ مجھے اس وقت بات سمجھنے کا اتنا شعور تو نہ تھا۔ ہاں ایک بات مجھے یاد ہے ایک دن ان کے پاس ایک گودڑی پوش آیا۔ سلام کیا۔ اور پوچھا کیا سفر کا لباس اتاروں تاکہ آپ کے پاس چند لمحے آرام کر لوں۔ میں نے سارا جہاں پھرا ہے۔ آرام نہیں کر سکا۔ اور نہ ہی مجھے آرام میں کوئی شخص نظر آیا ہے۔ دادا نے کہا۔ ارے غافل۔ تو اپنی ذات کا فکر دور کر دے۔ تو آرام سے رہتا۔ اور لوگ بھی آرام اور سکوں کرتے۔ ہم نے کہا۔ اس نے پوری بات کہہ دی ہمارا مقصد پورا ہو گیا۔ اب آپ جائیں۔ اور اس تکلیف کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ "

○ " ایک دن ایک دھریہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں آیا آپ اس وقت حق پر اظہار خیال کر رہے تھے۔ صوفیاں حق کے متعلق اکثر بات کرتے



ہیں۔ لوگ اللہ کے نام کو مختلف اوصافی نام سے یاد کرتے ہیں۔ بعض رحمان کہتے ہیں۔ تاکہ انہیں روزی مل جائے۔ بعض رحیم کہتے ہیں تاکہ انہیں بہشت مل جائے۔ بعض تک کہتے ہیں۔ تاکہ انہیں مذہب اور مرتبہ مل جائے۔ ہر شخص جس چیز کی حاجت کا ضرورت مند ہوتا ہے۔ اللہ کو اسی قسم کے وصف سے یاد کرتا ہے۔ صوفیاء کرام اللہ تعالیٰ کو حق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے بغیر کوئی ذات قادر نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ واسطہ رکھتے ہیں۔ ان کا لفظ پاکیزہ ہوتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں حق۔ اس پر اس دھریے نے ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کو کہا یہ لوگ جو حق کہتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جو دوسروں کو کسی قسم کی آلائش میں آلودہ نہیں کرتے۔ اور وہ خود ہمیشہ پاک صاف رہتے ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا وہ خود پاک ہے۔ سجان ہے۔ ہر چیز سے پاک ہے۔ بے نیاز ہے۔ اس کے نانوے نام ہیں۔ قرآن۔ توریت۔ انجیل اور زبور میں اس کا مشترک نام سجان ہے۔ جب سجان کہا جاتا ہے۔ تو اس کا مطلب کھل اور تمام ذات ہے۔ جب یہ نام لیا جائے۔ تو تمام گناہ چھو ہو جاتے ہیں۔ جس طرح بوڑھی عورتیں تسبیح لئے ہزار دانے شمار کرتی ہیں۔ ان کے آہر میں سرے پر ایک بڑا دانہ ہوتا ہے۔ اسے موذن کہا جاتا ہے جب اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو تمام دانے ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب آپ سجان کہتے ہیں۔ تو تمام کی تمام پاکیزگی اس کی ذات کے لئے ہوتی ہے۔ کوشش کرنا چاہیے۔ سجان کا روزیادہ سے زیادہ کیا جائے۔ اللہ کی تمام مخلوقات سجان اللہ کا ورد کرتی ہے۔ مگر انسان اپنی غفلت کی وجہ سے اس تسبیح کو سن نہیں سکتا۔ وہ ببل جو ہزار سروں سے آواز نکالتی ہے۔ ہر آواز میں سجان اللہ کہتی ہے۔ مگر انسان صرف چند ایک آوازیں سن پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان من شیء الا یسبح بحمده و لکن لا یفقیہون تسبیحہم ط

ہمارے شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں۔ کہ مجھے لوگوں نے خواب میں دیکھا

حکایت :- کہ میں مرا پڑا ہوں۔ تھوڑی بندھی ہوئی ہے اور باتیں کر رہا ہوں ایک



شخص نے چلا کر کہا۔ او لوگو! جو باتیں کرتے ہو۔ اگر تم یہ دو باتیں کرو جو شیخ کرتے ہیں۔ تو پھر موت کیا ہے۔ مَاتَ الْعَبْدُ وَهُوَ لَسَوْ يُذَلُّ

ایک قاری نے حضرت شیخ ابو النخیر کے سامنے یہ آیت کریمہ پڑھی إِنَّ السَّذَىٰ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادِكَ إِلَهِي مَعَادٍ حضرت شیخ نے فرمایا مقررین نے اس آیت کریمہ کی یوں تفسیر کی ہے کہ اَرَادَ بِهِ فَتَحَ مَكَّةَ اس آیت سے مراد فتح مکہ ہے۔ ہم اس کی یہ تفسیر کریں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ فتح مکہ کی قسم نہیں اٹھاتا۔ اراد بہہ بِقِيَاءِ الْإِخْوَانِ۔ اس سے مراد بھائیوں کا دیدار ہے۔ فتح مکہ نہیں۔

○ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب اجار کو پوچھا کہ آپ کے نزدیک تورات میں کون سی آیت ایسی ہے۔ جو سب سے مختصر ہو کعب اجار نے کہا کہ تورات میں سب سے مختصر آیت یہ ہے الْأَمَّنُ طَلَبْنِي وَجَدَنِي۔ وَمَنْ طَلَبَ غَيْرِي يُوجِدُنِي جس نے مجھے ڈھونڈا پایا۔ جس نے میرے سوا ڈھونڈا کچھ نہ پایا۔ اس آیت کے سامنے یہ بھی لکھا ہے۔

قَدْ طَالَ شَوْقُ الْأَبْرَارِ إِلَىٰ تَعَائِي وَآمَنَّا إِلَىٰ تَعَانِيمِ

ان کی آرزو میں میرے دیکھنے کے لئے بے تاب ہیں میں بھی ان کے دیکھنے کا شوق

رکھتا ہوں۔

○ حضرت بایزید بظامی نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ واحد ہے۔ اسے واحدانیت اور فردیت سے تلاش کرنا چاہیے۔ مگر تم لوگ اسے سیاہی اور کاغذ کے صفحات سے تلاش کرتے ہو۔ کب پاؤ گے!

○ بعض حکمانے کہا ہے۔ وَنَدَّتْ بَاكِيًا. وَالنَّاسُ يَفْتَحُونَ

فاجتہہ بَانَ تَمُوتُ ضَاحِكًا وَالنَّاسُ يَبْكُونَ۔ تم پیدا ہوتے وقت رو رہے تھے۔ اس طرح زندہ رہنے کی کوشش کرو۔ کہ تم مرتے وقت ہنستے ہنستے







ہیں۔ وہ تو قدیم سے جدید کو جدا کرنا ہے۔ اور اپنے وطن سے باہر آنے کا نام ہے اور معرفت و ریاضت اختیار کرنا ہے۔ اور جو چیز ان کے علم میں ہے اس کا بھول جانا ہے اور یہ ساری چیزیں اللہ کے لئے ہیں۔

○ " ایک شخص حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تمہیں علم غیب ہے تو علم توحید سے بھی واقف ہو تو ساری دعائیں تمہارے لئے درست ہیں اگر ایسا نہیں تو دریا میں ڈوبنے والے کو شور اور نعرہ کب بچا سکتا ہے! "

گر من این دوستی تو برم تا لب گور . بز نم نعرہ و لکن ز تو بینم ہمبیرا " ○ لوگوں نے حضرت خواجہ ابوالحسن بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ کو پوچھا۔ کہ ایمان کیلئے؟ آپ نے فرمایا۔ ایمان یہ ہے۔ کہ جب تم کھانا کھاتے ہو تو لقمہ کو دل کے سکوں سے آہستہ آہستہ چاکر کھاؤ اور یہ یقین کر لو۔ جو تمہارا حصہ ہے۔ وہ ضائع نہ ہو۔ "

○ حضرت ابو عبد اللہ رازی قدس سرہ نے فرمایا۔ مجھے سردی اور بھوک نے آگھیرا۔ میں سو گیا۔ غائب سے آواز سنی۔ کیا تمہیں خیال ہے کہ عبادت صرف نماز اور روزہ کا ہی نام ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کے احکام کے تابع بنا لینا نماز و روزہ سے افضل ہے۔ "

○ " لوگوں نے حضرت شیخ سے دریافت کیا کہ تصوف کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تصوف تو تمام کی تمام شکر ہے لوگوں نے عرض کی حضرت تشریح فرمائیے۔ فرمایا کہ دل تصوف تو اس چیز کا نام ہے۔ کہ دل کو غیر کی جزئیات سے بھی محفوظ رکھا جائے غیر جزو نہیں ہوا کرتا۔ "

○ ایک دن حضرت شیخ جنید رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے ارد گرد فقراء کی ایک جماعت بھی تھی۔ لوگ ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے خصوصاً اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمتوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک درویش نے کہا الحمد للہ رب العالمین دوسرے درویش نے کہا۔ یہ عالمین کیا ہوتا ہے۔ جس کا ذکر اللہ کی ذات کے ساتھ ہے



حضرت جنید نے فرمایا کہ جب نئی چیز کو قدیم ذات سے ملایا جائے اور نئی چیز تو ناپائیدار ہوتی ہے۔ قدیم قائم رہتی ہے۔ نئی چیز (محدث) قدیم میں گم ہو جاتی ہے۔“

○ حضرت بشی رحمۃ اللہ۔ اللہ اللہ اللہ بہت کہا کرتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا۔ آپ لا الہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے۔ صرف اللہ اللہ ہی کہتے ہو فرمایا مجھے ڈر لگتا ہے کہ اس کے نام کو نفی رانکار کے الفاظ سے یاد کروں مجھے ڈر آتا ہے کہیں لا الہ کہتے ہوئے مر جاؤں تو اللہ کے نام سے محروم رہ جاؤں۔

○ لا الہ تو آغاز ذکر ہے۔ مگر الا اللہ انتہائے ذکر ہے۔ ایک سالک کئی سال تک لا الہ درست نہ کر لے۔ الا اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

○ حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے جہاں ایک تازیانہ کام کر جائے وہاں تلوار کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اگر میرے اور مخلوق کے درمیان ایک بال کا رشتہ بھی ہو۔ تو وہ بال کا رشتہ اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا۔ جب وہ کھینچتے ہیں تو میں ڈھیلا چھوڑ دیتا ہوں۔ اور جب وہ سست رہو جاتے تو میں اسے کھینچ لیتا ہوں۔“

○ کلیدہ و دمنہ میں لکھا ہے۔ کہ زبردست بادشاہ کا مقابلہ کرنا مشکل ہوتا ہے سوائے تسلیم و رضا کے چارہ کار نہیں۔ اس کی مثال ترخشیش کی سی ہے جس وقت تیز طوفانی ہوائیں چلتی ہیں تو وہ زمین کے ساتھ پھیل جاتی ہے اور ہوا کا طوفان اس سے گزر جاتا ہے مگر وہ تار درخت جو کھڑے رہتے ہیں وہ طوفانوں میں جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں۔ جنگل میں شیر کو دیکھ کر زمین پر بیٹھا جائے۔ اور تواضع کر کے تو شیر ایسے شخص کو کچھ نہیں کہتا۔ شیر عظیم طاقت کا مالک ہوتا ہے۔ لیکن اس کا ظرف بلند ہوتا ہے۔ وہ کسی کمزور چیز کو تنگ نہیں کرتا۔ یاد رکھو کمزور اور ضعیف دشمن پر فریفتہ نہ ہونا چاہیے آگ فیتے کو اتنا نہیں جلاتی جس قدر باہمی عداوت قبیلہ کو تباہ کرتی ہے۔ عتاب اندرونی کینہ سے



بہتر ہوتا ہے حضرت ناصح کا زخم دشمن بد آموز سے بھی زیادہ دردناک ہوتا ہے۔“

○ ”احق کو ادب کرنا ایسے ہی ہے جو حنظل (تے) کے نیچے پانی رکھ دیا جائے

جس قدر پانی میں بھگیتا جائے گا۔ پانی کڑوا ہوتا جائے گا۔“

○ ”عقل مند وہ ہے۔ جب اسے کوئی مشکل درپیش آئے۔ تمام آراء اور مشوروں

پر غور کرے بنائیت بصیرت سے ان پر غور کرے۔ جو اچھی چیز ہو اس پر عمل کرے اور بری

چیزوں کو چھوڑ دے ایسے ہی ہے۔ کہ اگر کسی کا ایک دینار منی میں گم ہو جائے اگر دانا ہو گا

تو وہاں کی تمام ریت کو جمع کرے گا اسے چھلنے گا۔ اور اس طرح گم شدہ دینار کو پالے گا۔“

○ ”ایک اعرابی کا ایک بیٹا تھا۔ وہ فوت ہو گیا۔ وہ اس صدمہ پر زار زار روتا تھا۔

لوگوں نے صبر کی تلقین کی اور کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ صبر کرتے ہیں انہیں

بے پناہ ثواب ملتا ہے۔ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا صبر بہت سخت ہے۔ رونے سے دل ہلکا

ہوتا ہے مگر ایسے صبر سے دل بند ہوتا ہے اور سیاہ ہوتا ہے۔“

○ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ مخلص دوست تھے جو صفا اور حزم میں

ایک دوسرے کے ساتھی رہتے۔ ایک بار انہیں سمندر کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ جب جہاز سمندر کے

درمیان پہنچا۔ ایک شخص جہاز کے چھت (عرشہ) پر جا چڑھا۔ جہاز نے ہچکولہ کھایا اور وہ سمندر میں

جاگرا۔ دوسرے نے بھی اسے دیکھتے ہی پھلانگ لگا دی۔ جہاز وہاں ہی ٹکر انداز ہو گیا۔ غوطہ زن

پانی میں گئے۔ اور انہیں نکلانے میں کامیاب ہو گئے۔ ابھی تک دونوں زندہ تھے۔ ان کے حواس

درست ہوئے تو پہلے گرنے والے دوست نے دوسرے سے پوچھا۔ میں تو اتفاقاً سمندر میں گرا

پڑا تھا۔ تمہیں پھلانگ لگانے کی کیا ضرورت تھی کہنے لگا۔ مجھے اپنی ذات سے دوری اور تیری

ذات میں محویت تھی۔ میں نے سمجھا کہ میں دراصل تیری ہی ذات سے مثل تھا۔

○ ایک خلیفہ کی چچا زاد بہن تھی۔ جسے وہ بہت چاہتا تھا۔ ایک دن دونوں باہر

نکلے تو راستہ میں ایک کنواں دیکھا۔ وہ کنویں کے کنارے پر بیٹھ گئے اتفاقاً خلیفہ کی انگوٹھی



کنویں میں گر پڑی۔ لڑکی نے اپنی انگوٹھی اتاری اور کنویں میں پھینک دی۔ خلیفہ نے لڑکی سے پوچھا۔ تم نے یہ کیا کیا اور کیوں کیا بہکنے لگی۔ میں نے جدائی کے صدمات آزمائے ہوئے ہیں میرا دل نہ چاہا۔ کہ میرے چاہنے والے کی ایک چیز کنویں میں رہے اور میری انگلی کی یہ انگوٹھی اس سے دور رہے۔ دہشت جدائی سے بچانے کے لئے میں نے اُسے مونس بنا دیا ہے۔“

○ اے روئے تو چور و ز دلیل تو صلہ دے مومتے تو چناں چو شت ملحد از لحد

اے من مقدم از ہم عشاق چوں توی مرحن را مقدم چوں از کلام تدر

لکی بکعبہ فخر کند مصبریاں نبیل تر سا با سقف و علوی با فخر جبد

فخر ہی بد اں دو سیہ چشمکاں تست کا مدید زیر نقاب او بر در خد

○ ” ایک نو عمر لڑکا حضرت شبلی کے حلقہ میں بیٹھا کرتا تھا۔ ایک دن کہنے لگا یا حضرت

مجھے میری ذات سے غائب کر دیں۔ مجھے میری اپنی جان سے ملا دیں۔ میں میں ہی رہوں شبلی فرمانے لگے۔ تمہیں یہ بات کیسے آئی۔ تم یا نابینا ہو جاؤ گے یا غلام۔ کہنے لگا۔ حضرت یہ میرے نصیب کب کہ اس کی ذات میں نابینا ہو جاؤں یہ کہہ کر بھاگ گیا۔

○ فَإِذَا الْقُبُورُ الْقَائِمَةُ وَالصَّبْرَةُ وَالصَّبْرَةُ وَالصَّبْرَةُ

تم نے مجھے دیکھا تم نے اسے دیکھا۔ اور تو نے اسے دیکھ لیا۔ تو ہمیں بھی دیکھ لیا۔

چوں مرادیدی تو اور ادیدی چوں ورا دیدی تو دیدی مر مرا“

○ ” یحییٰ معاذ الازمی قدس سرہ فرماتے ہیں جب تک انسان طلب میں سرگراں

رہتا ہے اسے کہتے ہیں کہ تمہیں با اختیار ہونے کی کیا ضرورت ہے جبکہ تم اس اختیار کے مالک

نہیں ہو۔ جب یہ انسان فنا ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں۔ اگر تم اسے چاہتے ہو تو جلدی کر دو۔ ورنہ

اختیار کہتے ہو تو تمہارا اختیار تو ہمارے پاس ہے اگر چھوڑتے ہو تو وہ بھی ہمارے ہی اختیار

میں ہے۔ تمہارا اختیار ہمارا اختیار ہے۔ تمہارا کام ہمارا اپنا کام ہے۔

امروز کہ معشوقہ بعشقم برفا ست بردر گوہر میرا سب ما باید خواست



○ حضرت سہیل بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ بندے اور اللہ کے درمیان سخت

ترین حجاب بندے کا دعویٰ ہے۔“

” حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من لثویقل من — صادقاً

کان ارتکاباً لثویعلی المحوض : جو شخص کسی مجرم کا عذر قبول نہیں کرتا۔ وہ

عذر خواہ سچا ہو یا جھوٹا۔ میرے حوض سے پانی نہ پی سکے گا۔“

○ ” عبد اللہ بن الفرج العابد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں ہر ایک دن اپنی ذات

پر دن رات نازل ہونے والی چودہ ہزار نعمتیں گنتا ہوں۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ اتنی تعداد کی

نعمتوں کو گنتا کس طرح ممکن ہے۔ فرمایا میں نے دن رات اپنے سانس گنے تو چودہ ہزار تھے

ہر سانس اس کی ایک نعمت ہے۔“

○ ” محمد بن حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو طبیب تمہیں کروسی دوائی دیتا ہے تاکہ

تم تندرست ہو جاؤ۔ وہ تمہارا مشفق ہے۔ اس شخص کی نسبت جو تمہیں علوہ کھلاتا ہے کہ بیمار ہو

جاؤ جو جا سوس تمہیں خطرات سے آگاہ کرتا ہے وہ اس شخص سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جو تمہیں

خطرات سے بے خبر رکھتا ہے۔“

○ ” ایک بادشاہ نے وزیر سے دریافت کیا کہ انسان کب شریف ہوتا ہے وزیر

نے کہا جب اس میں سات عادتیں جمع ہو جاتی ہیں پوچھا وہ کیا ہیں؟ کہنے لگا۔ اول ہمت آزادگان

کنواریوں سا شرم۔ غریبوں سے تواضع۔ عاشقوں کی سی سخاوت۔ بادشاہوں کی سی سیاست

بوڑھوں جیسا علم اور تجربہ۔ پھر عقل جو دل و دماغ کی راہنما ہو۔“

ابو جعفر تائینی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم سے سنا وہ فرمایا کرتے

تھے۔ نو مرد چار چیزوں پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن اس کی تاویل نہیں کر سکتے۔ حسب پر دولت پر

علم پر اور تقویٰ پر۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں اور حسب سے شرف کی نسبت قائم ہوتی ہے۔ اور

دولت کثرت مال کا نام ہے۔ حالانکہ دولت تو دل کی دولت ہے۔ علم ایک ایسا نور ہے جسے



اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں بھر دیتا ہے۔ اور تقویٰ تو اس مقام کا نام ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے ہاتھ کو روک لے۔

” ایک اعرابی کی زہرہ نامی کینز تھی۔ لوگوں نے اسے پوچھا تم امیر المؤمنین بننا پسند کرو گے اور یہ کینز مر جائے۔ کہنے لگا۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ میری زہرہ تو مر جائے۔ اور میری رعایا کا کام خراب ہو جائے۔“

” ایک دیہاتی نے اپنے وکیل کو کہا۔ مجھے ایک ایسی گدھی خرید دو جو نہ بوڑھی ہو نہ چھوٹی ہو۔ مجھے نشیب و فراز میں سواری کا کام دے۔ دشوار گزار راستوں میں رک نہ جائے۔ پتھروں سے بچ کر چلے۔ اگر گھاس تھوڑا ملے تو اس پر بھی صبر کرے۔ اگر زیادہ مل جائے تو بقایا چھوڑ دے وکیل کہنے لگا۔ جناب میں ایسی گدھی خریدنے سے تو قاصر ہوں ہاں تم اللہ سے دعا مانگو کہ وہ تمہارے لئے ابو یوسف قاضی کو گدھی بنا دے۔ یہ سارے اوصاف تو ان کے اندر پائے جاتے ہیں۔“

” ایک یہودی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں آیا اور سوال کیا یا امیر المؤمنین ہمارا اللہ کیسا ہے؟ اور کب کا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا۔ اللہ اوصاف سے باند تر ہے۔ اور اوصاف سے مبرا ہے۔ وہ جیسے تھا ویسا ہی ہے۔ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ ہر پہلی چیز سے پہلے ہے۔ بے انتہا بے غایت ہے۔ اس کی ذات پر تمام انتہائیں اور غائتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہودی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں اس کے علاوہ جو بھی کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ پھر کہا۔ اشہدان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ۔“

○ ”شہ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو توحید کی بُو تک نہیں آتی۔ جس نے کسی کا حق مارا ہو اور اس کا حق ادا نہ کیا ہو۔ یہ بات اپنے مقام پر قابل داد ہے۔“

○ ایک دفعہ ایک درویش ایک وادی سے آیا۔ وہ اس وقت فاقہ میں تھا



وہ کو فہ میں اپنے ایک دوست کے پاس گیا۔ دونوں کھجوروں کے ایک باغ میں گئے۔ باغ کے مالک نے کہا۔ آؤ کھجوروں پر چڑھ جاؤ۔ جی بھر کر کھجوریں کھاؤ۔ جتنی چاہتے ہو۔ گھر لے جاؤ۔ وہ درویش درخت پر چڑھ گیا۔ ان کا دوست درخت کے نیچے کھڑا رہا درویش کا درخت سے پاؤں پھسل گیا اور زمین پر آگرا۔ کھجور کا ایک کانٹا پیٹ کو چیرتا ہوا نکل گیا۔ سینہ چیر دیا۔ وہ ابھی موت و حیات کی کش مکش میں تھا کہ کہنے لگا۔ شکر الحمد للہ میں اس وقت تک نہیں مراحب تک اپنی مراد کو نہیں پایا۔ بھوکا پیٹ۔ پھٹا ہوا پیٹ اور لبوں پر جان اس سے بڑھ کر تمہاری سزا اور کیا ہو سکتی ہے دوست آگے بڑھا۔ اس کے سر ہانے آکھڑا ہوا پھٹے ہوئے پیٹ پر نظر ڈالی۔ پیٹ کو باندھنا چاہا۔ درویش نے دوست کی رفاقت کو دیکھا اور کہا۔

الْيَوْمَ لَا يَرْفَعُ غَيْرِي ذِيْلِي      يَلِيْلِي نَهَارِي وَنَهَارِي لَيْلِي

درویش نے کہا۔ اب اس میں کوئی خیانت نہیں رہی۔

○ "حضرت ستری سقطی قدس سرہ ایک دفعہ بیمار ہو گئے حضرت جنید قدس سرہ آپ کی بیمار پرسی کو آئے۔ بیمار نے فرمایا۔ جنید! آگ ہو اسے بھڑاک اٹھتی ہے۔ حضرت جنید نے پوچھا۔ وہ کیسے؟ حضرت ستری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عَجْدُ مُلُولٍ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ (بیمار آدمی بیمار آدمی کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتا) حضرت جنید نے کہا حضور کوئی وصیت فرمائیں لَا تَسْغُلُ عَنْ صُحْبَةِ اللَّهِ بِصُحْبَةِ الْاَغْيَارِ (غیروں کی صحبت اللہ کی صحبت سے اچھی نہیں ہے) حضرت جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ اگر میں آج سے پہلے یہ بات معلوم کر لیتا۔ تو آپ کی صحبت سے بھی پرہیز کرتا۔"

○ حضرت ابو بکر کتانی بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ کے علم اور مجاہدہ تک کوئی بھی نہیں پہنچا۔ ان کے مجاہدات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ تیس سال تک کعبۃ اللہ کے پر نالہ کے نیچے بیٹھے رہے۔ اس مدت میں دن اور رات میں صرف ایک



بار وضو کرتے۔ یہ بڑی ریاضت کی بات ہے کہ ایک رات بھی نہیں سوئے بلکہ حقیقت یہ ہے ان کی نیند کبھی ذکر خداوندی میں محفل نہیں ہوتی۔ ایک دن باب نبی شیبہ سے ایک بوڑھے نے آکر شکایت کی۔ اور آکر کہا۔ ابو بکر آپ مقام ابراہیم کے پاس کیوں نہیں بیٹھ جاتے۔ وہاں لوگوں کا مجمع ہوتا ہے۔ اور درس حدیث رسول سننے کا موقع ملتا ہے۔ آپ بھی حدیث رسول سنا کریں ان دنوں وہاں ایک بزرگ تشریف لائے ہیں اعلیٰ احادیث بیان فرماتے ہیں سینکڑوں لوگ ان کی تقاریر لکھتے جاتے ہیں حضرت ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ نے سراٹھا کر کہا۔ یہ بزرگ کہاں سے تشریف لائے ہیں اور وہ کس کی روایت سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ کہا۔ عبدالرزاق۔ عبدالرحمن۔ معمر ازہری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بابا۔ جن حضرات سے یہ اسناد بیان کرتے ہیں۔ ہم تو ان سے براہ راست بات سن لیتے ہیں۔ پوچھا۔ کس سے سنتے ہو فرمایا حسد ثنی قلبی ذبی میرے اللہ نے میرے دل سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے، انہوں نے پوچھا اس کی دلیل کیا ہے۔ حضرت ابو بکر فرمانے لگے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ حضرت خضر ہیں حضرت خضر فرماتے ہیں۔ میں اب تک خیال کرتا تھا۔ کہ آج تک کائنات ارضی پر کوئی ایسا ولی نہیں ہے جسے میں نہ جانتا ہوں۔ لیکن جب میں نے ابو بکر کتانی کو دیکھا تو انہوں نے مجھے پہچان لیا۔ میں نے انہیں نہیں پہچانا۔“

○ ایک دفعہ استاد ابو علی دقاق۔ ابو علی شہونی کے پاس مرو میں آئے ہم ان دنوں مرو میں ہی قیام پذیر تھے۔ پیر شہونی رحمۃ اللہ علیہ حافظ بخاری تھے محدث تھے۔ ہم آپ سے ہی صحیح بخاری سنا کرتے تھے۔ آپ کو بھی ہماری دلی کیفیت کا علم تھا۔ آپ بخاری کی ایک ایک حدیث پر بڑی تفصیل سے گفتگو فرماتے استاد ابو علی رحمۃ اللہ علیہ اسی شہرت سے آئے اور آپ کے نزدیک آبیٹھے آپ نے پیر ابو علی کو فرمایا۔ مجھے اس مسئلہ پر وضاحت تو فرمائیں۔ آپ نے فرمایا حضرت ہم اس معاملہ میں زبان بستہ ہیں تفصیل سے بات کرنا



تو آپ کا ہی حق ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہم تو اپنی نیاز مندی پیش کرتے ہیں تاکہ آپ ہمارے لئے مزید اسرار و معانی بیان فرما سکیں۔ ہماری آتش شوق کا علاج آپ کا کلام ہوگا۔ استاد ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے بات مانتے ہوئے مجلس برپا کی۔ وہ منبر پر بیٹھے مگر بات کھل کر نہ کر سکے۔ غالباً حاضرین ان کے اسرار و معانی کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے اس اثنا میں حضرت شبوئی مسجد میں تشریف لائے۔ استاد ابو علی کی نگاہیں آپ پر پڑیں۔ تو گفتگو میں جان آگئی۔ دریائے معانی ٹھاٹھیں مارنے لگا حضرت شبوئی نے فرمایا۔ کلمات تو وہی تھے لیکن ہماری نیاز مندی نے بیان میں سوز پیدا کر دیا۔

○ "انکساری ہی انسان کو اللہ کے قریب لاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی نیاز مندی اور عاجزی سے بڑھ کر کوئی چیز پسند نہیں ہے۔ یہ انکساری سخت پتھر پر گرے تو وہاں سے چشمہ آب جاری ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ طریقت کا اصل و اصول تو یہی ہے انکساری ہی اللہ کی رحمت کی دلیل ہے۔"

○ "گرمیوں کی سخت دوپہر تھی۔ ہم لوگ قیلوہ کر رہے تھے۔ میں نے شیخ شبوئی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ اٹھے۔ پتیپاتی ہوئی دھوپ اور گرد و غبار میں باہر نکلے۔ میں نے آواز دی حضرت اس گمی میں کہاں جا رہے ہیں۔ فرمایا۔ میں خانقاہ میں جا رہا ہوں۔ میں نے سنا ہے۔ قیلوے کے وقت درویشوں کے ساتھ بیٹھنے والے کو ایک دن میں ایک سو بیس رحمتیں ملتی ہیں یہی وقت ہے۔ جب میں جا رہا ہوں۔"

○ "سری سعطی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے بازار میں بیٹھا کرتے۔ ایک دکان لے رکھی تھی اس دکان میں کوئی فروختنی چیز نہیں ہوتی تھی۔ بایں ہمہ دکان میں ایک پردہ پڑا رہتا۔ لوگوں کو خیال ہوتا۔ کہ اس پردے کے پیچھے مال تجارت پڑا ہوتا ہے۔ آپ پردے کے پیچھے چلے جاتے۔ اور نماز ادا کر لیتے۔ ایک بار ایک شخص جبل الکلام سے آپ کی زیارت کو آیا۔ آپ کی دکان پر آیا پردہ اٹھایا۔ اور آپ کو سلام عرض کیا۔ اور کہا کہ فلاں بزرگ شخص



نے جبل الکلام سے آپ کو سلام عرض کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ یہاں سے بھاگ کر پہاڑوں کی غاروں میں یاد خداوندی میں چلا گیا ہے یہ بزدلی ہے بہادری یہ ہے کہ بازار میں رہے۔ لوگوں کا ہجوم ہو اور یاد خداوندی سے غافل نہ ہو۔ ایک لمحہ بھی اس کی یاد سے خالی نہ ہو۔“

○ شیخ ابو العباس فرمایا کرتے تھے۔ جو مرید اپنے مرشد کے پاس ایک مجلس بیٹھے گا وہ سو رکعت نوافل سے زیادہ ثواب پائے گا۔ اگر کھانے کا ایک لقمہ کم کھایا جائے تو ساری رات کی عبادت سے بہتر ہوتا ہے۔“

○ ایک درویش دنیائے اسلام کا سفر کرتا رہا کہیں آرام سے نہ بیٹھا۔ کچھ نہ پایا۔ اس کا دل اچاٹ ہو گیا۔ ایک خاردار وادی میں تنہا جا بیٹھا۔ گڈڑی اوپر لی۔ اول دل آسودہ ہو گیا۔ آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔ یَا رَبُّ اَنْتَ قَضَى فِی الْکَسَاءِ وَاَنَا اَطْلَبُکَ فِی الْبَوَادِیِ مُدْکِذَا =

”اے اللہ تو اس گڈڑی میں میرے ساتھ ہے۔ میں تجھے وادیوں میں تلاش کرتا رہا ہوں۔ اور اتنے سال پھرتا رہا۔ مگر تو تو میرے پاس ہے۔“

○ ایک دن حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ باہر آئے۔ ایک بچے کو دیکھا جس نے سلام کیا۔ اور کہا۔ اَیْهَا الشَّیْخُ اِلٰی مَتٰی اِنْتَظَرُکَ۔ (یا حضرت میں کب تک آپ کا انتظار کرتا رہوں) حضرت جنید نے فرمایا۔ بیٹا! کیا تم نے مجھ سے وعدہ لیا ہوا تھا بچے نے کہا۔ ہَا سَاَلْتُ مَقْلَبَ الْقُلُوبِ اَنْ تُجِیْرَ قَلْبِکَ اِلَیَّ (میں نے اپنے اللہ مقلب القلوب سے کہا تھا۔ کہ وہ آپ کے دل کو میری طرف متوجہ کر دے) حضرت جنید نے کہا۔ تم نے صحیح کہا ہے۔ اب بتاؤ! کیا چاہتے ہو۔ بچے نے کہا مجھے یہ بتائیے۔ اِذَا خَالَفَتْ النَّفْسَ هَوَا حَا صَارَ دَوَا هَا (جب تم نفس کی خواہشات کی مخالفت کرو گے تو وہی تمہارا روحانی علاج بن جائے گا) حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے



فرمایا۔ یہ بیماریاں انسان کو مارے جا رہی ہیں۔ لیکن جب انسان خواہشات نفس کی مخالفت کرتا ہے۔ تو شفا یاب ہو جاتا ہے۔

○ حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ میں نے اتنے حج کئے جبکہ نہ میرے پاس کوئی سواری تھی نہ ساتھی۔ نہ زادراہ نہ ڈول۔ میں نے سوچا یہ تمام چیزیں نفاقی خواہشات ہیں لوگوں نے فرمایا یہ تو نہایت ضروری ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ایک بار میری والدہ نے کہا تھا۔ کہ کنویں سے ایک گھڑا پانی تو نکال دو۔ میں نکال لایا۔ مجھے اس دن بھی محسوس ہوا۔ کہ یہ کام بھی ہم نفاقی خواہش سے کر رہے ہیں۔

○ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اگر تمہیں کوئی شخص یہ کہے کہ آپ کتنے اچھے ہیں۔ اگر یہ بات تمہیں اچھی لگے۔ تو سمجھ لینا ابھی تک تم بیس ارجل (بڑے انسان) ہو۔

○ ایک دن ایک جولاہہ وزارت کے منصب پر پہنچ گیا۔ وہ ہر روز صبح صبح اٹھا۔ ایک چابی لیتا۔ اپنے پرانے گھر کا دروازہ کھولتا۔ چند لمحے وہاں ٹھہرتا۔ اور پھر باہر آ کر تالا لگا دیتا۔ اور اپنے بادشاہ کی خدمت میں چلا جاتا۔ لوگوں نے بادشاہ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ اور کہا یہ حرکت بادشاہ کے خلاف ہو سکتی ہے۔ بادشاہ کو بھی خیال آیا۔ کہ اس مکان میں کوئی نہ کوئی چیز ضرور ہے۔ ایک دن وزیر کے پیچھے پیچھے اس مکان پر پہنچا۔ اس مکان کے اندر ایک گڑھا جس طرح جولاہوں کی کھڑی کا ہوتا ہے۔ دیکھا۔ وزیر کو دیکھا کہ اس میں پاؤں ٹسکا کر بیٹھا ہوا ہے۔ بادشاہ نے اسے کہا۔ یہ کیا ہے؟ وزیر نے بتایا۔ حضور یہ تمام دولت اور شان و شوکت تو آپ کی وجہ سے ہے۔ میں جو کچھ ہوں اس کی اصلیت تو یہ ہے۔ میں اس کی یاد کو تازہ رکھتا ہوں تاکہ مغور نہ ہو جاؤں۔ بادشاہ نے اپنی انگوٹھی اتار کر وزیر کو دے دی اور اسے پہننے کا حکم دیا۔ اب تک تم وزیر تھے آج سے تم امیر ہو۔ اور اس ملک پر تمہارا سکہ اور حکم چلے گا۔

○ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا۔ کہ شیر پر سواری کرتے اور سانپ کا حاکم بناتے۔ اور فرماتے اس سے بلند تر رتبہ مخلوق خدا کا ہے جب نماز ادا کرتے۔ فرماتے



الہی بَسِ تَرَکْ عُنْشِنَا فَلَوْ رَفَعْتَ عُنَّا عَطَاکَ لَا فَتَضْحَاکَ

○ ایک دن حضرت ابو علی قدس سرہ مجلس فرما رہے تھے۔ آپ کا بیان عروج پر تھا۔ لوگ داد و تحسین دے رہے تھے۔ ایک شخص مجمع سے اٹھا اور کہنے لگا۔ حضرت یہ تو سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ مگر خدا کہاں ہے۔ فرمایا۔ مجھے بھی پتہ نہیں اور میں اسی لئے فریاد کر رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا۔ جب آپ بھی نہیں جانتے تو نہ کہو۔ فرمایا۔ پھر میں کیا کہوں؟

○ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے پوچھا۔ حضرت آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص سفر میں جاتا ہے۔ اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ کس طرح ہے۔ حالانکہ مقصود تو بغیر سفر کے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کائنات ارضی کے خطے اللہ کے سامنے دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمارے سینوں پر کسی مردِ مومن کے قدم لا۔ ہماری آنکھیں اپنے کسی بندے کی آمد سے منور فرما۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سفر پر آمادہ فرماتا ہے۔ تاکہ اپنی زمینوں کی دیدار کی پیاس بجھ جائے۔ اور ان کی خواہش پوری ہو جائے۔

○ شہر مرو میں ایک دانشمند رہتا تھا۔ وہ گھر سے باہر نہ آتا اتفاقاً ایک دن باہر نکلا۔ اور مسجد میں آ بیٹھا۔ کسی نے دیکھا تو کھانا پیش کیا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا۔ تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کیا۔ کھا چکا۔ تو ایک کتا اندر آ گیا۔ اس نے حملہ کر کے اس کا دامن گھیننا شروع کر دیا۔ دانشمند نے کتے کو مخاطب کر کے کہا۔ تم ٹھیک کر رہے ہو۔ تم کسی کے بھیجے ہوئے ہو۔ جو میری کوتاہی اور غلطی پر یہ کام کر رہے ہو۔ لیکن دوسرے لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہیں۔ وہ تمہیں ایسا کرتا دیکھ لیں گے تو ماریں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد موذن آیا۔ ایک بڑی سی لاٹھی اٹھائے۔ کتے پر ٹوٹ پڑا۔ اور ایک زور سے ماری کتا۔ چلایا۔ اور بھاگا۔ دانشمند نے کتے کو کہا تم نے دیکھا۔ میں نے تجھے کہا تھا۔ مجھے تو کوئی انکار نہیں مگر دوسروں کو کیا علم وہ تجھے کس طرح معاف کریں گے۔ دوست کو دوست سے کوئی چیز جدا نہیں مگر بے گانوں کو کیا علم۔



○ سمرقند میں ایک عالم دین نے ایک بوڑھے آدمی کو فرمایا کہ مجھے اپنے تجربہ سے ایک بات لکھ دو۔ بوڑھے نے کہا۔ تیس سال ہو گئے ہیں۔ میں ایک ہی بات پر رکا ہوا ہوں۔ ذَنَبِي النَّفْسِ عَنِ الْهَوَىٰ ابھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔“

○ ”قیامت کے دن ابلیس کو پکڑ کر دربارِ خداوندی میں پیش کیا جائے گا۔ اور اسے پوچھا جائے گا۔ کہ تم نے اتنی مخلوق کو گمراہ کر دیا تھا۔ اس نے کہا۔ نہیں میں نے تو انہیں صرف دعوت دی تھی۔ یہ خود برائیوں میں مبتلا ہوتے رہے۔ حکم ہوا آج بھی حضرت آدم کو سجدہ کر لو۔ اس حکم پر تمام شیطانوں نے کہا۔ سجدہ کر لو۔ ہم بھی بری ہو جائیں گے شیطان نے کہا۔ اگر میں سجدہ کر سکتا۔ تو پہلے دن ہی کر لیتا۔“

○ ”ایک دن ہم حضرت ابو بکر جو زنی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے کہا۔ کوئی بات سنائیں انہوں نے ایک کتاب کھولی اور ہمیں یہ حکایت سنائی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ڈولشکر ہیں۔ ایک آسمانوں پر وہ سبز لباس پہنتے ہیں۔ دوسرا زمین پر خراسان میں صوفیا کی شکل میں تربیت پا رہے ہیں جو تمام دنیا پر پھیل کر اسلامی تعلیمات کو عام کریں گے۔“

○ ایک دفعہ ہمارے عزیز درگاہ کا خوبصورت بیٹا جس کا نام احمدک تھا۔ لوگ اُسے معشوق احمدک کہا کرتے۔ وہ عام طور پر اپنے بیٹے کی باتیں کرتا رہتا۔ لوگ اس کی باتیں سنتے سنتے تنگ آ گئے۔ اب لوگوں نے اس کے پاس آنا چھوڑ دیا وہ بازار چلا جاتا جہاں مزدور لوگ مزدوری کے انتظار میں کھڑے ہوتے۔ کسی ایک کے پاس جاتا۔ اور پوچھنا بھائی تم ایک دن کی کیا مزدوری لو گے۔ وہ کہتا تین درہم اُسے گھر لے آتا۔ اپنے پاس بٹھاتا۔ کھانا کھلاتا۔ تین درہم پیشگی ادا کرتا معشوق احمدک کی باتیں بتانا شروع کرتے وہ باتیں کرتا رہتا۔ مگر مزدور کہتا حضور کوئی کام ہو تو مجھے حکم دین میں اپنا کام شروع کروں دن گزرتا جا رہا ہے وہ کہتا۔ تمہارا کام صرف یہی ہے اور بس!“



○ "ہمارے گاؤں میں ایک شخص رہتا تھا جس کے پاس ایک گھوڑا تھا۔ ایک آدمی نے اس کا گھوڑا مار دیا۔ اس نے کہا۔ آپ مجھ سے گھوڑے کا ہرجانہ اور تادان لے لیں۔ اس نے کہا مجھے تادان کی ضرورت نہیں میں تو اپنا گھوڑا ہی لینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس بات پر لڑائی اور جھگڑا شروع ہو گیا ادھر ادھر سے لوگ جمع ہو گئے یہ جھگڑا دونوں قبیلوں میں ایک لڑائی کی صورت اختیار کر گیا۔ کئی آدمی قتل ہو گئے۔ عورتیں بویہ ہو گئیں بچے یتیم ہو گئے۔ گھر ویران ہو گئے۔ یہ سارا معاملہ ایک شخص کی ضد سے ہوا۔"

○ "مجمود کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا حضور آپ کیسے ہیں فرمایا۔ خاموش! یہاں کسی کی بادشاہی اور سلطانی نہیں مجھے بھی عام آدمیوں کی طرح باز پرس ہو رہی ہے۔ ہماری بادشاہی تو ایک غلطی تھی یہاں مجھے کھڑا کیا ہوا ہے۔ ایک ایک بات کا پوچھا جا رہا ہے۔ بیت المال تو کسی دوسرے کے قبضہ میں ہے مگر باز پرس مجھے ہو رہی ہے۔"

○ "حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک درخت پر اعتماد کیا۔ اور کہا اے اللہ اس درخت کو حکم دے۔ تاکہ یہ میری حفاظت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تم درخت پر اعتماد کرتے ہو، اور اس میں حفاظت تلاش کرتے ہو۔ اب اس سلسلہ میں حالات کو دیکھو آپ درخت کی طرف بڑھے۔ درخت پھٹ گیا۔ آپ اندر چلے گئے۔ درخت پھر جڑ گیا۔ مگر آپ کی چادر کا ایک حصہ باہر رہ گیا۔ مخالف دہاں پہنچے چادر کا ایک حصہ باہر دیکھا۔ معلوم کر لیا کہ آپ درخت کے اندر ہیں آ رہے لائے۔ اور درخت کو چیر دیا۔ آ رہے حضرت زکریا علیہ السلام کے دماغ تک پہنچا تھا تو آپ نے آہ کی۔ آواز آئی خاموش تم نے درخت پر اعتماد کیا اس میں پناہ لی۔ اب آہ نہ کرو۔ اگر ہم پر اعتماد کرتے ہماری پناہ میں آتے تو کوئی بال بیگانہ کر سکتا۔"

○ "ایک شخص نے دوسرے کو کہا۔ آؤ تمہیں اپنا ہمان بنا لوں اس نے کہا بہت

اچھا۔ اس نے کہا اگر گانا سنا چاہو تو کسی خوش آواز کو بلا لاؤں۔ اس نے کہا مجھے پہلے تھوڑا سی شراب تو لا دو۔ اس نے ایک پیالے میں شراب دی اس نے پی لی نشے میں جھوم



اٹھا۔ اپنے میزبان کو کہنے لگا۔ اگر یہ شراب مزید چند پیالے دو تو مجھے کانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔  
میں اپنے کانوں سے ہزاروں کو محفوظ کرتا رہوں گا۔ شراب پیتے ہی میرے ساتوں اعضاء گردش  
کرنے لگے ہیں مجھے کانوں کی آواز آنے لگی ہے۔

○ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں ہوا میں تھیں **وَلَسَلِيمَانَ السَّرِيحِ** انہوں  
نے سلطنت مانگی انہیں چالیس سال حکومت دی گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام دوسرے پیغمبروں سے  
چالیس سال بعد جنت میں داخل ہوں گے۔

○ **ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ** آہنگری کرتے تھے۔ لوہے پر ہتھوڑا مارتے اور شاگردوں  
کو بھی کہتے ہتھوڑا مارو۔ وہ مارتے تو کہتے ٹھیک ہے۔ پھر کہتے مارو۔ مارتے تو کہتے ٹھیک ہے  
پھر کہتے تو مارتے۔ شاگرد تنگ آ کر کہتے حضرت اب تو مارنے کی کوئی جگہ نہیں اب کہاں ماریں۔  
حضرت نے سنا۔ تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ نعرہ مارا۔ ہتھوڑا زمین پر گر پڑا۔ ہوش آیا۔ تو سارا مال د  
سنا اور دکان لٹادی۔ فرمایا لوہا ٹھیک ہو جاتا ہے۔ حضرت انسان کیوں ٹھیک نہیں ہوتا۔ ایک  
دقت آیا کہ کا ملان خد سے ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

○ لوگوں نے حضرت امیر المومنین حضرت عبد بن اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کی خواہش  
کیا ہے۔ فرمایا۔ میرا لے کاشکے مادر زادے۔ کاش میں پیدا نہ ہوتا۔ لوگوں نے فرمایا حضرت  
جو پیدا نہیں ہوا۔ کس کام کا ہوگا؟ حضرت شیخ ابو سعید فرماتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں بلکہ مطلب  
یہ ہے کہ کاش ہم اس طرح زندہ رہتے تو جب مرتے تو یوں معوم ہوتا۔ کہ ہم پیدا ہی نہیں ہوئے۔  
اور کوئی گناہ نہیں کیا۔ دنیا کی آلائشوں سے پاک رہے۔ حضرت پیر ابو الحسن فرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا

کرتے تھے صوفی وہ ہے جو پیدا ہی نہیں ہوا۔ ان کا مطلب یہی تھا۔

○ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کو کہا۔ کہ میرے ہاتھ پر ایک  
یہودی نے اسلام قبول کیا۔ تو میں نے اسے کہا۔ اپنا زنا رکھا دو۔ اس نے زنا رکھا دیا۔  
حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ تمہارے کہنے پر یہودی نے زنا رکھا دیا۔ لیکن تم نے اپنا زنا رکھا بھی تک



نہیں کاٹا۔“

○ ”ایک دن حضرت شیخ ابوسعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ مجلس وعظ میں بیٹھے تھے اور حضرت امام ابوالقاسم قشیری کی طرف مخاطب تھے کیا آپ نے نہیں سنا کہ استاد ابواسحاق اسفرائینی نے فرمایا تھا۔ النَّاسُ كَلِيمٌ فِي التَّوْحِيدِ عِيَالٌ عَلَى الصُّوفِيَّةِ کہا وہاں میں نے سنا ہے حضرت نے فرمایا۔ اب ان سے سنو وہ کیا کہتے ہیں؟“

○ ”میں ایک بار حضرت عبدالرحمن سلمیٰ کے پاس گیا۔ میں نے انہیں دیکھا تو فرمانے لگے میں اپنے ہاتھ سے تمہارا تذکرہ لکھ رہا ہوں۔ میں نے عرض کی ضرور لکھیں۔ لکھا۔ سَمِعْتُ جَدِّي - ”أَبَا عَمْرٍو وَبَنِ جَعِيدِ السَّلْمِيِّ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ جَعِيدَ بْنِ مُحَمَّدِ الْبَغْدَادِيِّ يَقُولُ التَّصَوُّفُ هُوَ الْخَلْقُ - مَنْ زَادَ عَلَيْكَ بِاتِّصَافٍ وَأَخْسَ مَا قِيلَ فِي تَفْسِيرِ الْخَلْقِ تَأْتَلَهُ الشَّيْخُ الْإِمَامُ أَبُو سَهْلٍ الصَّعْلَوِيُّ الْخَلْقُ هُوَ الْإِعْرَاضُ عَنِ الْإِعْتِرَاضِ“

○ ”ایک بزرگ کشتی میں سفر کر رہے تھے کہ ان کا زادراہ ختم ہو گیا صرف ایک خشک روٹی باقی رہ گئی۔ منہ میں ڈالی۔ مگر دانتوں سے چبائی نہ گئی۔ ہاتھ سے توڑی، دریا میں پھینک دی ایک موج آئی۔ بہا کر لے گئی۔ موجوں نے روٹی سے پوچھا تم کیا ہو۔ اس نے کہا۔ میں ایک خشک روٹی ہوں اگر تر نوالہ ہوتی تو مجھے اس طرح کوئی نہ پھینکتا۔“

مرو میں ایک مالدار شخص کے دل میں آیا کہ وہ اپنا روپیہ کاروبار تجارت میں لگا دے تجارت کا مال کشتی میں رکھا اور سفر تجارت میں نکلا۔ کشتی ٹوٹ گئی۔ سارا مال پانی میں ڈوب گیا۔ تمام لوگ ہلاک ہو گئے صرف ایک تختہ پانی پر تیرتا نظر آیا جس پر وہ بیٹھا تھا ایک جزیرے پر جا لگا۔ ایک دن وہ سمندر کے کنارے بیٹھا نکلا۔ بال بکھرے ہوئے اور تن کارواں رداں درد کر رہا تھا اور یہ بیت پڑھ رہا تھا۔

إِذَا شَابَ الْغُرَابُ أَتَيْتَ أَهْلِي - وَهَيْمَاتِ الْغُرَابِ كَتَى بِشَيْبِ



سمندر سے آواز آئی۔

عَنِ الْكَرْبِ الَّذِي أَمِيتَ فِيهِ يَكُونُ وِرَاةً فَارْجُ قَرِيبٌ

دلے بندے۔ بایوس نہ ہو۔ تمہیں کیا پتہ کہ جن حالات میں گزر رہے ہو راحت اور

خوشی سے تبدیل ہو جائیں)

دوسرے دن اس شخص نے دیکھا کہ سمندر میں کوئی بہت بڑی چیز تیر رہی ہے قریب

آئی تو دیکھا کہ اسی کی کشتی آ رہی ہے۔ اسے دیکھا تو کشتی والے پوچھنے لگے۔ تم کس حال

میں ہو۔ اس نے کہا میرا واقع بہت عجیب و غریب ہے اور داستان بہت دردناک

اور مینی ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کس شہر کے آدمی ہو۔ کیا تمہارا کوئی بیٹا یا اولاد ہے

اس نے بتایا۔ میرا ایک چھوٹا سا لڑکا تھا۔ یہ سنتے ہی نہایت احترام سے کہنے لگے۔ یہ تمہارا

لڑکا ہے۔ یہ ساری کشتی اسی کی ہے۔ ہم تمام اس کے کارندے ہیں۔ ان کشتی والوں نے

اسے کپڑے پہنائے۔ اُسے کشتی پر بیٹھا کر واپس وطن لے گئے۔ حضرت شیخ ابوالخیر

فرماتے ہیں۔

کارچوں بستہ تو دیکھنا پیدا      و تالیس ہر غم طرب افزا پیدا

(جب کوئی کام رک جائے تو اللہ تعالیٰ اسے آسان بھی کر دیتا ہے۔ ہر غم کے

بعد خوشی کا ایک وقت بھی آتا ہے)

○ "میں ایک دن بیٹھا تھا۔ اور مجلس گرم تھی ایک شاعر اٹھا اور اٹھ کر

یہ شعر پڑھا۔

ہمی چہ خوابد این گردش ز من ز منا!

میں نے کہا بیٹھ جاؤ۔ اٹھتے ہی تم نے اپنی بات شروع کر دی ہے مزہ کر کرا ہو

گیا۔ کاش اس کی بات کرتا۔"

○ ایک بار ابو حامد دوستانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک دوست کے ساتھ جا



رہے تھے رستے میں ایک مقام پر پہنچے تو دوست نے کہا۔ آپ یہاں ٹھہریئے میرا یہاں ایک دوست ہے میں اسے مل آؤں۔ ابو حامد وہاں ہی ٹھہر گئے ساری رات گذر گئی وہ واپس نہ آیا رات بھر برف پڑتی رہی۔ مگر آپ وہیں پڑے رہے۔ دوست دوسرے دن آیا تو آپ کو وہاں ہی کھڑے پایا۔ برف میں مجھے پڑے ہیں۔ اور تھوڑی سی حرکت سے برف ہلی تو آپ نظر آئے۔ پوچھا۔ آپ ابھی تک یہاں ہی ہیں۔ فرمایا۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ یہاں ٹھہریئے میں آتا ہوں۔ دوستوں کی وفاداری تو اسی کا نام ہے۔“

○ ایک دفعہ روم کے بادشاہ نے امیر المومنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ

عنه کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔ مدینہ منورہ پہنچا تو لوگوں سے آپ کے معاملات کا پوچھا مگر آپ ایک کچے مکان میں رہتے تھے۔ دل میں کہنے لگا یہ کیسا بادشاہ ہے جس کے پاس مجھے بھیجا گیا ہے۔ گھر گیا لوگوں نے بتایا وہ تو قبرستان میں گئے ہیں۔ آپ کے چھپے گیا۔ دیکھا آپ قبرستان میں ریت پر لیٹے ہوئے ہیں اور سوتے ہوئے ہیں قاصد نے کہا۔ واقعی حکومت اس چیز کا نام ہے بے خوف و خطر بیٹھے ہیں۔ ہمارے بادشاہ حکومت کرتے ہیں۔ مگر انصاف نہیں کرتے۔ اور دروازے پر سپرہ دار کھڑا کرتے ہیں۔ اور سوتے بھی ڈرتے ہیں۔“

○ "میں جن دنوں مرو میں تھے۔ وہاں ایک بوڑھی عورت تھی جسے بی بی سیاری کہا کرتے تھے۔ ایک دن ہمارے پاس آئی اور کہنے لگی۔ بابا سعید! ظلم کر رہے ہو۔ ہم نے پوچھا۔ کس طرح؟ کہا لوگ دعا کرتے ہیں کہ آپ انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ کریں۔ ہم نے کہا بی بی ہمیں تیس سال گزر گئے یہ کہتے ہوئے کہ صرف ایک لمحہ کے لئے دیکھنے کا موقعہ دیں۔ ابھی تک یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔“

○ ایک دفعہ ایک شخص حضرت یحییٰ بن عاذ الرازی قدس العزیز کی مجلس کے نزدیک سے گزرا آپ اس وقت دغظ فرما رہے تھے۔ اس نے کہا مَا أَطْرَفَكَ بِالطَّرِيقِ وَمَا أَجْهَلَكَ بِسَرِّ الطَّرِيقِ (آپ نے طریقت کا راستہ کتنا اچھا پایا ہے۔ مگر صاحبِ طریقیت



سے کتنے دور ہوں

○ لوگوں نے ایک دفعہ ابوالفضل حسن قدس سرہ کو کہا حضرت دعا فرمائیے تاکہ بارش

ہو جائے۔ ایک عرصہ سے بارش نہیں ہوئی آپ نے فرمایا۔ اسی رات برف باری ہوئی۔ صبح  
لوگوں نے کہا۔ آپ نے یہ کیا کیا۔ فرمایا۔ میں ٹھنڈا تھا دنیا کو ٹھنڈا کر دیا۔

○ ایک بار لوگوں نے پیر ابوالفضل حسن کو کہا۔ حضور یہ محمود بادشاہ ہے۔ اس کے لئے

دعا فرمائیے کہ ٹھیک ہو جائے۔ چند لمحوں کے لئے خاموش رہے۔ فرمایا۔ میں بہت چھوٹا ہوں آپ  
لوگ خود ہی اسے دیکھ لیں گے۔“

○ ”لوگوں نے ابو حمزہ نوری کو دیکھا لمبے لمبے بال پھیلائے ہوئے۔ کپڑے پھٹے ہوئے

ایک نے کہا۔ کہ یہ ظاہری پریشانی باطنی پریشانی کی علامت ہے۔ فرمایا خاشا وکلا وان اللہ تعالیٰ  
ساکن الا سرار فحملہا و باین الابدان فاهمکھا...“

○ ”حضرت ابوالحسن نوری قدس سرہ فرمایا کرتے تھے۔

اهل المصرفته عرفوا القليل من القليل لا فہم عرفوا

الدلیل والبتیل والحق وراء ذابک“

حضرت ابو یعقوب نہر جوڑی ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ باین ہمہ عبادت اور

زیارت سے ایک لمحہ بھی غافل نہ رہتے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اظہارِ مسرت نہ فرماتے۔ اللہ کے  
سامنے دعا کرتے تو گڑا گڑاتے اور روتے۔ ایک دن آواز آئی۔ یعقوب ہم جانتے ہیں تم ہلکے

در دند بندے ہو۔“

○ ایک درویش حضرت شبلی قدس سرہ کے پاس حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت کوئی اللہ کے

راستہ میں بھی سو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص نفلِ اخلاص میں سو جائے۔ تو اس کی نیند

ہی صدر منزل ہوتی ہے۔ اس پر حضرت شیخ ابوسعید نے فرمایا۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی بات حضور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ہے نوم العالم عبادة حضرت دین کی نیند بھی عبادت ہے۔“



○ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی آئی کہ آپ بنی اسرائیل کو کہو کہ تم میں سے جو کوئی بہترین شخص ہو اس کا انتخاب کریں۔ چنانچہ ایک ہزار لوگوں کو منتخب کر لیا گیا۔ پھر حکم آیا کہ اب ان میں سے صرف دس آدمی منتخب کئے جائیں۔ دس کا انتخاب ہو گیا تو پھر حکم ہوا اب ان آدمیوں میں سے صرف ایک آدمی منتخب کیا جائے۔ جب ایک آدمی منتخب کر لیا گیا پھر وحی آئی اب اس شخص کو کہیں کہ بنی اسرائیل کا بدترین شخص چنے۔ اس نے چار دن کی مہلت مانگی سارا شہر پھان مارا۔ چوتھے دن اس نے ایک آدمی کو دیکھا۔ جو کئی قسم کے جرائم اور ناشائستہ حرکات سے مزین تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اسے لے جائے۔ مگر اس کے دل میں خیال آیا کہ محض ظاہری بدنامی سے کسی کو بڑا کہنا اچھا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اندر سے اس کا کام درست ہو لوگوں کے کہنے پر اسے اس قدر ذلیل نہیں کرنا چاہیے۔ پھر لوگوں نے ہی مجھے بہترین انسان تصور کیا ہے۔ اس پر مجھے فخر نہیں کرنا چاہیے۔ میں جو کچھ کرتا ہوں محض گمان اور خیال سے کرتا ہوں۔ اس لئے کوئی بات حتمی نہیں کہی جاسکتی۔ چنانچہ اس نے اپنے گلے میں گڑھی ڈال لی اور مجرم کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا حضور میں نے غور اور تحقیق سے دیکھا ہے مجھے تمام بنی اسرائیل میں سے اپنی ذات سے بڑا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ وحی آئی۔ فرمایا۔ اے میرے نبی۔ اس شخص سے بہترین شخص اور کوئی نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی عبادت سب سے زیادہ ہے۔ مگر اس شخص نے اپنے آپ کو بدترین انسان جانا۔

○ حضرت ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ روشن دان سے سورج

کی دھوپ کی کرنیں اندر آتی ہیں تو ان میں ذرے اڑتے دکھائی دیتے ہیں ہوا کی وجہ سے یہ ذرے رقص کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کیا ان ذروں سے تمہیں کبھی ڈر آیا۔ لوگوں نے کہا کبھی نہیں! آپ نے فرمایا۔ یہ سارا جہاں مرد کامل کی نظروں میں ایسے ذرے کے برابر ہے۔ اور ہوا اس ذرے کو حرکت میں رکھتی ہے۔“

○ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے لَا يَكُونُ الصَّوْفِيُّ صَوْفِيًّا



حَتَّىٰ يَكُونُ الْخَلْقَ كُلِّمًا عِيَالًا عَلَيْهِ طر ایک صوفی اس وقت تک صوفی نہیں بن سکتا۔  
جب تک تمام مخلوق اس کے سامنے ایسی نہ ہو کہ وہ اس کے اہل و عیال ہیں، یعنی انہیں نگاہ شفقت  
سے دیکھے۔ اور ان کے بوجھ اور کام کو سرانجام دینا اپنا فرض خیال کرے۔“

.. ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اَلْخَلْقُ قَوَالِبٌ وَاشْبَاحُ تَجَدِّي

عَلَيْهَا أَحْكَامُ اللَّهِ رَهْ - (مخلوق قالب اور شاخیں) ہیں جن پر احکام تبادلات نازل

ہوتے رہتے ہیں۔“

ایک بار لوگوں نے حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا:

**حکایت :-** ایک پیر کا کوئی نہ کوئی مرشد ہوتا ہے۔ آپ کا مرشد کون ہے؟ بزرگوں نے

جواب دہ کر کے اپنی گردنوں کو باریک کر لیا ہے۔ لیکن آپ کی گردن قمیض میں نہیں آتی۔ پیروں

نے حج کئے ہیں کعبۃ اللہ کی زیارت کی ہے۔ مگر آپ نے حج بھی نہیں کیا۔ اس کا سبب کیا ہے؟

حضرت نے فرمایا۔ تم یہ پوچھ رہے ہو کہ ہر پیر کا کوئی نہ کوئی مرشد ہوتا ہے۔ میں پوچھتا

ہوں تمہارا مرشد کون ہے۔ تم پوچھتے ہو کہ بزرگوں نے ریاضت سے اپنی گردنوں کو باریک کر لیا ہے

اور میری گردن بہت موٹی ہے۔ میں تو حیران ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے جتنا مجھے

وازا ہے۔ اس سے میری گردن زمین و آسمان میں کیسے سماتی ہے؟ کعبۃ اللہ کی زیارت کے بارے

میں میرا موقف یہ ہے کہ لوگ بیت المعمور اور بیت الحرام کی زیارت کے لئے سینکڑوں میلوں کا سفر

کرتے ہیں مگر میرے نزدیک مردحت وہ ہے۔ جو یہاں بیٹھے خانہ کعبہ کی زیارت کرے اور خانہ کعبہ اس

کے سر کے ارد گرد طواف کرتا نظر آئے۔ اس شخص نے سراٹھایا۔ تو خانہ کعبہ واقعی طواف کر رہا تھا

بلکہ مجلس کے تمام حاضرین نے اسے دیکھا۔“

ایک دن حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپور میں کسی کی تعزیت کے لئے

**حکایت :-** جارہے تھے۔ شیخ کے آگے آگے بعض لوگ راستہ دکھاتے جارہے تھے۔

وہ پیچھے پہنچ کر حضرت شیخ کی تعریف و کرامت بیان کرنا چاہتے تھے۔ حضرت شیخ نے ایک نگاہ



دیکھا تو رک گئے اور کچھ زبان سے نہ کہہ سکے حضرت کے مریدوں سے پوچھا کہ حضرت کا کیا لقب ہے۔ تاکہ ہم اس لقب سے لوگوں کو ہٹاتے جائیں۔ آپ نے سن کر فرمایا۔ لوگوں کو کہو ایک ناچیز مسکین کے لئے راستہ خالی کر دو۔ یہ لوگ ایسے ہی آواز لگاتے گئے۔ تمام بزرگ سن رہے تھے۔ حضرت شیخ آرہے تھے سب پر ایک کیفیت طاری ہو گئی وہ روتے جاتے اور یہ لوگ آواز لگاتے جاتے۔

ایک بار حضرت شیخ ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ جا رو بکش راستہ صاف **حکایت :-** کر رہے تھے۔ ساری نجاست بلچوں سے باہر نکال رہے تھے۔ صوفی وہاں سے گزرے اور اپنے اپنے کو بچا کر گزرنے لگے اور دوڑ دوڑ کر گزرتے جاتے حضرت شیخ نے ان سب کو بلایا۔ اور کہا۔ یہ نجاست بزبان حال کچھ کہہ رہی ہے۔ یہ کہہ رہی ہے۔ میں وہی طعام ہوں جس کی طیاری میں تم نے اتنا روپیہ صرف کیا۔ طرح طرح کے طریقہ سے تیار کیا۔ کئی قسم کی خوشبوئیں اور مسالے ڈالے تھے۔ میں نے ایک رات تمہارے پیٹ میں گزاری۔ تمہارے ہم رنگ اور ہم جان رہا۔ اب مجھ سے بھاگ رہے ہو۔ حالانکہ مجھے آپ لوگوں سے بھاگنا چاہیے حضرت کے یہ کلمات سن کر سائے مجمع پر رقت طاری ہو گئی۔

میںہ میں حسن کو دب حضرت شیخ کی خدمت میں چراغ لے کر آئے اور رکھ کر **حکایت :-** چلے گئے۔ حضرت نے حسن کو بلایا۔ کیا بات ہے کہ آج اس چراغ کی روکشنی ویسی نہیں جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ حسن نے عرض کی حضرت مجھے تو معلوم نہیں حضرت شیخ ابوسعید الخیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ذرا جستجو تو کرو جب تحقیق کی۔ پتہ چلا۔ جس لکڑی سے چراغ کو تیز کیا جاتا ہے۔ وہ چراغ میں پڑی ہوئی ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ حسن اس چراغ کو مبارک سے اٹھا لو۔ حسن نے چراغ اٹھا لیا۔

○ "طلحہ بن یوسف العطار قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک حرسہ تک حضرت

حید قدس سرہ کی خدمت میں رہا۔ واپس آنے لگا تو مجھے فرمانے لگے۔ جب تم بغداد



میں جاؤ گے۔ تو لوگ پوچھیں گے۔ کہ تم نے اتنا عرصہ کیا دیکھا۔ اور کیا فائدہ حاصل کیا۔ تو تم کیسے  
جواب دو گے تم کہنا۔ میں نے ایک چہرہ دیکھا۔ ایک داڑھی والہ چہرہ دیکھا! میں نے کہا حضرت  
جو آپ فرمائیں حضرت شیخ نے کہا۔ اگر کوئی عربی جاننے والا ملے تو اسے کہنا!

قالوا خراسان اخرجت رشا      ليس لذي جنس اهل ثانی ،  
فقلت لا تنكرو محاسنة      فمطلع الشمن من خراسان

جو عربی نہ جانتا ہو۔ اُسے یہ شعر سنانا۔

سبزی بہشت و نو بہار از تو بر بند      آنی کہ بخشد یاد گار از تو بر بند  
در چنستان نقش و نگار از تو بر بند      ایران ہمہ فال روزگار از تو بر بند

خواجه ابوالفتح قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جن دنوں حضرت شیخ قدس سرہ تیشاپور  
حکایت :- میں تھے۔ ایک دن آپ بشتقال جا رہے۔ خواجه علی طرطوسی بھی حضرت کے  
ساتھ تھے۔ حضرت شیخ نے راستے میں کہا۔ اللہم اجعلنی من اقلین بشتقال پیچھے  
خواجه علی قدس سرہ نے حضرت شیخ سے پوچھا کہ حضرت اس سفر میں آپ کی زبان پر بہت دفعہ  
یہ الفاظ بہت دفعہ آئے ہیں حضرت شیخ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قلیل من عبادی  
الشکور۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم اس قوم سے ہوں۔ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا  
کرتی ہے۔

خواجه ابوالفتح فرماتے ہیں کہ ایک دن قوال حضرت کی خدمت میں یہ اشعار  
حکایت :- پڑھ رہے تھے۔

اندر غزل خویش ہنایں خواہم گشتن      تا بر لب تو بوسہ دہم چونش بخوابی  
حضرت شیخ نے قوال سے پوچھا کہ یہ کس کا شعر ہے۔ اس نے بتایا حضور یہ عمارہ نے کہا تھا  
حضرت شیخ اسی وقت اٹھے اور صوفیہ کو لے کر عمارہ کی قبر کی زیارت کو چلے گئے۔

حکایت :- خواجه ابو بکر بودب راوی ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ



خلیب کوئی سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ تم سن رہے ہو۔ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ نہیں یا حضرت! حضرت نے فرمایا ہم کہہ رہے تھے۔

العجز مخیرون التواني في الامر اذا امکن والمجد في طلبه اذا فات  
ادھر حضرت شیخ نے یہ الفاظ کہے تو ال نے یہ شعر پڑھا۔

ه دَلَّا تَسْتَفِي سِرًا اِذَا امْكُنَ الْجَهْرُ۔

جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں تھے کسی شخص نے پانی کا ایک کوزہ پیش کیا۔  
**حکایت :-** اور کہا حضرت اس پانی کو دم کر دیں تاکہ ہم لوگ بیماریوں سے محفوظ رہ سکیں  
حضرت شیخ نے دم کر دیا۔ مگر اس سے پانی لے کر خود پی لیا۔ اس شخص نے عرض کی یا حضرت آپ نے خود ہی دم کیا اور خود ہی پی لیا۔ آپ نے فرمایا۔ جو دم ہم نے کیا تھا۔ اسے ہمارے بغیر  
دوسرا آدمی ساری دنیا میں کوئی نہیں پی سکتا تھا۔ اب تم کل اور پانی لانا۔ تمہارے لئے  
دم کر دوں گا۔

حضرت شیخ جن دنوں نیشاپور میں تھے۔ تو ایک بار حمام میں گئے ایک رویش  
**حکایت :-** بھی آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ اور آپ کے بازو پر تیل کی مساس کر رہا  
تھا۔ وہ اسی دوران پچھے سے بڑے زور زور سے کل رہا تھا۔ اور ساتھ ہی حضرت سے باتیں  
بھی کرتا جاتا تھا۔ اس نے حضرت سے پوچھا یا حضرت جو انمرد کون ہوتا ہے، جو ایسا شوخ آدمی  
جس کی طرف منہ نہ کیا جاسکے۔ حاضرین مجلس آپ کے اس جواب سے بڑے محفوظ ہوئے۔

ایک شخص نے حضور کی خدمت میں گزارش کی۔ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں  
**حکایت :-** آپ نے یہ شعر پڑھا۔

وانے اے مردم داد ز عالم بر خاست

جرم ادکند و عذر مرا باید خواست

یاد رہے۔ کہ یہ شعر عام طور پر حضرت کی زبان پر رہتا تھا۔



○ حضرت نے ایک بار فرمایا۔ اللہ ان لوگوں کو خوش رکھے جنہوں نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت کی ہے کہ آپ مردے پر نماز جنازے کے وقت پانچ تکبیریں پڑھا کرتے تھے۔ چار تکبیریں مردے کے لئے اور ایک تکبیر تمام مخلوق پر۔  
 حضرت شیخ کی مجلس میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ لوگوں میں فقیر ہوں۔ مجھے کچھ دو حضرت نے فرمایا۔ یوں نہ کہا کرو۔ بلکہ کہا کرو۔ میں گداگر ہوں مجھے کچھ دو۔ فقیر تو اللہ کے رازوں کا امین ہوتا ہے۔ اُسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔

○ ایک دن حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ نیشاپورہ میں اپنی خانقاہ میں بیٹھے تھے۔ کہ ایک سید زادی آئی۔ اس سید زادی کے والدین لوگوں سے سوال کر رہے تھے۔ آپ نے اس سید زادی کو اپنے پاس بلایا اور پاس ہی بٹھا لیا۔ اور لوگوں کو کہا۔ لوگو۔ یہ بچی اس پیغمبر کی بیٹی ہے جس پر تم لوگ درود پڑھتے ہو۔ اور درود شریف پڑھتے وقت بلند آواز سے حضور کی خدمت میں صلاۃ و سلام پیش کرتے ہو۔ آج اپنے اس دعویٰ کی دلیل پیش کرو۔ اس کی اولاد سے نیکی کرو۔ اس کے بیٹوں کو ان کا حق دو۔ یہ کہتے ہی اپنا عمامہ اتارا اور سید زادی کے سر پر رکھ دیا۔ تمام لوگوں نے بھی ویسے ہی کہا۔ اور سید زادی مالا مال ہو کر گئی۔

○ خواجہ حسن مودب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں حضرت شیخ ابوسعید رحمہ اللہ نیشاپور میں تھے۔ تو شہر کے تمام بزرگ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ان میں شیخ ابو محمد جوینی اتاد امام ابوالقاسم قشیری۔ اتاد اسماعیل صابونی قدس سرہم

لے یاد رہے یہ کتاب آج سے نو سو سال قبل لکھی گئی تھی۔ لوگ اس وقت بھی بلند آواز سے درود و سلام پڑھا کرتے تھے۔ مگر آج کے معترضین اسے زمانہ حاضرہ کی بدعت کا نام لے کر لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں۔ مترجم



بھی ہوتے۔ وہ کسی نہ کسی مسئلہ پر شیخ سے بحث کر لیتے۔ ایک دن حضرت شیخ نے ایک بات کہی جس وقت ہزرگان شہر اور صوفیاء نیشاپور موجود تھے۔ باتوں کے دوران حضرت کی زبان پر یہ شہر آیا۔

یک دم زدن از حال تو غافل نیم اے دوست  
صاحب خبراں دارم آنجا کے تو ہستی

اے دوست تیرے احوال سے ایک دم بھی بے خبر نہیں ہوں۔ تم جہاں بھی ہوتے ہو مجھے خبر ہوتی ہے اس شعر کے بعد آپ نے حاضرین کو مخاطب فرمایا اور پوچھا کہ اس شعر کا مطلب قرآن میں کہیں آیا ہے؟ حاضرین مجلس نے غور کیا مگر بات تک نہ پہنچ سکے۔ آخر کار حضرت شیخ کو کہنے لگے حضرت آپ اس کی وضاحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَمْ يَكْسِبُونَ اِنَّا لَا نَسْمَعُ شَرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلٰی وَاَرْسَلْنَا اِلَيْهِمْ بَيِّنٰتًا وَوَحَّيْنَا اِلَيْهِمْ اٰیٰتِنَا لَعَلَّہُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ وہ حضرت کی اس نکتہ آفرینی پر حیران رہ گئے۔

حسن موزب کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت مجلس و عطف سے فارغ ہوئے حکایت :- تو میں آپ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ میرا معمول تھا کہ مجلس سے فارغ ہونے کے بعد آپ کی خدمت میں کھڑا رہتا تاکہ کوئی حکم ہو تو بجالادوں۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ حسن شہر میں جاؤ۔ اور دیکھو اس شہر میں ہمارا سب سے بڑا دشمن کون ہے؟ اور صوفیاء کا بدترین مخالف کون ہے؟ اس کے پاس جا کر کہو۔ کہ درویش بھوکے ہیں۔ ان کے پاس کوئی چیز نہیں جس سے پیٹ بھر سکیں۔ ان کے لئے کچھ دو۔ میں شہر میں گیا۔ محلہ بہ محلہ کو چہ بکو چہ گھوما۔ میرے نزدیک تاضی علیٰ صندلی سے زیادہ مخالف اور منکر اور کوئی بھی نہ تھا۔ دل میں سوچا۔ شاید یہ میری غلط فہمی ہو۔ میں نے ایک بار پھر سارے شہر کا چکر لگایا۔ جائزہ لیا۔ لیکن میرے دل نے گواہی دی کہ بدترین مخالف یہی شخص ہے میں نے ایک بار پھر کوشش کی مگر میرے ذہن پر اسی کا نام سوار نظر آیا۔ مجھے یقین آ گیا



کہ یہی بدترین دشمن ہے۔ میں اس کے پاس گیا۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے شاگردوں کا ایک مجمع اردگرد کتابیں کھولے ہوئے تھا۔ میں نے سلام کہا اس نے جواب دیا جس طرح اس کی عادت تھی بڑے تکبرانہ انداز میں کہنے لگا۔ کوئی کام ہے؟ میں نے کہا۔ میرے شیخ ابو سعید نے آپ کو سلام کہا ہے اور کہا ہے ہمارے درویشوں کے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ ذرا توجہ فرمائیں علیٰ صدیق بن علیؑ کو عالم دین تھا۔ اور پھر طنائی بھی کہنے لگا۔ بس تمہاری یہی مہم ہے اور یہی کام ہے؟ میرا خیال تھا۔ کہ تم مجھ سے کوئی دینی مسئلہ دریافت کرو گے۔ دوست جاؤ۔ میرے پاس اس سے زیادہ اہم کام ہیں۔ کہ میں تمہیں کچھ دینے میں وقت ضائع کروں۔ تم محض اندھے لوگ ہو۔ کچھ کچھ کرتے رہتے ہو۔ یہ شعر پڑھا کرو۔ اور رقص کیا کرو!

آراستہ دست بہ بازار آئی اے دوست نترسی کہ گرفتار آئی!

میں یہ سنتے ہی اپنے شیخ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں نے جو کچھ سنا تھا حضرت کو سنا کر دل نہ دکھاؤں۔ میں نے کہا۔ علیٰ صدیق کہتا تھا۔ اس وقت مجھے کچھ معلوم نہیں اور میں کچھ نہیں کر سکتا حضرت شیخ نے فرمایا۔ حسن خیانت نہیں کرنا چاہئے۔ جو کچھ سنا ہے۔ سناؤ۔ میں نے تمام واقعات دیا۔ حضرت نے فرمایا۔ دوبارہ جاؤ۔ اور جا کر کہو۔ تم زینت دنیا سے آراستہ ہو کر بازار میں آتے ہو۔ اور دنیا کی محبت میں مست و مخمور ہو کر بازار میں ٹہکتے ہو۔ کل بازار قیامت برپا ہو گا۔ اس سے نہیں ڈرتے۔ اس وقت تم گرفتار ہو کر آؤ گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔

میں پھر گیا۔ علیٰ صدیق کی مجلس میں پہنچا۔ شیخ کا پیغام دیا۔ اس نے سر ہلکا لیا۔ چند لمحے سوچا۔ پھر کہا۔ ملاں شخص سے ایک سو درہم لے جاؤ اور شیخ کو کہو۔ آپ لوگ جب شرکیوں کو تفسیر کرنے لگے ہیں۔ میرا آپ لوگوں سے کیا واسطہ ہے تم سے کوئی شخص مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حکایت :- جن دنوں حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہ العزیز بازار عدنی گویاں کی خانقاہ



میں رہتے تھے۔ ایک دن صوفیاء کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے کے دوران شیخ ابو محمد جوینی آگئے۔ سلام کیا۔ مگر آپ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ اور ان کی طرف التفات نہ کیا۔ آپ کے اس رویہ سے ابو محمد نہایت شکستہ خاطر ہوئے۔ دل میں رنجیدہ ہوئے اور کونے میں بیٹھ گئے جب تمام لوگ کھانے سے فارغ ہوئے۔ حضرت شیخ نے ہاتھ دھوئے اور کھڑے ہو کر ابو محمد جوینی کے سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا سلام اللہ کے اسماء مبارکہ میں سے ایک نام ہے۔ دل نہیں چاہتا تھا کہ اپنے آلودہ منہ سے اللہ کا نام لوں۔ ابو محمد آپ کی بات سن کر خوش دل ہو گئے۔ اور کہا۔ جو حضرت شیخ فرما رہے ہیں۔ اس طرح طریقت و شریعت دوسروں کے حصے میں نہیں آئی۔ حاضرین صوفیا بھی آپ کی اس تاویل سے محفوظ ہوئے یہی وجہ ہے کہ جب تک کھانے سے فارغ نہ ہوں صوفیا سلام نہیں کہتے۔

حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہ کی ایک ہمیشہ تھیں جسے حضرت کے بیٹے عمہ عمہ کا حجرہ کہتے تھے۔ وہ زہد و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھی۔ کسی امر مجبوری سے اپنے گھر سے باہر قدم رکھتی تھی۔ ورنہ گھر میں رہتیں۔ باہر آتیں تو چادر اور مونے گھر کے پچھے رکھے ہوتے پہن لیتیں اور واپسی پر وہیں رکھ دیتیں۔ وہ گھر میں پہننے والے کپڑے باہر پہن کر نہ جاتیں۔ ان کا خیال یہ تھا کہ شہر کی گلیوں کی گرد جن کپڑوں پر پڑ جائے ان سے عبادت خداوندی میں خلل آتا ہے۔ حضرت شیخ بھی آپ کے گھر قدم رکھتے تو عمہ گھر کو اچھی طرح دھو لیتیں اور کہتیں شیخ جن جوتوں سے بازار میں چلتے رہے ہیں پہن کر میرے گھر آگئے ہیں لہذا اسے دھونا ضروری ہے۔ ایک دن حضرت شیخ قدس سرہ عمہ کے گھر بیٹھے باتیں کر رہے تھے تو عمہ نے کہا حضرت آپ کی باتیں تو سونے کے ٹکڑے ہیں حضرت نے فرمایا۔ ہماری باتیں سونے کے ٹکڑے ہیں مگر تمہاری باتیں گوہر ناسفہ ہیں۔ عمہ کے حجرہ میں ایک سوراخ تھا۔ جو حضرت شیخ کی عبادت گاہ میں کھد کرتا تھا وہ اپنے بھائی کو اسی سوراخ سے دیکھ لیتی تھیں۔ اور ضروری بات کرنا ہوتی تو کہتیں۔ ایک دن حضرت شیخ اپنے حجرے میں موجود تھے۔ حضرت علیہ السلام آپ کے پاس تشریف



فرماتے وہ اکثر حضرت شیخ کے پاس آتے رہتے تھے۔ عمہ نے دونوں کو اس سوراخ سے دیکھا اور نور باطن سے معلوم کر لیا کہ باتیں کرنے والے بزرگ حضرت خضر ہیں۔ وہ مراقبہ میں بیٹھ کر ان دونوں بزرگوں کے قلبی احوال بھی معلوم کر لیتی تھیں۔ حضرت خضر علیہ السلام دوبارہ حضرت شیخ کے کوزے سے پانی پیا خضر اٹھے تو حضرت شیخ بھی آپ کے ساتھ تعظیماً کھڑے ہوئے اور آپ کو الوداع کہنے کو باہر آئے۔ اسی اثناء عمہ چھت سے ہو کر حضرت شیخ کے حجرے میں آگئیں اور تبرکاً اس کونے سے پانی پی لیا جس سے حضرت خضر علیہ السلام نے پیا تھا۔ اور باہر اپنے گھر آگئیں۔ حضرت نے واپس آ کر کرامت کی روشنی میں عمہ کے اس فعل کو معلوم کر لیا اور خاموش ہے۔ خادم کو آواز دی کہ آج سے عمہ کے حجرہ سے سوراخ بند کر دیا جائے۔

ایک بار حضرت شیخ قدس سرہ نے خواب میں بہشت کو دیکھا۔ دسترخوان بچا ہے نیلے مرقع :- ایک مجمع بیٹھا ہے۔ وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ایک شخص اٹھا۔ آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا یہ آپ کی جگہ نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کا دسترخوان ہے جن کے پاس ایک ہی کرتا ہے۔ آپ کے پاس دو تین کپڑے ہیں۔ آپ تو ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔ آپ نے فرمایا۔ ان دنوں نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ نیلے مرقع اور خوبصورت لباس تیار کرائے جاتے ہیں اور پہنے جاتے ہیں۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ کام تمام ہو گیا۔ یہ لوگ نیل کے شکلوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں ایک بار مزید بھگودوتا کہ زیادہ نیلگوں ہو جائے۔ اور لوگوں کو پتہ چلے کہ نیلے مرقع والا صوفی جا رہا ہے۔ ان لوگوں کی خود نمائی یہاں تک آگئی ہے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو آراستہ پیراستہ رکھتے ہیں۔ اسی لباس کو ان لوگوں نے اپنا صنم اور معبود بنا لیا ہے۔ جس دن حضرت یہ بات فرما رہے تھے حضرت شیخ کے لئے ایک نئی واسکٹ سلائی گئی تھی۔ پہن کر فرمانے لگے ہمارے لئے آج مرقع تیار کیا جا رہا ہے۔ اس دنیا میں آئے ہوئے ہیں ستر سال گزر گئے۔ بڑھی نکالیضار ریاضتیں برداشت کی ہیں۔ دن رات ایک کو دیئے۔ پھر کہیں جا کر ایک نصف مرقع نصیب ہوا۔ آج ہر شخص آسانی سے پورا لباس نیلگوں کرتا ہے۔ اور پہنتا ہے۔ اور صوفی کہلاتا ہے۔







میں ابوصالح کے لئے تعویذ لکھ دوں۔ اور پھر فرمایا لیکھو!

حور بہ نظارہ نگارم صف بزد      رضواں بہ عجب ماند کف بر کف زد

یک خال سیاہ براں رخ مطرف زد      ابدال ز بیم چنگ در مصحف زد

خواجہ ابوبکر مودب یہ تعویذ لے کر بیمار قاری کے پاس پہنچے ہاںدھا اسی وقت صحت یاب

ہو گئے اور بیماری جاتی رہی۔

حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ العزیز کے زمانہ میں ایک ولی اللہ روم کی سرحدوں پر جہاد کرنے لگے۔ ایک دن دارالحرب میں جا رہے تھے شیطان سامنے آ گیا۔ فرمایا۔ اولیون

تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ ان مجاہدوں کے دلوں میں تیرے دوسو سے تو نہیں ہیں۔ کہنے لگا میدان

جہاد میں میرے اختیار سلب ہو جاتے ہیں۔ پوچھا کیسے؟ کہنے لگا۔ میں خراسان کے قصبہ مینہ

میں سے گزر رہا تھا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر مسجد سے نکل کر اپنے گھر جا رہے تھے راستہ میں نہیں

پھینک آئی۔ تو مجھے یہاں پھینک دیا گیا۔

ایک دن لوگوں نے آپ سے پوچھا حضرت وہ کتنا بد بخت انسان ہے کہ رات کو

چوری کرتا ہو۔ اور دن کو نماز ادا کرتا ہو۔ آپ نے فرمایا۔ اسے کچھ نہ کہو۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ

نماز کی برکت سے اسے چوری سے محفوظ کر دے۔

ایک دن ایک بزرگ نے حضرت شیخ ابوسعید سے کہا۔ کہ حضرت میں نے آپ کو خواب

میں دیکھا اور کہا۔ یا شیخ کس طرح ممکن ہے کہ ہم اس نفس کی خرابیوں سے محفوظ ہو جائیں۔

آپ نے فرمایا۔ کچھ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ جو کچھ کیا ہے یا ہو چکا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں

ہو سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمارا حصہ رکھا ہے تو توفیق بھی وہی دے گا۔ اگر نہیں ہے تو نہ اس

میں کمی آسکے گی نا بیشی۔ نہ آگے ہو گا نہ پیچھے۔ اگر اس نے نصیب رکھے ہیں تو اس کی طلب پیدا

کر دے گا۔ حقیقت میں اسے تیری تلاش ہے۔ اس وقت تیرے اندر بھی طلب کا جذبہ پیدا

کر دے گا۔



حضرت شیخ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث نبوی ہے کہ  
**درودیش کون ہے :-** ایک قوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور  
پوچھنے لگے حضور! درودیشی کسے کہتے ہیں؟ آپ نے ایک آدمی کو آگے آنے کو فرمایا اور پوچھا  
تہارے پاس درہم ہیں۔ اس نے کہا ہاں حضور! آپ نے فرمایا تم درودیش نہیں ہو۔ پھر دوسرے  
کو بلا یا۔ اور وہی سوال کیا۔ اس نے کہا میرے پاس تو نہیں ہیں۔ کیا تمہارے گھر پانچ درم  
ہوں گے۔ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تم بھی درودیش نہیں ہو۔ تیسرے کو بلا یا پوچھا تمہارے  
پاس۔ یا گھر یا کسی سے قرضہ لینے کے لئے پانچ درم ہیں اس نے کہا حضور نہیں آپ نے فرمایا  
پانچ درہم کی مزدوری کر سکتے ہو۔ اس نے کہا۔ ہاں تم بھی چلے جاؤ تم درودیش نہیں ہو۔ ایک  
اور کو بلا یا کیا تمہارے پاس ان تمام ذرائع سے کوئی چیز ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا۔ اگر تمہیں  
راستہ میں جاتے ہوئے پانچ درہم مل جائیں تو تم یہ کہو کہ یہ میرا نصیبہ تھا۔ اس نے کہا۔ ہاں وہ  
تو میرے لئے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا تم بھی جاؤ تم درودیش نہیں ہو سکتے۔ ایک اور کو بلا یا۔ اور  
بیان کردہ ساری صورتیں پڑھیں اس نے کہا یا رسول اللہ نہیں! آپ نے فرمایا اگر پانچ درہم  
مل جائیں تو ان کو اپنے قبضہ میں کر لو گے۔ آپ نے فرمایا۔ پھر تم کیا کر دو گے وہ کہنے لگا۔ یا رسول اللہ  
اسے یا بیت المال میں جمع کرادوں گا یا حاجت مندوں میں تقسیم کر دوں گا۔ حضور نے فرمایا۔ تم  
درودیش ہو۔ اور درودیش کی یہی صفت ہوتی ہے۔ حضور کی یہ بات سن کر تمام اٹھے رونے لگے۔  
اور کہنے لگے۔ یا رسول اللہ لوگ ہمیں درودیش کہتے ہیں۔ حالانکہ درودیش تو وہ ہے جسے آپ نے  
بیان فرمایا۔ اب ہمارا کیا مقام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ درودیش ہے تم سارے اس کے طفیلی ہو!  
○ حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ العزیز نے فرمایا۔ ایک دفعہ ایک بھڑا ایک چیونٹی کے  
پاس گئی۔ اسے دیکھا کہ گندم کا ایک دانہ اٹھائے۔ اپنے بل کی طرف جا رہی ہے۔ لوگ اسی آستہ  
میں اسے پاؤں سے تھکراتے اور بڑی بے دردی سے بہت سی چیونٹیوں کو کچلتے جاتے۔ بھڑنے  
چیونٹی کو پوچھا۔ یہ محنت یہ مشقت اور یہ سختی صرف ایک دانہ کے لئے اٹھانا۔ کیا عقلمندی ہے؟



ایک حقیر سے دانہ گندم کے لئے اس قدر تکلیف اٹھانا باعث تعجب ہے۔ مجھے دیکھو اپنا رزق حاصل کرنے کے لئے کتنی آسانی سے جہاں چاہے جاتی ہوں اور کھاتی ہوں۔ چیونٹی کو ایک گوشت کی دکان پر لے گئی۔ گوشت لٹک رہا تھا بھڑاڑتی اڑتی آئی۔ اور بڑے فخر سے گوشت پر جا بیٹھی اور پیٹ بھر کر کھایا۔ اور ایک چھوٹا سا ٹکڑا منہ میں اٹھا کر باہر لے چلی۔ تصانی نے دیکھا تو ایک پھری اس زور سے ماری کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک آن میں چیونٹی کے پاس ہی زمین پر مردہ پڑی تھی۔ چیونٹی آگے بڑھی اس کی ٹانگ پکڑ کر گھیٹتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی۔ جو وہاں بیٹھتا ہے جہاں چاہتا ہے۔ اس طرح مارا جاتا ہے کہ ایسا نہیں چاہتا!

خواجہ مصعب بن خواجہ امام مظفر صدان نوقانی فرمایا کہ تھے کہ ایک دن حکایت :- حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ میرے والد مکرم کے پاس تشریف فرما تھے۔ میرے والد نے حضرت شیخ سے پوچھا۔ میں آپ کو نہ صوفی کہتا ہوں نہ درویش کہتا ہوں۔ بلکہ میں تو آپ کو عارفِ کامل کہتا ہوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا "کہ وہ کہو جو وہ کہتا ہے!" خواجہ مصعب کہتے ہیں کہ میری دادی کا نام عسائینہ تھا۔ میری والدہ راحتی کو حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کی خدمت میں لائین ان دنوں میری والدہ کی عمر بھی بارہ سال تھی۔ اور میرے والد سے نکاح یا شادی کی بات ابھی تک نہیں چلی تھی۔ حضرت شیخ نے میری والدہ سے پوچھا۔ بیٹی تمہارا نام کیا ہے! کہا راحتی۔ آپ نے فرمایا۔ مبارک ہو! اب صوفیاء کی دعوت کرنا چاہیے۔ میری والدہ نے کہا۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ فرمایا۔ دعوت ضرور کہ خواہ گداگری کر کے کہنا پڑے میری والدہ نے کہا۔ میں کیسے گداگری کر سکتی ہوں؟ میری والدہ نے اسی وقت اعلان کر دیا۔ کہ میں تمام صوفیوں کی دعوت کروں گی۔ مگر آپ مجھے کوئی چیز ادھا دیں۔ حضرت نے اپنی چادر اور پیراہن اتار کر دے دیا۔ ان دونوں کپڑوں کو لے کر سرائے میکالیاں چلی گئیں۔ وہاں ایک ماں بیٹی رہا کرتی تھیں۔ انہیں بتایا کہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے درویشوں کے لئے دعوت دینے کا کہا ہے۔ میرے پاس کچھ



نہ تھا۔ میں نے کہا خالی ہاتھ ہوں۔ فرمانے لگے۔ گداگری کر لو۔ میں نے انہیں سے یہ دو کپڑے مانگ لئے ہیں۔ تم انہیں خریدنا پسند کرو گی۔ راکھی اٹھی۔ گھر کے اندر گئی۔ چوڑیوں کی جوڑی نکال لائی اس وقت ان کی قیمت ساٹھ دینار تھی۔ میرے سامنے لارکھی اور چادر لے لی۔ ماں اٹھی۔ ایک پازیب لے آئی۔ اس کی قیمت بھی ساٹھ دینار تھی۔ پیراہن اٹھایا اور پازیب مجھے دے دیا۔ میں نے کہا۔ مجھے ان کپڑوں سے ایک بات کی آواز آتی ہے۔ تم سن رہی ہو انہوں نے کہا۔ نہیں! یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم کسی کے پاس نہیں رہیں گے۔ یا ہم رہیں گے یا غیر پھر پوچھا۔ تمہارے پاس کوئی اور چیز ہے۔ انہوں نے کہا نہیں دونوں اٹھیں شیخ کی چادر اور پیراہن کو بوسہ دیا۔ اور میرے سامنے لارکھے۔ اور کہنے لگیں۔ تم صوفیاء کی دعوت پکاؤ۔ جس طرح دل چاہے خرچ کرو۔ تم یہ کپڑے بھی رکھو! یہ چوڑیاں۔ یہ پازیب اور یہ کپڑے تمہاری ملکیت ہیں۔ ہم اٹھے اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے چادر پیراہن چوڑیاں اور پازیب سب حضرت کی خدمت میں لارکھے۔ اور کہا اپنے صوفیوں کی دعوت کیجئے اور انہیں خوش کر دیجئے۔ حضرت نے اعلان فرمایا۔ بڑی عمدہ دعوت کی جائے۔ چادر اور پیراہن پھاڑ دیئے۔

صَیْنَةُ تَدْوَانِ حَلِي آئیں۔ اور خواجہ مظفر کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ دونوں باتیں کرتے۔ صَیْنَةُ کا موضوع سخن فنا ہوتا اور خواجہ مظفر کا بقا۔ خواجہ مظفر کو صَیْنَةُ کی باتیں بہت پسند آتی تھیں۔ فرمایا کرتے جو تمہارے موافق ہے وہ اللہ کے ہاں موافق ہوگا۔ جو تمہارا مخالف ہوگا۔ وہ اللہ کا مخالف ہوگا۔ صَیْنَةُ نے کہا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں میری ایسی کوئی خوشی نہیں جو آپ کے کام آسکے۔ خواجہ مظفر نے فرمایا۔ ہم ایسی خوشیوں سے فارغ اور بے نیاز ہیں۔ دس سال ہو گئے تھے۔ کہ خواجہ مظفر کی بیوی مر چکی تھی جس وقت وہ زندہ تھیں خوشحال تھی۔ کسی چیز کی حاجت نہ تھی۔ بیس سال کی عمر میں خواجہ مظفر نے راحتی سے شادی کی جس سے خواجہ مصعد پیدا ہوئے۔ یہ حضرت شیخ کی دعا اور برکت کا نتیجہ تھا۔



ابوالفضل محمد بن احمد العارف النوفانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت شیخ کے ساتھ گورتان حیرہ میں کسی عزیز کے جنازے پر گئے جب حضرت احمد طاہرانی قدس سرہ کی قبر پر پہنچے تو حضرت کا گھوڑا رکا۔ حضرت کی آنکھ حضرت احمد طاہرانی کی قبر پر پڑی۔ چند لمحے قبر کو دیکھتے رہے۔ پھر گھوڑا آگے بڑھا فرمانے لگے۔ احمد طاہرانی ہم سے باتیں کر رہے تھے۔

حضرت شیخ نے ایک بار فرمایا۔ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ میں استاد ابو علی دقاق اور ابوالقاسم القشیری تینوں بیٹھے ہیں۔ ایک آواز آئی۔ اٹھو اور ہر ایک قربانی پیش کرو۔ ہم لوگ اسی وقت اٹھے۔ قربانی پیش کی۔ استاد ابوالقاسم قشیری ادھر ادھر بڑھے لیکن انہیں قربانی دینے کو کوئی چیز نہ ملی۔ اور رو رہے تھے۔ کچھ قربان نہ کر سکے۔ اگر اس دن کچھ قربان کر دیتے۔ تو ان کے پائے کا دوسرا کوئی ولی اللہ نہ ہوتا۔

ایک سفر میں حضرت شیخ ابوسعید جارہے تھے۔ راستے میں ایک کالا ناگ حضرت کے پاؤں میں آ بیٹا اور عقیدت کا اظہار کرتے لیٹ رہا تھا۔ حضرت چند لمحے رکے اسے تسلی دی اور آگے بڑھے ایک درویش یہ واقعہ دیکھ رہا تھا۔ عرض کی حضرت یہ کیا بات تھی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ سانپ ہمارا پرانا عقیدت مند تھا۔ آج اسے اظہار عقیدت کا موقع ملا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا۔ تم چاہتے ہو کہ سانپ تمہارے قدموں میں لیٹے درویش نے کہا۔ ہاں یا حضرت! فرمایا۔ چونکہ تم خود چاہتے ہو ایسا نہیں ہو سکے گا۔

○ ایک بار حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کے مزار پر انوار پر بیٹھے تھے حضرت بایزید کی قبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَعَلَ اَقْدَامُ الْاَوْلِیَاءِ شَارًا لِّلْاَرْضِ فَمَا هُوَ اِلَّا جَسَادٌ یَعْنٰی لَا یَسْرِ قَصُوْنٌ بِذٰلِکَ ○ ایک دن حضرت احمد ابولیت حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کی خدمت میں آئے جب وہ واپس چلے گئے تو حضرت نے ایک آدمی کو بھیجا کہ انہیں بلالائیں۔ واپسی پر آپ نے اس شخص سے پوچھا۔ راستہ میں احمد ابولیت کیا کہتے تھے۔ اس نے بتایا کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے تھے



آپ نے پوچھا۔ وہ کن نعمتوں کا ذکر کر رہے تھے۔ کیا وہ نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر کی ہیں یا وہ نعمتیں جو تم پر کی ہیں۔ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہم پر کی ہیں وہ بے پناہ بلند اور اعلیٰ ہیں اور جو نعمتیں آپ کو دی ہیں وہ درمیانہ درجے کی ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا۔ ایک ایسے زاہد بزرگ تھے جو مراقبہ میں رہتے ان کے ہاں اس قدر بڑھ گئے تھے کہ بھپوڑوں نے اس پر آشیانہ بنا لیا تھا اور اس میں بچے دے دیئے تھے مگر وہ محویت میں مدتوں بسر کرتے رہے۔

حضرت خواجہ علی خباز قدس سرہ مرو سے چلے اور مینہہ آئے حضرت صاحب ہمت :- شیخ ابو سعید قدس سرہ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ خواجہ احمد نصر اور دوسرے مشائخ وقت مجلس میں بیٹھے تھے۔ یہ حضرات مختلف موضوعات پر گفتگو کر رہے تھے۔ اسی دوران زمانہ حاضرہ کے ایک دنیا دار کے متعلق باتیں ہونے لگیں۔ خواجہ خباز نے کہا۔ ہاں وہ بڑا باہمت شخص ہے حضرت نے فرمایا اسے جو انہر دکھا جا سکتا ہے اسے باہمت نہیں کہا جاتا۔ البتہ امانیت کہا جا سکتا ہے جو شخص اپنے مال کو غریبوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اسے امانیت کہتے ہیں۔ ہمت نہیں کہتے صاحب ہمت وہ ہوتا ہے۔ جسے اللہ کے بغیر کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔

ایک دفعہ حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ چھت سے کچھ مٹی حرام مسجد :- اور گھاس گری اور حضرت کے جسم پر پڑی۔ ایک درویش پاس ہی بیٹھا تھا۔ اس نے اٹھا کر مسجد میں گرا دی حضرت شیخ نے فرمایا۔ بھائی۔ تم نے یہ بات کی ہے تمہیں خیال نہیں آیا تم نے کیا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ساتوں آسماں زمین پر گرا کر اسے نیرت و نابود کر دے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے پر کرم کیا ہے۔ کہ اپنے گھر کی مٹی گرائی ہے۔ اور حکم دیا ہے وَاَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ اگر تم نے گوارا نہ کیا مسجد کی یہ خاک میرے جسم پر پڑے۔ مگر تم نے یہ گوارا کر لیا کہ اسے اللہ کے گھر میں پھینک دیا جائے۔



حضرت شیخ جن دنوں نیشاپور تھے۔ انہی دنوں حضرت امام قشیری  
**ہاتھ اور دل :-** قدس سرہ بھی نیشاپور میں تھے۔ ایک دن حضرت شیخ نے انہیں  
 پیغام بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ مال اوقاف میں سے خرچ کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب  
 دیا۔ اوقاف ہمارے ہاتھ میں ہے۔ دل میں نہیں ہے۔ حضرت نے جواب بھیجا ہم تو آپ  
 کے دل اور ہاتھ کو ایک ہی جانتے تھے۔

استاد عبد الرحمن فرماتے ہیں۔ کہ جن دنوں حضرت شیخ قدس سرہ نیشاپور میں قیام فرما  
 تھے۔ میں ان کی مجالس میں قاری تھا۔ ایک دن ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ میں مسافروں  
 آپ کے شہر میں آیا ہوں۔ سارے شہر میں آپ کا نام چلتا ہے۔ شہرت ہے اور ہر طرف  
 آپ کا ڈنکا بجتا ہے۔ پھر بہت سی کرامات بھی مشہور ہیں مجھے آج کوئی کرامت دکھائیے حضرت  
 شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ہم عامل میں تھے۔ ایک شخص حضرت ابوالعباس قصاب قدس سرہ  
 کے پاس حاضر ہوا۔ اور یہی سوال کیا۔ جو تم نے کہا ہے حضرت ابوالعباس نے کہا تم نہیں دیکھ  
 رہے کہ یہ بھی ایک کرامت ہے۔ میں ایک قصاب کا لڑکا ہوں جس نے باپ سے تصانی کا  
 پیشہ سیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا۔ میں اٹھا۔ بغداد چلا آیا۔ حضرت پیر شہلی نے مجھے وہاں  
 سے مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچے۔ مدینہ منورہ سے بیت المقدس گیا حضرت  
 خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ  
 اس قصاب زادے کو نگاہ قبولیت سے دیکھیں۔ انہوں نے اپنی تربیت میں رکھا اور یہ مقام  
 دیا۔ ایک جہاں مجھ پر مہربان ہو گیا۔ اب نوک شراب خانوں سے نکل کر ایک بار مجلس میں آتے  
 ہیں تو دل کی سیاہیوں سے پاک ہو کر توبہ کر لیتے ہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے سے سوختہ دل  
 آتے ہیں اور یہاں آ کر سکون قلب حاصل کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا کرامت دیکھنا  
 چاہتے ہو؟ اس شخص نے حضرت سے پھر اصرار کیا۔ میں تو اب فوری کرامت دیکھنا چاہتا  
 ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ تم یہ نہیں دیکھ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک گڈ رے کے بیٹے کو صد



نشین بنا دیا ہے۔ یہ اس کا کرم ہے۔ کہ ایک ذرہ ناچیز کو اس قدر نوازا۔ اسے زمین میں دفن نہیں کر دیا۔ اس پر آسمان نہیں ٹوٹ پڑا۔ اس گھر کی چھت اس پر نہیں گر پڑتی بے لک بادشاہ بنا دیا ہے بے تاج بادشاہی کم کر رہا ہے۔ بغیر کسی ہنر و فن کے روزی حاصل کرتا ہے خود کھاتا ہے۔ مخلوق کو کھلاتا ہے۔ یہ تمام ظاہری کرامتیں ہیں جو تم اب بھی دیکھ سکتے ہو۔ پھر حضرت نے اس نوجوان کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا۔ ہمیں تمہارے ساتھ وہی واقعہ درپیش آیا ہے۔ جو حضرت ابوالعباس کو آیا تھا۔ اس نے کہا حضرت میں آپ سے کرامت طلب کر رہا ہوں۔ آپ مجھے حضرت ابوالعباس کا واقعہ سنا رہے ہیں جو شخص اللہ کا ہو جاتا ہے۔ اس کی ساری باتیں اللہ کی طرف سے کرامت ہوتی ہیں آپ مسکرائے اور فرمایا۔

ہر باد کہ از سوائے بخارا من آید	ز دبوے گل و خشک و سیم و سمن آید
بر ہر زن و ہر مرد کجا بردرد آن باد	گوید بگر آن باد ہی از ختن آید
ز نہ ختن باد چنان خوش نوزد، سچ	کاں باد ہی از بر معشوق من آید
ہر شب بگر ایم بہ میں تا تو بر آئی	زیرا کہ سہیلی و سہیل از میں آید
کو شتم کہ بیوشتم صنما نام تو از ختن	تا نام تو کم دردھن انجمن آید
باہر کہ سخن گویم اگر خواہم اگر نہ	اول سخنم نام تو اندر دھن آید

پھر حضرت شیخ نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پاک فرمادیتا ہے۔ اس کی حرکات سکناات قول و فعل۔ حال و احوال تمام کے تمام کرامات ہو جاتے ہیں وَصَلَّى اللّٰهُ

عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ أَجْمَعِينَ ط





# اقوال و گفتار

تأليف و تشریح ابو سعید ابوالخیر قدس سره العزیز





## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

○ دیدار خداوندی دل کی آنکھوں سے ہوتا ہے۔ زبان کی گفتار سے نہیں ہوتا۔

○ وَ اِمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی (جو

شخص اللہ کے خوف سے ڈرتا ہے۔ اور خواہشات سے بچتا ہے، جب تک نفس نہ مر جائے اس وقت تک صرف لا الہ الا اللہ کہنے سے مسلمان نہیں ہو سکتا۔

○ وَ مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُشْرِکُوْنَ ۗ

بہت سے لوگ زبان سے ایمان لے آتے ہیں۔ مگر دل سے مشرک ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر کہا ہے۔ جو شرک کرے گا میں اسے نہیں بخشوں گا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَا یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ جو شخص شرک سے پاک ہو گا اسے بخش لوں گا مگر تیرے تو سات اندام شک اور شرک سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ شرک اس وقت تک دور نہیں ہو سکتے جب تک ایمان دل میں جاگزیں نہ ہو جائے۔

○ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی

یا رسول اللہ مجھے اصل مسلمان کے بارے میں ہدایت فرمائیں تاکہ میں اس پر ایمان لاسکوں اور عمل کرسکوں۔ آپ نے فرمایا اچھا کہو۔ اَمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقَمْتُ بِاللّٰهِ پرایمان لاؤ اور اس پر ثابت قدم رہو، اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔



آیتہ کریمہ اسی مطلب کی وضاحت کرتی ہے۔ لومڑی کی طرح ہر کھوہ میں سر نہ چھپاتے پھر وہ اسی طرح اپنے ایمان کو ہر خیال سے پامال نہ کرتے رہو۔ ایمان یوں لاؤ کہ ایک بار اللہ اللہ کہہ دو پھر اس پر قائم رہو۔

○ سرکشی کفر ہے۔ غیر اللہ پر بھروسہ کرنا شرک ہے۔ اور اللہ کی رضا پر خوش رہنا فرض ہے۔

○ لوگوں نے حضرت شیخ سے کہا۔ ایک شخص نے توبہ کی تھی۔ توڑ دی۔ آپ نے فرمایا اگر اس کی توبہ کو توڑا نہ جاتا تو کبھی توبہ نہ توڑتا۔

○ شیخ فرمایا کرتے۔ تم بے نوا اور بے بس ہو۔ بے عیب معشوقہ کی تلاش میں نہ رہو۔ بے عیب کبھی نہ پاسکو گے۔

○ ہزار دوست تھوڑے ہوتے ہیں اور ایک دشمن بڑا ہوتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے اپنی مناجات میں کہا۔ بار خدایا۔ مجھے بخش لے تو دوست نواز ہے میرے عیب نہ دیکھ۔

○ لوگوں نے حضرت شیخ سے پوچھا۔ اللہ کے بندے تو مسجد میں ہوتے ہیں فرمایا شراب خانے میں بھی ہوتے ہیں۔

○ شیخ فرمایا کرتے تھے۔ ہم نے جو کچھ پایا ہے۔ شب بیداری سے۔ انکساری سے اور مال دنیا سے بے نیازی پایا ہے۔

○ حضرت شیخ قدس سرہ سے پوچھا گیا صوفی کون ہوتا ہے۔ فرمایا۔

جو سر میں جو کچھ ہو گرا دے۔ ہاتھ میں جو کچھ ہو غریبوں کو دے دے۔

اور جو کچھ کہا جائے اس سے خفا نہ ہو۔

○ حضرت نے کہا۔ جو چیز اللہ سے ہٹا دیتی ہے وہی مذہوم ہے۔

○ شیخ قدس سرہ نے فرمایا۔ انسان ایک دن رات میں تیس ہزار سانس



یتنا ہے جو سانس اللہ کے بغیر لیا جائے وہ رائیگاں جاتا ہے۔ یہ ایسا سانس ایک ایسے مردار کی طرح ہے جس سے ہر ایک بدبو محسوس کرتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ تمہاری زندگی دو سانسوں کے درمیان ہے۔ ایک گزر گیا اور دوسرا آنے والا۔ اسی کا نام رگد شترہ کل ہے اور رآئندہ کل ہے۔ الْمَوْتُ سَيْفٌ قَاطِعٌ۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ تصوف دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ یکسو دیکھنا اور یکساں دیکھنا۔

○ حضرت نے فرمایا۔ اَللّٰهُ لَيْسَ دَمَا سَوَىٰ هُوَ سُوَىٰ وَانْقَطَعَ النَّفْسُ۔

○ اَلذِّكْرُ لِنَسِيَانٍ مَا سَوَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ كَيْ سَوَىٰ سَبَّ كَيْ بَهْوَلٍ جَانَا هُوَ۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ یا تو پکے یہودی ہو۔ یا تو ریت سے کھیلنا چھوڑ دو۔

○ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ رَاحَتِهِ النَّفْسُ فِي التَّسْلِيمِ وَبِلَادِهِا فِي الْقَدْبِيرِ

جان تسلیم حکم میں راحت محسوس کرتی ہے۔ اور تدبیر میں مصائب آتے ہیں۔

○ شیخ نے فرمایا یہ ہے اور بس۔ اُس کو ناخن پر لکھ لو۔

○ حضرت نے فرمایا۔ اسلام اس چیز کا نام ہے کہ ازلی احکامات کے سامنے

سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ وَالْاِسْلَامُ اَنْ يَّمُوتَ نَفْسُكَ۔

○ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ کہ بندہ نماز پڑھتے ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ تو رب کریم

فرماتا ہے کہ نہ دیکھو۔ اگر دیکھنا ہے تو مجھے دیکھو میں سب چیزوں سے بہتر ہوں۔ جب

دوسری بار دیکھتا ہے تو اللہ فرماتا ہے۔ کیا دیکھتے ہو۔ کیا یہ چیز مجھ سے بزرگ ہے عزیز

ہے! محترم ہے! جب تیسری بار دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جاؤ۔ پھر اس کو ہی پسند کرو

۵ دانی کہ مرا یار چہ گفت امروز جز ما بکنے در منگر دیدہ بدوز

○ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ بزرگ ترین

انسان وہ ہے جو متقی ہو۔ تقویٰ اپنے نفس سے بھی پرہیز کرنا ہے۔ اپنے آپ سے پرہیز کرو



گے تو اللہ تک پہنچ جاؤ گے۔ وَهَذَا صِرَاطٌ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا: یہ میرا راستہ ہے دوسرا اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ یہ راستہ روزہ رکھنے سے نہیں ملتا۔ یہ راستہ قیام کرنے سے نہیں ملتا۔ یہ راستہ عبادت سے نہیں ملتا۔ یہ راستہ سجدہ کرنے سے نہیں ملتا۔ یہ راستہ رکوع کرنے سے نہیں ملتا۔ یہ تو اپنے آپ سے پرہیز کرنے سے ملتا ہے۔ یہی اللہ کا راستہ ہے۔

○ آپ نے فرمایا۔ التَّصَوُّفِ اسْمٌ وَاقِعٌ فَإِذَا تَخَوَّفَهُ وَاللَّهُ دَرُوشِي وَاقِعٌ كَانَامٌ هِيَ جِبْ كَمَلٌ هُوَ جَائِئٌ تُوْمَنْزَلٌ بِرَبِّهِ جَائِئٌ هِيَ۔ وہاں اللہ کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں نظر نہیں آتی۔

○ ایک دن ایک درویش حضرت کی خدمت میں ایسے کھڑا ہوا۔ جیسے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں آپ نے فرمایا ایسے کھڑے ہو جیسے نماز پڑھ رہے ہو۔ لیکن اس سے بہتر یہ تھا کہ ہتھارا وجود نہ ہوتا۔

○ آپ نے فرمایا جو چیز اللہ کی نہیں وہ کچھ نہیں۔ جو بندہ اللہ کا نہیں وہ انسان نہیں۔

○ جہاں تم اپنا وجود تسلیم کرتے ہو وہاں دوزخ ہے۔ اور جہاں اپنے وجود کی نفی کرتے ہو وہی بہشت ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا اللہ اور بندے کے درمیان حجاب آسمان اور زمین نہیں ہے عرش و کرسی نہیں ہے۔ بلکہ یہ حجاب ہے غرور اور تکبر کا۔ تکبر شاد و خدا کو پا لو گے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ چار اقوال چار کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ تو ریت سے

مَنْ قَنَعَ شَلَعَ اِدْحَسْ نَعْتِ كِي چهل پایا، انجیل سے مَنْ اِعْتَزَلَ سَلَمَ (جس نے اپنے آپ کو گرایا وہ سلامت رہا)، زبور سے مَنْ صُمَّتْ نَجَادِ جَسْ نَعْتِ خَامُوشِي

اختیار کی نجات پالی، قرآن سے وَمَنْ تَيَوَّكَلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ جَسَدٌ (جو اللہ پر توکل

کرتا ہے اللہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔



پھر آرام کو چھوڑ کر آگے بڑھتا جاتا ہے۔ وہ یہ معلوم کرتا ہے کہ وہ صرف اپنے اللہ کو محبوب رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر نگاہ التفات رکھتا ہے۔ یہ تمام مقامات اس کی دوستی اور محبت کا نتیجہ ہیں۔ یہ میری کوشش مجاہدہ سے نہیں۔ وہ اس مقام پر پہنچ کر رکھتا ہے۔ اس وقت اس پر توحید کے دروازے کھلنے شروع ہوتے ہیں وہ جان لیتا ہے۔ اور دیکھ لیتا ہے۔ اللہ اسے شناسا بنا لیتا ہے۔ تاکہ وہ پہچان لے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کام کو آسان بنا رہا ہے اِنَّمَا الْاِشْيَاءُ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ رَتَامَ جِزِيں اللّٰهِ کی رحمت سے مکمل ہوتی ہیں، اس مقام پر وہ جانتا ہے۔ کہ تمام ابھی کی ذات ہے۔ ہمہ اوست! اور ہمہ از دست!

تکبر اور غرور کی ساری کیفیت انسان کی ابتلا اور مصائب کی علامت ہے یہ انسانی غلطیاں اللہ تعالیٰ نے اپنی جباریت کے اظہار کے طور پر مسلط کی ہیں انسان اللہ کے اوصاف سے باہر نہیں جاسکتا اور جبار بھی اللہ کا اوصافی اسم ہے ان عادات کا مظاہرہ جب انسانی ذات سے ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے۔ انسان کامل تو ان اوصاف کو بھی از دست یا ہمہ اوست کہہ اُس کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ ان حالات میں بھی انسان کامل کے اندر عجز پیدا ہوتا ہے۔ اور تکبر و غرور ختم ہو جاتا ہے۔ انسان آزاد اور آسودہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت بندہ وہی چاہتا ہے جو اللہ چاہتا ہے اور اس اتباع میں آسودگی پاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ ہمہ اوست۔ میں تو کچھ بھی نہیں۔ اس کا علم بھی یہی کہتا ہے۔ کہ میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ اس طرح آسان کو آسان نہیں بناتا۔ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتی ہیں۔ یہ زخم نہ تو سوئی سے سینے جاسکتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی رشتہ میں پردے جاسکتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی عطا ہے۔ اللہ کی تعلیم یہی ہے۔ ذَالِكِ جَمَاعَلِي رَبِّي الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ  
یہ وہ مقام ہے جسے مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھایا اور قرآن کی تعلیم دی!



○ حضرت شیخ سے لوگوں نے پوچھا حضرت نماز پڑھتے وقت ہاتھ کہاں باندھے

بائیں۔ فرمایا۔ ہاتھ دل پر اور دل اللہ تعالیٰ پر۔

○ حضرت شیخ نے ایک بار فرمایا۔ تمام چابک سواران راہ سلوک حضرت بایزید

بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے کوچے میں پہنچے۔ اور ان کی باگیں کھینچ گئیں۔ آج حضرت بایزید

کہاں ہیں تاکہ وہ ایک زبردست سوار کو دیکھ سکیں!

○ ایک بار لوگوں نے حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ سے پوچھا کہ انسان اپنی خواہشات

سے کب رکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ کا فضل ہو۔ یہ بات انسان کی اپنی کوشش سے

نہیں ہو سکتی۔ اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے ہو سکتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب اللہ کا فضل

ہونے لگتا ہے تو توبہ کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ پھر وہ مجاہدہ کی طرف راغب ہو جاتا ہے

وہ کوشش کرنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی راستہ ہے۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہتا

ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے لئے ترقی کی راہیں کھل رہی ہیں۔ یا اب وہ کام کرنے لگا ہے

مگر اسے منزل نہیں ملتی۔ اور وہ محسوس کرتا ہے۔ کہ مختصر سے مجاہدوں کی یہ آلائش اس کے راستہ میں

حائل ہے۔ وہ توبہ کرتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ یہ سب اللہ کی توفیق سے ہے۔ اب اس کے دل پر

اللہ کی راہیں کھلنا شروع ہوتی ہیں اور یقین کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ وہ آگے بڑھتا ہے

اس نے جن جن لوگوں سے چیزیں لی ہوتی ہیں۔ ان سے انہیں خواری اور شرمندگی آنے لگتی ہے

اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کیوں ہے اس کے دل سے خشک رنج ہونا شروع ہوتا ہے پھر وہ

اُس پر محبت کے دروازے کھلنا لگتے ہیں۔ دوستی کے اثرات بڑھنے لگتے ہیں۔ اس محبت میں اپنی

خودی اور تکبر ختم ہوتی جاتی ہے ان حالات میں لوگوں کی ملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی

یوں صورت ہوتی ہے۔ کہ وہ اس راستہ میں جو کچھ آئے یا طعن و تشنیع کا سامنا ہو اسے قبول کرتا

ہے۔ اس سے نالاں نہیں ہوتا۔ اس کے اندر ایک معرفت کا نور نمایاں ہونے لگتا ہے۔ وہ

کہتا ہے۔ میں دوست رکھتا ہوں۔ اس حالت میں مزید آگے بڑھتا ہے۔ چند لمحے آرام کرتا ہے



شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ نے ان اسرار کو بیان کرنے کے بعد مزید فرمایا۔

جَذَبُ جَدِّ بَتَّةً مِنْ الْمَخْلُقِ إِلَى مَعَايِنِهِ الذِّاتِ فَيَحْنُذُ صَارَ الْعِلْمُ  
عَيْنًا وَالْعَيْنُ كَشْفًا وَالْكَشْفُ شَهُودًا بِأَشْهُودٍ أَوْضَارًا الْكَلَامُ  
خَرَسًا وَالْحَيَاةُ مَوْتًا وَأَنْقَطَعَتِ الصَّبَارَاتُ وَالْمَحْتُ الْأَشَارَاتُ  
وَالْمَحْتُ الْمُخْصُومَاتُ وَشَرُّ النَّقَادِ صَحُّ الْبِقَاوَرَالْتِ وَالْعَنَادِ طَاحُ  
الْمَاءِ وَالطَّيْنُ رَيْقِي مَنْ كَسُو يَزَلُ حَسِينٌ وَحَسِينٌ قَلُّ أَرَابْتُمْ  
إِنَّ أَصْبَحَ مَاءٌ كَسُو غَوْرًا فَمَنْ يَا تَيْكُم بِمَاءٍ مُعِينٍ ط۔

○ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنی حاکمیت کے باوجود مخلوق خدا کے

حقوق کو اپنے حقوق کے تابع رکھتا ہے۔ یعنی ان کو اولیت دیتا ہے۔ اپنے فضل و کرم سے  
سے اپنے حقوق خلق میں یہ بات گوارا نہیں کرتا۔ باوجودیکہ کہ رحمت اللہ کا خاصہ ہے اور  
عجز مخلوق کا خاصہ ہے تاہم وہ حقوق العباد کو معاف نہیں فرماتا۔

آرے چنیں کنند کہ میاں کہ شاد کرد سوئے رہے بختیم بزرگی نگاہ کرد

○ ایک دن حضرت شیخ نے دوران گفتگو ایک شخص کو مخاطب فرمایا۔ اور کہا

تمام ڈر ہمارے نفس کی وجہ سے ہے۔ اگر اسے نہ مارو گے تو وہ تمہیں مار دے گا اگر  
اس پر سختی نہ کرو گے تو وہ تم پر سختی اور قہر کرے گا۔

○ ایک دن حضرت منبر پر تشریف فرما تھے فرمایا کہ اگر کوئی شخص میرے بعد یہ

پوچھے کہ تمہارے پیر نے تمہیں کیا سکھایا تھا۔ تو یہ کہو کہ چار اصول۔ حکم الوقت۔ اشارۃ السیر

فتوح الغیب۔ اور سلطان الحق۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص بلند مقامات روحانی پر پہنچا ہے اور غیب

پر مطلع ہونا نصیب ہوا ہے اور اس کا کوئی پیر و مرشد یا استاد بھی نہ ہو۔ مجاہدات کے باوجود

بعض اوقات فائدوں کی بجائے نقصان زیادہ ہوتا ہے۔



ایک دن حضرت شیخ قدس سرہ نے دورانِ وعظ فرمایا۔ تصوف ذلت میں عزت ہے روشنی میں تو نگری ہے۔ بندگی میں بادشاہی ہے بھوک میں سیری ہے عربانی میں پوشیدگی ہے غلامی میں آزادی ہے۔ موت میں زندگی ہے تلخی میں شیرینی ہے جو شخص راہِ تصوف پر گامزن ہوتا ہے۔ اور سنبھل کر نہ چلے وہ سرگرداں رہتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے ایک اور مقام پر فرمایا۔ کہ انسان کو دو کاموں میں مشغول رہنا چاہئے جو چیز سے اللہ سے دُور رکھتی ہے اس سے دور رہے۔ درویشوں کو راحت پہنچائے اگر یہ دونوں کام صحیح طریقہ پر سرانجام پائیں گے تو مقصد کے حصول میں کامیابی ہوگی۔

○ حضرت شیخ سے درویشوں نے پوچھا حضرت مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کو ملنے کے لئے کتنی راہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ایک۔ راہت کی روشنی میں تو ایک ہزار راہیں ہیں اور ایک دوسری راہت میں کائنات ارضی کے ہر ایک ذرے کے برابر اللہ تک پہنچنے کی راہیں ہیں۔ لیکن سب سے آسان اور محفوظ راہ یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کو آرام و راحت پہنچائی جائے۔ ہم نے یہی راستہ اختیار کیا اور اپنے دوستوں کو بھی اسی راہ پر چلنے کی وصیت کرتے ہیں

○ ایک درویش نے حضرت شیخ سے سوال کیا حضرت خداوند تعالیٰ کو کہاں تلاش کیا جائے۔ آپ نے اسے فرمایا۔ تم نے کہاں تلاش کیا ہے تو وہ تمہیں نہیں ملا۔ تم جہاں کہیں دیکھو گے اسے پا لو گے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ بندہ کو دو رخ میں لے جائیں گے اسے دُور سے ایک نور نظر آئے گا۔ وہ کہے گا۔ یہ کیا نور ہے؟ کہیں گے یہ فلاں بزرگ کا نور ہے۔ وہ شخص کہے گا۔ میں تو اس بزرگ کا زندگی میں مرید تھا اور اسے محبت کرتا تھا۔ یہ بات اس بزرگ تک پہنچائی جائے گی وہ بزرگ اس مرید کے لئے بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کے لئے آگے بڑھیں گے اللہ تعالیٰ اس بزرگ کے وسیلہ سے اس بندے کو بخش دے گا۔

○ حضرت شیخ قدس سرہ سے لوگوں نے سوال کیا۔ کہ یہ کیا بات ہے کہ بعض دوستوں کو



اللہ کا دیدار ہو جاتا ہے مگر بعضوں کو محرومیت کا شکار ہونا پڑتا ہے آپ نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے اس کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے محبت کرتا ہے اس پر وہ آشکارا فرماتا ہے۔

○ ایک درویش نے حضرت سے پوچھا کہ صوفی کون ہے۔ آپ نے فرمایا صوفی وہ

ہے جس کا ہر کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ اور وہ جو کام بھی کرے اللہ کو پسند ہو

○ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔ دنیا دار دنیا کی نعمتوں میں خوش رہتے ہیں مگر آخرت

کے منعم دنیا میں غم و اندوہ سے بسر کرتے ہیں۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ ما و ابہنر کے بزرگوں نے کہا ہے۔ کہ شرک کی جگہ خوشی

ہے۔ ایمان کی منزل حزن و ملال ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ عم اللہ تعالیٰ کی حمایت کا قلعہ ہے جس میں کوئی مصیبت

نہیں آسکتی۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا کہ دنیا دار شیطان کا شکار ہیں۔ وہ شہوات اور خواہشات

میں پھنسے رہتے ہیں۔ آخرت والے اللہ تعالیٰ کے شکار ہیں وہ اندوہ و غم کی کند میں پھنسے

رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُحِبُّ كُلَّ قَلْبٍ حَزِينٍ

اللہ تعالیٰ غمزوہ دل کو پسند فرماتا ہے،

○ حضرت شیخ قدس سرہ نے ایک درویش کو فرمایا۔ جو کچھ تم کہنا چاہتے ہو کہو۔ تاکہ

کوئی بات ناگفتہ نہ رہ جائے۔ جو کچھ کرنا چاہتے ہو کرو تاکہ کوئی چیز نا کردہ نہ رہ جائے۔

○ خواجہ ابوالبرکات کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا گیا۔ کہ میں نے حضرت پیر ابو بکر

درونی قدس سرہ سے سنا تھا۔ جنہوں نے بتایا کہ انہوں نے حضرت ابوالحسن قدس سرہ سے

سنا تھا۔ انہوں نے بتایا۔ کہ انہوں نے یہ بات حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ کی



زبانی سنی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا عَلَيَّ  
اعْمَالِهِمْ حُسْرَفِي زَمَرْتَهُمْ وَحَوْسَبَ مَجْنَابِ سِوَانٍ لَسْمُ  
يَعْمَلُ بِاعْمَالِهِمْ ط

○ حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کے ہاں کوئی بٹیا یا پوتا پیدا ہوتا۔ تو آپ کی  
خدمت میں پیش کیا جاتا۔ تاکہ آپ اس کے کان میں اذان کہیں۔ حضرت اس کے کان پر  
منہ رکھتے۔ اور اذان کی بجائے پوری نماز سناتے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ جو شخص خلق کو مخلوق کی آنکھ سے دیکھتا ہے تو اس کی  
دشمنی اس سے بڑھ جاتی ہے۔ لیکن جو شخص مخلوق خدا کو اللہ کی نگاہوں سے دیکھتا ہے تو ان  
سے اسے خوشی اور آرام ملتا ہے

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ إِنَّ أَدْلَ مَنْ  
يَقْرَعُ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ مِنْ أُمَّتِي فَقَرَاءَهَا۔ وَكَثْرًا هَلْ الْجَنَّةُ  
مِنْ أُمَّتِي ضُفْعَاءُ وَهَا وَشَرَارَ أُمَّتِي مَنْ يُسَاقُ إِلَى النَّارِ الْأَقْمَاعِ۔  
قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمِنْ الْأَقْمَاعِ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الَّذِينَ إِذَا أَكَلُوا لَمْ يَشْبَعُوا وَإِذَا حَمَبُوا لَمْ يَسْتَعْنَوْا

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ جو استاد کا ادب نہیں کرتا۔ وہ بطلان ہے۔

○ حضرت شیخ کو ایک بار دورانِ مجلس سوال کیا گیا۔ کہ حضور تصوف کیا ہے؟

حضرت نے فرمایا۔ تصوف حکم کے سامنے صبر کرنا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر  
پر کار بند رہنا۔ تمام قدرت کے ہوتے ہوئے تسلیم و رضا اختیار کرنا ہے۔

○ حضرت شیخ رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے۔ جس دل میں اللہ کی طرف سے راز

نہیں وہ کلام خداوندی نہیں سن سکتا۔ ایسے دل میں اخلاص پیدا نہیں ہوتا۔ جسے  
اخلاص نہیں وہ نجات نہیں پاسکتا۔ پھر فرمایا۔ کہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم



فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن اخلاص سے نجات ہونی ہے اور شرک حیوانوں کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اخلاص اختیار کرنے والے جنت میں داخل ہوں اور شرک کرنے والے جہنم میں ڈالے جائیں۔ پھر حضور نبی کریم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ مَنْ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَهُمْ مَنْ فَرَعَ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ آمَنُونَ وَمَنْ جَاءَ بِآيَاتِهِ فَكَتَبَ وَجُوهَهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تَجْزُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ پھر فرمایا۔ اخلاص طلب کیا کرو۔ کیونکہ اخلاص سے ہی۔ دنیا و آخرت میں خلاصی ہے حضور نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ معاذ اپنے دین میں خلوص پیدا کرو۔ یہ تھوڑے عمل میں بھی کفایت کرے گا۔

○ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔ عالم وہ ہوتا ہے جس میں خلوص ہو۔ جس کے دل میں خلوص نہیں اسے دین کا علم نہیں آ سکتا۔ اور نہ وہ شریعت پر چل سکتا ہے ایک شخص نے پوچھا۔ حضرت خلوص کیا ہے؟ آپ نے بتایا۔ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے خلوص سیرا الہی ہے۔ جو انسان کے دل و جان کو روشن رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ اسی سیر پر پڑتی ہے۔ اور اس سیر کو اللہ تعالیٰ کی پاک نگاہ سے امداد حاصل ہوتی ہے۔ موحّد صحیح معنوں میں اسی سیر سے موحّد ہو سکتا ہے کسی نے پوچھا یا حضرت یہ سیر کیا ہے فرمایا یہ الطاف حق سے ایک لطیفہ و لطف و کرم ہے۔ اس نے فرمایا ہے اللہ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے) یہ بات اللہ کے فضل و کرم سے پیدا ہوتی ہے رحمت اور کسب سے نہیں ملتی۔ ابتداء کار میں انسان کے دل میں نیاز مندی۔ انکساری۔ حزن اور اراوت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس نیاز مندی پر اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت و کرم پڑتی ہے اس کے دل میں اس کے لطف کی چاشنی پیدا ہوتی ہے اس لطیفہ رحمت پر اللہ کا مقرب فرشتہ بھی آگاہ نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی نبی مرسل واقف ہوتا ہے۔ اسی لطیفہ رحمت کو سیرا الہیہ کہا جاتا ہے اور اسی کا دوسرا نام اخلاص ہے۔ نبی کریم صاحب کو ثروت و تسنیم



صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ مخلوق میں اعلان کر دیجئے قُلْ بَفَضْلِ اللَّهِ  
وَبَرَكَاتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا اخلاص ایسا راز ہے جسے نہ فرشتے لکھ سکتے ہیں نہ دوسرا انسان  
واقف ہو سکتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا جو شخص سانس سے زندہ رہتا ہے وہ موت سے مر جاتا  
ہے جو شخص اخلاص اور صدق سے زندہ رہتا ہے۔ وہ کبھی نہیں مرتا۔ وہ تو ایک گھر سے دوسرے  
گھر منتقل ہوتا ہے۔ آپ نے خوش انداز میں فرمایا۔

گرمردہ بوم برآمدہ سارے بیست

چہ پنداری کہ گورم از عشق تہیت

گردست بنجاک بر نہی کاین جاکیست

آواز آید کہ حال معشوقم چسیست

پھر حضرت شیخ نے فرمایا۔ موحّدوں کی معشوقہ تو وہی ستر پاک یعنی اخلاص ہے یہ ستر باقی  
رہتا ہے اور یہ ستر اللہ کی نظر میں قائم رہتا ہے جس میں یہ ستر ہے۔ زندہ ہے جس کو یہ ستر  
نہیں وہ حیوان ہے۔

○ حضرت نے ایک دن منبر پر فرمایا اَلَا مَنْ عَاشَ بِاللَّهِ۔ لایموت ابدًا۔ اخلاص  
تو اللہ کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔ ایسا انسان کبھی نہیں مر سکتا۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بذات خود تمہارے دلوں میں  
آئے تو پہلے دلوں کو غیر اللہ سے پاک اور صاف کر دو۔ کیونکہ شہنشاہ اس گھر میں نہیں جلتے  
جہاں خرافات اور بے ہودگی ہو۔ وہ تو اس گھر میں رونق افروز ہوتے ہیں جو پاک اور صاف  
ہو۔ ان کے سوا دوسرا کوئی نہ ہو۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ عبودیت کی حقیقت دو چیزوں پر ہے حُسنُ الْاِفْتِقَارِ  
الی اللہ۔ اللہ کی بارگاہ میں نہایت انکساری اور فقر کی حالت میں پیش ہونا۔ اور اس سے  
باطنی احوال کھلتے ہیں حَسَنُ الْقَدْرَةِ الی رسول اللہ حضور کی بارگاہ میں ادب و محبت۔ حضرت



شیخ فرمایا کرتے تھے۔ ساری عمر میں اگر ایک سانس صاف لے لیا۔ جو نفسانی خواہشات کے خلاف ہوگا۔ تو یہ بھی ایک مبارک بات ہے جو سانس اللہ کی رضا کے بغیر ہو وہ سانس نہیں تو رکادھواں ہے جب نفس مقہور اور مغلوب ہو جائے تو سانس صاف کرتی ہے۔ دل صاف ہو جاتا ہے۔ جس طرح نسیم صبح گلستان میں سے گذر کر جس بیمار سے گذر کرتی ہے اسے راحت پہنچاتی ہے اور اسے شفا بخشتی ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ التَّصَوُّفِ أَرَادَةَ الْحَقِّ فِي الْمَخْلُوقِ بِلَا خَلْقٍ بِمِثْرِ فَرَايَا  
یہ تلون۔ یہ شورش۔ یہ اضطراب۔ یہ تفسیر تمام کے تمام نفس کی فرستیاں ہیں جہاں انوار حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہاں نہ دلوں رہتا ہے نہ دم نہ تفسیر نہ تلون۔ لَيْسَ مَعَ اللَّهِ وَحْشَةٌ وَلَا مَعَ النَّفْسِ دَاخِلَةٌ پھر فرمایا۔

مرد بائید کہ جگر سوختہ خنداں بودا

نہ ہمانا کہ چین مرد سراواں بودا

○ حضرت شیخ قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت فتوحات کے کہتے ہیں آپ نے فرمایا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِنْ تَرَحُّنْتَنِي لَا خِيَك مَا تَرَضُّنِي لَنْفَسِكُ جو چیز تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کر دو۔

○ حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کو ایک دن میں تین سو ستر بار دیکھتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا کوشش کوشش سے بہتر ہے۔ جب تک کوشش نہ ہو کوشش نہیں ہو سکتی۔ جب تک کوشش نہ ہو نگاہ نہیں ہوتی۔

○ لوگوں نے حضرت شیخ سے پوچھا۔ یا حضرت طریقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا صدق۔ اور رفق۔ صدق اللہ کے ساتھ اور رفق (نرمی) مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے۔

○ ایک درویش نے ہمارے شیخ قدس سرہ سے سوال کیا۔ حضرت یہ دلوں میں



سوز کس طرح ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ دراصل یہ آتشِ نیاز ہے اللہ تعالیٰ نے دو آگین پیدا کی ہیں۔ ایک زندہ آگ اور ایک مردہ آگ۔ زندہ آگ آتشِ نیاز ہے جو سینوں میں سلگتی رہتی ہے اور ان کا سینہ اس آگ سے فروزاں رہتا ہے۔ یہ نورانی آگ ہے۔ جب انسان کا تن من جل جاتا ہے تو یہ آگ آتشِ شوق بن جاتی ہے۔ یہ آتشِ شوق نہ اس دنیا میں بجھتی ہے نہ اس جہاں میں۔ اسی آگ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا ارَادَ اللّٰهُ بَعْدَ خَيْرٍ اَقْدَفَ فِي قَلْبِهِ نُورًا قَبْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا عَلَمَتْهُ ذَالِكَ النُّوْرُ۔ قَالَ اِلْتَجَانِيْ عَنِ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةِ اِلَى دَارِ الْخَلُوْدِ وَالْمَسْتَعِيْدُ اِدْلِيْمُوْتِ قَبْلَ نَزُوْلِ الْمُوْتِ ۝

اس سائل نے کہا۔ حضرت جب آتشِ شوق بھڑکتی ہے تو وہ دیدار کی دولت عطا فرماتا ہے پھر آتشِ شوق کم ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ چاند کے دیکھنے سے نور سے تسکین نہیں ہوتی۔ دیدار سے تو تشنگی بڑھتی ہے۔ اس سے سیری نہیں ہوتی۔ جو آج غیب ہے وہ کل کون دیکھ سکے گا۔ اس کی صفت پر گردش کا اثر نہیں ہوتا۔ جو شخص دیکھتا ہے اپنی ایمانی قوت سے دیکھتا ہے۔ نور ایمان دل سے آنکھوں میں آتا ہے اور اسی نور ایمان سے جلال و جہاں نظر آتا ہے۔ آتشِ مردہ دوزخ کی آگ ہے۔ یہ آتشِ ظلمت ہے یا آتشِ وحشت ہے۔ جو آتشِ زندہ (آتشِ شوق) سے نہیں جلتا اسے آتشِ زندہ سے جلا پا جاتا ہے اس جہاں میں بھی اور اس جہاں میں بھی۔

آتشِ مردہ ہرگز پورا آذر یا سوخت پورا آذر پیش آزیں آتشِ چو خاک تر شد

تا بدیں آتشِ نوازی تو یقین صافی نہ خواہ اگر دیوانہ خوانی خواہ کوئی بہ دست

○ حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا۔ سات سو پیرانِ طریقت نے گفتگو کی ہے مگر جو

بات اولین مشائخ نے کی ہے وہی آخرین نے کی ہے۔ صرف الفاظ اور عبارت مختلف تھی

ان کا مطلب اور معنی ایک ہی تھا۔ کہ تصوف ترکِ تکلف ہے۔ کوئی تکلف اپنی ذات



سے زیادہ نہیں۔

○ صوفیائے حضرت شیخ قدس سرہ سے پوچھا کہ کیا مرشد کے بغیر راہ طریقت طے کی جاسکتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ پیر طریقت نے راستہ کے نشیب و فراز سے آگاہ کرنا ہوتا ہے وہ ہر منزل پر آگاہ کرتا ہے۔ کہ اب یہ فلاں منزل ہے۔ یہاں زیادہ قیام کرنا چاہیے۔ یہ مقام خطر ہے۔ یہاں سے جلدی گزرنا چاہیے۔ اسے نرمی سے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے تاکہ وہ پوری قوت کے ساتھ اس راہ کو طے کرتا جائے۔ اور منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ جو شخص اپنے مرشد کی راہنمائی کے بغیر راہ طریقت کو طے کرتا ہے۔ وہ ایسے دیو کی طرح ہے۔ جو جنگل میں جا رہا ہو۔ اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ راستہ کس طرف جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کَاذِبٌ اُسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ۔ یہ اس شخص کی طرح ہے۔ جسے شیطانوں نے بہکا دیا ہو۔ اور وہ راہ میں حیران و پریشان کھڑا ہو۔ اصل مقصد یہ ہے کہ پیر و مرشد کے فرمان کے مطابق راستہ طے کیا جائے۔ اگر اتباع کی جائے تو ہدایت پائی جاسکتی ہے۔ مرید مرشد کا فرمان بردار ہو۔ تو وہ ایسے ہی جیسے ایک بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاع اللہ (جس نے رسول خدا کی اطاعت کی وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے) الشَّيْخُ فِي قَوْمِهِ كَالْمَنْبِيِّ فِي اُمَّتِهِ مرشد اپنی قوم میں ایسے ہی ہوتا ہے۔ جیسے نبی اپنی امت میں ہوتا ہے۔

○ حضرت شیخ فرماتے ہیں بزرگان دین کی صحبت اور مجلس میں بیٹھنے کے خاص آداب ہوتے ہیں لباس صاف ہو اور یہ لباس تواضع کا ہوتا ہے۔ انسان کی تواضع سے بہترین لباس آج تک دنیا میں نہیں بنا۔ تواضع انسان کو دوسروں کے دلوں میں عزیز بناتی ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جو شخص تواضع کرنا ہے۔ اللہ اس کے درجات بلند کرتا ہے) تواضع کا مطلب انکساری ہے اور سر جھکانے اور عجز کا اظہار ہے یاد رہے۔ تکبر سے بڑھ کر انسان کے لئے کوئی آفت نہیں ہے۔ تکبر سے سرفرازی اور خود سری ملتی ہے۔ مگر یہ خود سری ابلیس نے سکھائی جس



نے کہا انا خیر منہ (میں اس سے بہتر ہوں) تکبر کے ایک نعرے سے اس کی ہزار  
سالہ عبادت اکارت گئی۔

کہتے ہیں ابلیس بازاروں میں گھومتا ہے اور کہتا ہے۔ لوگو! تکبر نہ کرو۔ خود سری نہ کرو۔  
نہیں تو مجھے دیکھ لو۔ میرا کیا حشر ہوا ہے۔ تکبر کبریائی اور بزرگ داری تو صرف اللہ کی ذات کو  
زیب دیتی ہے۔ جو شخص اللہ کا مقابلہ کرتا ہے وہ اس کے قبر کی گرفت میں آتا ہے۔

○ حضرت شیخ فرماتے ہیں جو شخص امور تصوف ہمارا ساتھی ہو گا۔ وہ ہمارا اپنا ہے وہ  
ہر وقت ہمارے پاس ہے۔ اگرچہ ظاہراً وہ کتنے فاصلے پر ہو جو شخص امور تصوف میں ہمارا ہم خیال  
نہیں ہے خواہ وہ ہمارے کتنا ہی قریب ہو۔ ہمارا ساتھی نہیں ہو سکتا۔ جس شخص نے کہا تھا۔ کہ  
.. اللہ کا قحط آ گیا ہے " اس کا معمول تھا۔ کہ وہ کسی قافلے کو دیکھتا۔ اور کہتا قافلہ والوں میں سے  
کوئی ایسا شخص ہے جس کے پٹے پارہ پارہ ہوں۔ اگر کوئی مل جاتا تو فرماتے یہ ہمارا ساتھی ہے  
اسے دنیا داری سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

○ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ وہ لوگ کتنے خوش قسمت ہیں جنہیں رحمن اور رحیم سے

واسطہ پڑا ہے۔ ایک ہم ہیں کہ اپنے جبار و قہار سے واسطہ ہے۔

نزدیکانزا بیش بود حیرانی کالیشان دانندیاست سلطانی

○ حضرت نے ایک بار فرمایا۔ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں تو ہم اپنی ٹوپی کا ایک

گوشہ بھی درست نہیں کر سکے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا جو کام بھی کرو۔ دوست کے ساتھ کرو۔ زندگی کے سفر میں دست

ہی کام آتے ہیں۔ جہاں کہیں تمہارا قدم ڈگمگاتا ہے۔ دوست ہی کام آتے ہیں۔

○ حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا۔ ہم مشرق سے لے کر مغرب تک اسے دیکھتے ہیں جس

طرح تم لوگ ایک تھالی میں دیکھتے ہو۔ تھالی میں جو کچھ ہوتا ہے تم دیکھتے ہو۔ ہم بھی اسی طرح ساری

نشانات کو مشرق و مغرب تک دیکھتے ہیں۔



○ حضرت شیخ نے یہ حدیث پڑھی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سَتَتَفَرَّقُ  
 اُمَّتِي اِثْنَاوَسَبْعِينَ فَرَقَةً اَلنَّاجِي مِنْهُمْ وَاَحَدَةٌ وَاَلْبَاقُونَ فِي النَّارِ  
 میری امت بہتر فرقوں میں ہوگی۔ صرف ایک فرقہ نجات یافتہ ہوگا۔ باقی تمام کے تمام آگ میں  
 ہوں گے۔ حضرت شیخ نے فرمایا یعنی فی النَّارِ اَلْفَسْهُمَ رِیہ لوگ اپنی تکبر اور خواہشات کی آگ  
 میں جلیں گے)

○ قاری عبد الرحمن جو حضرت شیخ قدس سرہ کے خصوصی قاری تھے بیان کرتے ہیں کہ  
 ایک دن حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہ العزیز سماع کی مجلس میں رقت میں تھے بغیر مارتے  
 تھے۔ رقص کرتے تھے اور مجمع عام میں بے خودی میں تڑپ رہے تھے۔ ہوش میں آئے۔ خاموش  
 ہوئے۔ ہم بھی تمام خاموش بیٹھے تھے آپ نے فرمایا۔ سات سو بزرگان دین نے تصوف کی  
 ماہیت میں گفتگو فرمائی ہے۔ سب سے عمدہ بات یہ ہے اِسْتِعْمَالُ الْوَقْتِ بِمَا هُوَ اَدْوَلُ اَبَدِ  
 وقت کا صحیح استعمال ہی بہترین بات ہے۔

○ حضرت نے فرمایا رُسُوں کے بندے زندگی میں ہی مردہ ہوتے ہیں مگر حقیقت کے  
 بندے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔

○ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ ہم جہاں جہاں گئے۔ یہ بات ہمارے ذہن پر سوار رہی اور  
 ہم نفسی پر عمل کیا۔ ہم اللہ تعالیٰ کو پہاڑوں جنگلوں اور صحراؤں میں تلاش کرتے رہے ہو سکتا  
 تھا کہ اسے کہیں پالیتے اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کہیں نہ پاتے اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ اب  
 ہمیں اپنی بھی خبر نہیں رہی۔ ہم اسی کی ذات میں فنا ہو گئے ہیں۔ بقا اسی کی صفت ہے ہم کچھ نہیں  
 وہ ہمیشہ رہے گا۔ ہم نہ رہیں گے۔ اب ایک لمحہ کے لئے خودی کا دعویٰ کہ نازیب نہیں دیتا۔  
 ہمارا مشاہدہ۔ تصوف اور زہد کا دعویٰ صحیح نہیں جس کی نہ اپنی کوئی چیز ہو نہ اپنا نام ہو۔ اس کا  
 نام رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن ہم کس نام سے زندہ رہ سکتے ہیں۔

○ حضرت نے فرمایا جس وقت وہ چاہئے اسے یہاں ہی حاصل کر لے اور اسی کی



خوشبو پائے گا۔ وہ مجلس علمی مجلسیں ہیں۔ وہاں علم تو ملتا ہے۔ مگر یہ مجلس حق کی مجلس ہے اس مجلس میں کلاہ عزت اور جبہ مل جاتا ہے مگر حق کی مجلس میں کلاہ بعزۃ جاہ اور جبہ دستار پھن جاتے ہیں عزت صرف اللہ کی ذات کی ہے۔ اس کی عزت لم یزل ہے ساری کبریائی اور عزت اسی کی ذات کی ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا جو شخص درویشوں کے سماع کا منکر ہے وہ بطل ہے۔  
○ ایک دن حضرت شیخ قدس سرہ مینہ میں مجلس وعظ میں تقریر فرما رہے تھے کہ ایک کاروان گزرا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کاروان مبارک ہے! اس کاروان کے ساتھ ایک کتابھی تھا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کتابھی مبارک ہے۔ قیامت کے دن یہ کتابھی صاحب کہف کے کتے سے آگے ہو گا۔ اس نے ہماری بات کو سن لیا ہے۔

○ نیشاپور میں حضرت شیخ قدس سرہ سے لوگوں نے سوال کیا۔ حضرت کیا اس دنیا میں خداوند تعالیٰ کی کوئی ایسی نشانی ہے جس سے معلوم ہو کہ وہ اپنے بندے سے خوش ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نشانی یہ ہے کہ دنیا میں بندہ اگر اللہ تعالیٰ سے راضی ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ بھی اس پر راضی ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جہاں کہیں بھی شیخ ابوسعید کا ذکر ہو گا دل خوش ہونگے کیونکہ ابوسعید کے لئے کوئی بات نہیں کرتا۔

○ لوگوں نے حضرت شیخ سے پوچھا۔ کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کو دیکھا جاسکتا ہے مگر درویش کو نہیں دیکھا جاسکتا۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمت ہے ہمت کو دیکھا جاسکتا ہے درویش ہمت ہے اور نصیب کو نہیں دیکھا جاسکتا۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ مسلمانو! یاد رکھو بوجھ اٹھانے بغیر تمہیں نہیں چھوڑا جائے گا۔ اگر حقیقت کا بوجھ اٹھا لو تو بہتر ہے اس سے نقد راحت ملے گی۔ کل آرام ملے گا۔ وگرنہ باطل کا بوجھ تمہاری گردن پر ہو گا۔ اور اس کا نہ دنیا میں فائدہ ہو گا۔ نہ قیامت میں۔



○ لوگوں نے حضرت شیخ سے کہا وَلِذِكْرِ اللَّهِ أَكْبَرُ۔ کا کیا معنی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس کا معنی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو بہت اچھی طرح یاد فرمایا۔ بندہ اسے لکھا حقہ یاد نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ اپنے بندے کو یاد نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا یاد فرمانا یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو توفیق دیتا ہے۔ کہ وہ اسے یاد کرنے میں مشغول ہو جائے۔

یک چند و دیدم و قدم فرسودم      آخری تو پدید نامہ سودم ،  
تادست بعیت دنایت سودم      درخانہ نشتم و فرد آسودم

○ ایک قاری نے حضرت شیخ قدس سرہ کی مجلس میں یہ آیت پڑھی اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّٰتٍ الْفَرْدِ وِمْ نَزْلًا حٰلِیْدِیْنَ فِیْهَا۔ تو آپ نے یہ شعر کہے۔

جز درود دل از نظارہ خوباں چیت      آزا کہ دود دست و کیسہ از سیم تہبت  
قاری نے پھر پڑھا۔ فَاَوْلٰئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاَتِهِمْ حَسَنٰتٍ  
حضرت شیخ نے فرمایا۔

نار ابر چاہ بری دست زنی      لاجول کنی دود دست بردست زنی

○ حضرت شیخ نے فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام سے عزیز تر کوئی پیغمبر نہیں۔ اور آپ کی بادشاہی سے وسیع تر سلطنت نہیں ہے۔ بایں ہمہ ان کے قبضہ میں ہوا کے بغیر کچھ نہ تھا۔ وَاسْلٰیْمَانَ السَّرِیْحَ۔ جب ان کی مملکت کی قدر و قیمت دکھائی گئی۔ تو انہیں تخت سے ہٹا دیا گیا اور آپ کی جگہ صخر حن کو بٹھا دیا گیا۔ وہ حضرت سلیمان کی سلطنت میں حکومت کرتا رہا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کا ملک واپس کیا گیا۔ اور حکم کیا گیا اس سلطنت کو ایسے چلاؤ کہ پھر اسے واپس دیکھنے کی خواہش نہ ہو۔ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِاَوْحِدٍ مِّنْ بَعْدِي ط

○ حضرت شیخ سے لوگوں نے پوچھا۔ حضرت دولت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا



اس موضوع پر بہت سے بزرگوں نے اظہار خیال فرمایا ہے لیکن ہمارے خیال میں دولت حسن اتفاق کا نام ہے۔ جب مل جائے تو اسے عنایتِ ازلی سمجھنا چاہیے۔ یہ دولت سوئی سے سی نہیں جاسکتی۔ نہ ہی کسی رسی سے باندھی جاسکتی ہے۔ نہ تراندہ پر تولی جاسکتی ہے۔ جب نہیں ہوتی تو نہیں ہوتی۔

آزاکہ پیا مذرت دنیا آمد دانی کہ بیاندہ چو آوردہ بنود

( ) حضرت شیخ کی مجلس میں ایک شخص اٹھا۔ اور کہا حضرت اب ہمارے لئے کیا تدبیر

ہے؟ حضرت نے فرمایا۔ التَّدْبِيرُ فِي الْعَقْلِ تَدْمِيرٌ وَالتَّدْبِيرُ فِي الْعَشِقِ تَزْوِيرٌ (عقل میں تدبیر تباہی ہے مگر عشق میں تدبیر مکر و فریب ہے) کوئی خطاب اس سے بدترین نہیں ہے جو دولت کے حق میں یا اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے مگر اس کی تدبیر اپنے دشمن سے کی جائے۔ تدبیر نفس کی صفت ہے اور نفس دشمن ہے اگر تدبیر کرنا ہو تو دانائی سے کرو۔ اول زمانہ سے قیامت تک کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دانا تر نہیں ہے۔ نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ ان کی ذات اقدس سے تدبیر کرو۔ اور غور کرو آپ نے کیا فرمایا ہے اسی پر عمل کرو۔ جس سے روکا ہے اس سے دست کش ہو جاؤ۔

گفتارِ دراز مختصر باید کرد وزیرِ بد آموز خرد باید کرد

یارِ بد آموز نفس ہے۔ آرایت من اتخذ المهه هو يه ط:- اس کو دیکھو جس سے خواہشات کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔ جب تک تم اپنی ذات کے لئے ہو۔ ہرگز راحت حاصل نہ کر سکو گے۔ اگر اس نفس سے دور رہ کر بات کرو گے تو راحت و سکون پاؤ گے۔

○ ایک درویش نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا۔ حضرت عقل کیا چیز ہے آپ نے العقل آلة العبودیہ، عقل عبودیت کا ذریعہ ہے عقل سے ربوبیت کے اسرار نہیں پائے جاسکتے۔ کیونکہ عقل صورت ہے اور صورت سے قدیم کو نہیں پایا جاسکتا۔



حضرت شیخ نے ایک بار فرمایا۔ بادشاہ اپنے غلاموں کو نہیں بیچا کرتے تم کو شش

کر دو کہ اس کے غلام بن جاؤ۔ اس کی بندگی کرو۔ یا عبادی کا آواز نہ سنا ہو گا۔ تمہارا کام  
قیاس اور تصرف سے آگے بڑھ جائے گا۔

○ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قالب بدن بنانے سے چالیس  
ہزار سال قبل جانوں کو پیدا فرمایا۔ اور اپنے محل قرب میں رکھا۔ پھر اپنا نور ان پر نثار کیا  
اس نور خداوندی سے جس جان نے جتنا حصہ لیا اسی قدر اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت اور  
الطاف سے نوازا۔ اسی نور کی روشنی میں آسودہ ہوئے اور اسی نور میں پرورش پاتے  
رہے۔ اس دنیا میں جن لوگوں نے ایک دوسرے سے محبت کی۔ وہ ایسے حالات میں ایک  
دوسرے کے قریب رہے تھے اس دنیا میں بھی یہ لوگ ایک دوسرے کو دست رکھتے ہیں  
اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں آتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص اللہ کو ڈھونڈتا ہے  
اسی تعلق سے ڈھونڈ لیتا ہے کَمَا تَشَاءُ الْخَيْلُ حِينَ طَرَحَ كَهْوْرًا مِنْهَا نَزَلَ كُوسُوكُمْ  
لیتے ہیں اسی طرح یہ جانیں ایک دوسرے کی خوشبو پالیتی ہیں۔ ایک جان مغرب میں ہو۔  
دوسری مشرق میں ایک دوسرے سے انس و محبت کے روابط قائم کر لیتی ہے۔ اگر ایک پہلی  
صدی میں ہوا ہے اور دوسرا پانچویں صدی میں یہ دوسرا پہلی صدی واے کے اقوال و  
اعادیت سے مستفیض ہوتا رہتا ہے چنانچہ یہ ساری جانیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے نوازی  
جاتی ہیں وہ کسی چیز سے اللہ تعالیٰ سے جدا نہ نہیں ہوتیں نہ کسی مصیبت سے نہ کسی ابتلا سے  
نہ کسی پلایح سے نہ کسی کرامت مرتبہ سے جو شخص ان معانی سے انکار کرتا ہے وہ محض دروغ گو  
ہے۔ کیونکہ یہ کرامات و مقامات اللہ تعالیٰ کو نہیں چاہیے۔ یہ تو ساری چیز اس کے بندوں  
کے لئے ہوتی ہیں۔ جو ان مقامات کو پالیتا ہے۔ وہ اللہ سے اپنا نصیب حاصل کرتا ہے۔  
○ ایک دن حضرت نے فرمایا ہم مجلس بے علم برپا کرتے ہیں۔ اور دعوت بے خرچ



○ حضرت شیخ نے فرمایا ایک مدت ہوئی ہم اللہ کو تلاش کر رہے ہیں کبھی پالیتے ہیں اور کبھی محروم رہتے ہیں۔ اب ہم نے اپنے آپ کو تلاش کرنا شروع کیا تو نہ پایا ہمہ رو ہو گئے ہیں اور یہی وہ مقام ہے ہم اور ست کا۔

بچوں و چہرہ در شدم سالیان      کچوں این چنینی و چہر آں چناں  
چو از خواب بیدار شد خفت مرد      یہ بیداری آساں ترش گشت درد

○ حضرت نے فرمایا مرد حق کو ہر ایک چیز کرنی چاہیے۔ لوگوں نے تفصیل پوچھی تو فرمایا مرد حق کو تمام کو چوں اور مقامات پر جانا چاہیے اور اسے آزمانا چاہیے کہ اس کا دل کہیں جا کر غیر اللہ کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

○ حضرت نے فرمایا جو شخص اپنے آپ کو نیک جانتا ہے وہ اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتا جو شخص اللہ تعالیٰ سے بداندیش ہے وہ اسے نہیں پہچان سکتا۔

○ حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا۔ اگر لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ اللہ تعالیٰ کو عفو اور مغفرت کتنی پسند ہے تو ہر انسان گناہ میں مبتلا ہوتا پسند کرتا۔

○ حضرت سے پوچھا گیا۔ یا شیخ بزرگان دین کا یہ مقولہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ

فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کیا معنی رکھتا ہے۔ فرمایا۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ بِالْعَدَمِ

عَرَفَ رَبَّهُ بِالْوُجُودِ۔

○ لوگوں نے حضرت شیخ قدس سرہ سے پوچھا۔ حضرت یہ نصر عزیٰ کیا چیز ہے۔

فرمایا۔ کہ انسان کے دو دشمن ہیں۔ ایک دشمن تو وہ ہے جو اس کے پیرا، من کے اندر ہے اور

دوسرا دشمن باہر ہے جو ظاہر نظر آتا ہے۔ جب اسے باہر کے دشمن پر کامیابی اور فتح کی قوت

دی جاتی ہے تو اسے فتح و ظفر کہتے ہیں۔ اور جب اسے اندرونی دشمن پر کامیابی حاصل ہوتی

ہے۔ اسے نصر عزیٰ کہا جاتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا محنت سے سختی بڑھ سکتی ہے۔ روزی نہیں بڑھ سکتی روزی



تو ذائق مطلق کے فضل سے ہوتی ہے۔ کوشش سے نہیں!

○ حضرت نے فرمایا۔ پہاڑ کو ایک بال سے کھینچا جاسکتا ہے مگر اپنے آپ کو کھینچنا مشکل ہے۔

○ آپ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ وہ خوش ہیں۔ اور آرام میں بسر کر رہے ہیں مگر جس مصیبت میں ہم ہیں اگر یہ لوگ دیکھ لیتے تو مصیبت میں پھنس جاتے اور بھاگ جاتے۔ حضرت نے فرمایا۔ ہمارا شیطان صرف لاسول پڑھنے سے نہیں جاتا یہ تو ناچنے اور کودنے والا ہے۔

○ اللہ تعالیٰ ایک لاکھ صاحب دنیا کو ایک صاحب دل پر فدا کر دیتا ہے۔

○ میں نے اس شعر کا مطلب ستر سال بعد پایا ہے۔

دلئے اے مردم داد ز عالم برخواست جرم او کند و عذر مرا باید خواست

○ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی رَبِّ هَبْ لِي مَلَكًا اے اللہ مجھے

ملک عطا فرما جب آپ نے یہ معلوم کیا کہ یہ تو اللہ سے دُوری کی علامت ہے تو پھر کہہ لَآ يَنْبَغِي لِاِحِدٍ مِّنْ بَعْدِي۔

○ جب مرد کامل تجدید کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اُسے ملک سلیمان بھی سچ دکھائی

دیتا ہے۔ اگر تجدید کے راستہ پر نہ چلے تو اسے اپنی آستین کا ایک کونہ بھی اہم دکھائی دیتا ہے

یہ نا حضرت عمر الخطاب رضی اللہ عنہ نے سر بازار اپنی آستین کا بڑھا ہوا کونہ پھری سے کاٹ

دیا کہ یہ کونہ خدمت خلق میں ایک رکاوٹ کا سبب بنتا ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے عقل پیدا فرمائی تو اسے سلسلے رکھ کر

فرمایا۔ مَنْ اَنَارَ فِي كُونِ هُوں، عقل حیران رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نور سے نوازا

پھر پوچھا۔ کہنے لگی۔ انت لا الہ الا اللہ عقل کو معرفت کا راستہ اللہ کے نور کے بغیر نہ بلا۔

○ ایک دن حضرت شیخ نے مجلس میں فرمایا۔ زندگی علم سے ہوتی ہے۔ راحت معرفت



میں ہے ذوق ذکر الہی میں آتا ہے تو اب توحید میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت میں ہوگا۔ حکم کی تعمیل کا ثواب جنت ہے۔ اور منکرات سے پرہیز کا ثواب آگ سے نجات کا باعث بنتا ہے۔ اس موقع پر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ابْنِي اللَّهَ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ**

○ حضرت شیخ نے فرمایا جو بات ہم کہتے ہیں اس سے بہتر بات کہی نہیں جاسکتی لیکن اگر ہم یہ بات نہ کہتے تو اس سے بھی بہتر ہوتا۔

○ ایک دن حضرت کی مجلس میں بعض صاحب دل حضرات بیٹھے تھے۔ ایک نے کہا ہم جو کچھ کہتے ہیں کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ ہم جو کچھ سوچتے ہیں کرتے ہیں۔

چون نیت شہی ہست بودی صنما چوں خاک شہی پاک شہی لاجرا  
انسان جب تک صفات بشریت سے نیت اخالی نہ ہو جائے۔ وہ ہست نہیں ہو سکتا۔  
○ حضرت نے فرمایا۔ تم نہیں جانتے۔ اور یہ بھی نہیں جانتے کہ تم نہیں جانتے اور یہ بھی کبھی نہ چاہو گے کہ جان لو کہ تم نہیں جانتے!

○ شیخ قدس سرہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ اے بار خدایا۔ جو کچھ ہماری طرف سے پہنچتا ہے۔ استغفر اللہ۔ اور جو کچھ تیری طرف سے ہیں ملتا ہے۔ الحمد للہ۔

○ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ جس دل میں دنیا کی محبت ہوتی ہے وہ دل پراگندہ ہوتا ہے پراگندہ دل نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان۔

○ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہوئے ہیں۔ ایک دن ایک شخص نے آپ سے پوچھا۔ آپ کیسے ہیں؟ آپ کا حال کیا ہے؟ حضرت حسن بصری نے کہا۔ بھائی تیس سال ہو گئے ہیں میں نے اپنے نفس کے دروازے بند کر دیئے ہیں اور اللہ کے حکم کا منتظر بیٹھا ہوں۔

○ حضرت شیخ نے ایک دفعہ فرمایا۔ دل کی پریشانی تو دنیا کی محبت سے ہوتی ہے جب



تک دنیا کی محبت دل میں رہے گی۔ ذلِ مطہین نہیں ہو سکتا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حُبِّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ تَمَامُ بَرَانِيُوں كے شُكْرُ كَاسِپِه سالار تُو دِل مِیں بَیٹھا ہے وہ كِسی دُوسرے كُوراسے دے گا تُو دِل مِیں آئے گا۔ ابوالقاسم بشر یا سین یہ شعر بہت کہا کرتے تھے۔

مہمان تو خواہم آمدن جانانا ستواریک وزحاسدان پنھانا

خالی کن خانہ وز پس مہمان باماکس رانجانہ در منشانانا

○ حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ ابوالقاسم بشر یا سین قدس سرہ مبینہ کے

بزرگوں میں سے تھے۔ وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

کے گشت زندہ بدو ہر کہ گشت مردہ بدو

ازد حیات نیابی کہ از جزو نبوی

مقام صفوت خواہی و پائیت آلودہ

خیس ہمت ترسم کہ اندرونخوری

○ حضرت شیخ سے لوگوں نے پوچھا ہم اس بات پر بڑا غور و فکر کرتے ہیں مگر اس

بات کا مطلب نہیں پاسکتے۔ فرمایا غور و فکر تو بے خبروں کا کام ہوتا ہے۔ دنیا میں غور و فکر اور

تدبیر سے بڑا کوئی ڈاکو نہیں ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے اطلبوا اللہ شبرکم التذبییر

فَإِنَّ التَّذْبِيْرَ فِي هَذَا الطَّرِيْقِ تَذْوِيْرٌ ۝ اللہ کو تلاش کرنا ہو تو تدبیر کو ترک

کر دو۔ کیونکہ اس راستہ میں تدبیر کرنا مکرو فریب ہے۔

○ فرمایا مخلوق میں بدترین بیوقوف وہ ہوتا ہے جو دوست کے لئے دشمن سے

مشورہ کرتا ہے۔ یہ مشورہ تو معرفت کے نہ ہونے کی نشانی ہے۔ ایک بزرگ یہ دعا بہت

مانگا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْ اِلَيْکَ مِنْ قَلْبَتِهٖ مَعْرِفَتِیْ بِکَ۔

○ حضرت شیخ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا۔ کہ میں حضرت ابوالفضل حسن



قدس سرہ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا۔ ہم نے دوستوں سے ہاتھ اٹھائے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ دوست اچھے تھے۔ جنہیں تم دوست شمار کیا کرتے تھے۔ مگر اب تم نے ہاتھ اٹھائے ہیں یہ اس سے بھی اچھی بات ہے۔

○ الزیارة مع حضور القلب خیر من دوامها مع نفور القلب  
 حضور قلب سے کبھی کبھی زیارت کرنا اچھا ہے۔ یہ نسبت نفور قلب سے متواتر زیارت کرنے سے،  
 ○ جب تک انسان اپنے معاملات کی صفائی میں یہ کہتا ہے تم ایسے ہو۔ میں ایسا ہوں اس وقت ناکس رہتا ہے۔ مگر جب اس کی نگاہیں اللہ کے فضل و کرم پر پڑتی ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے تو ہی تو ہی اس وقت اس کی بندگی حقیقت بنتی ہے۔

○ حضرت شیخ قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا حضرت شریعت، طریقت اور حقیقت کی وضاحت فرمائی ہیں آپ نے فرمایا۔ یہ تمام سالک کی منزلوں کے نام ہیں اور شہریت اپنی منازل تک پہنچنے کی جدوجہد کرتی رہتی ہے۔ شریعت قالب و ہیکل پر نفی و اثبات کا نام ہے۔ طریقت محو کلی کی کیفیت ہے۔ اور حقیقت حیرت کا مقام ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دنیا سے سفاخرت کرنے لگے تو فرمایا۔ یا ہادی الطریق جرت۔ حیرت حقیقت سے پکار رہی تھی۔ یہ تمام باتیں نشانی ہیں۔ اور نشانی بے نشان سے کفر ہوتی ہے۔

○ حضرت نے فرمایا ہر کام سے طمع ہٹا دینا چاہیے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا عمل آسان ہو۔ تو عمل بغیر طمع کے ہونا چاہیے۔ اس کے بعد یہ اشعار فرمائے۔

کمال دوستی از دوستاں بے طمع ست      پھر قیمت آرد آں خیر کش بہا باشد

عطا دھند ترا بہتر از عطا بے یقین      عطا چہ باید چون عین کیمیا باشد

○ ایک درویش نے حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ سے پوچھا حضرت فقر

اور غنا میں سے کون سی چیز اچھی ہے۔ حضرت شیخ نے پہلے یہ شعر پڑھا۔

بوالعجب یاری اے یار خراسانی      چاکر بوالعجبیائے حسد اسامی







میں دریافت کیا تھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ آپ نے فرمایا۔ تم نہیں جانتے جب تک دو جہاں کی خواہشات سے آزاد نہ ہو جاؤ۔ بندہ نہیں بن سکتے۔

آزادی و عشق چوں ہی نامد راست  
بندہ شدم بہادرم از کیو خاست  
زین پس چو ناں کہ در روم دوست رواست  
گفتار و خصومت از میانہ برخاست

○ ایک درویش نے حضرت سے سوال کیا حضرت فتوت کیلئے ہے، آپ نے فرمایا صاحب ہمت چاہیے تاکہ اس کے سامنے فتوت کا مطلب بیان کر سکوں۔ صاحب منیت کے ساتھ فتوت کی بات نہیں کی جاسکتی۔ پھر فرمایا زِلَّة صَاحِبِ الْهَمَّتِ طَاعَةٌ و طَاعَتِ صَاحِبِ الْمَنِيَّتِ زِلَّةٌ دَفُوتِ شَجَاعَتِ لَطَافَتِ اَوْ رِظْرَافَتِ اِیْسِی بُوْطِیَاں ہِی جو گلستانِ کشش میں اُگتی ہیں۔ یہ روزے۔ یہ فاقے۔ یہ رات کا جاگنا۔ یہ صدقات جو شخص بھی اثبات کی کوشش کرتا ہے کشش ختم ہوتی جاتی ہے۔

○ حضرت شیخ نے فرمایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج فرشتوں کی ایک جماعت ایسی دیکھی جو نور ہی نور تھے۔ ان کے آگے نور ان کے پیچھے نور۔ ان کے اوپر نور ان کے نیچے نور۔ نوراً علی نور۔ حضور نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہیں اللہ کے بغیر کوئی نہیں جانتا کہ کون ہیں۔

○ حضرت نے ایک دن فرمایا۔ حضرت سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ایسے غنی سے بہتر کوئی شخص نہیں دیکھا جو فقیر کی تواضع کرتا ہو۔ اور میں نے اس فقیر سے بہتر کوئی شخص نہیں دیکھا۔ جو غنی سے بے نیاز رہتا ہے پھر قاری نے خوش الحانی سے پڑھا۔ وَ لَلّٰہِ الْمِغْرَہُ و لِرِسْوٰلِہِ و لَلْمُؤْمِنِیْنَ ۔

○ پیرِ محقق اور مریدِ مصدق :- ایک دن حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر



سے پوچھا۔ پیر محقق کون ہوتا ہے؟ اور مرید مصدق (صادق) کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا سچے پیر و مرشد میں دس صفات ہونے بڑے ضروری ہیں۔“

اول :- اس کی نگاہ میں مرید کی شناخت پرکھ ہو۔

دوم :- وہ راہِ طریقت سے واقف ہو تاکہ راہنمائی کر سکے۔

سوم :- مہذب اور مودب ہو۔ تاکہ مرید کی تادیب کر سکے۔

چہارم :- بے پناہ سخی ہو تاکہ مرید پر اپنا سب کچھ نچھاور کر سکے۔

پنجم :- مرید کے مال پر نگاہ نہ رکھتا ہو۔ تاکہ اسی لالچ میں منزل سے پہلے ہی نہ

تھک جائے۔

ششم :- اشاروں میں تربیت دے سکے بعض اوقات الفاظ کا کام اشاروں سے کرے۔

ہفتم :- نرمی سے مرید کی تربیت کر سکے۔ سختی اور درشتگی سے کام نہ لے۔

ہشتم :- جو کچھ کہیں پہلے اُس پر عمل کرے۔

نہم :- جو چیز آگ سے بچا سکتی ہے۔ اُس سے خود رُکا ہو۔

دہم :- جس مرید کو اللہ کے سپرد کرے تو اُسے مخلوق سے بھی علیحدہ نہ کرے تاکہ یہ سلسلہ

رُک نہ جائے جب پیر و مرشد ان اوصاف سے متصف ہوگا۔ تو مرید کی روحانی تربیت صحیح

سمت پر ہوگی۔ ان اخلاق سے آراستہ پیر ہی سچے مرید کو تربیت کر سکتا ہے۔ پھر اس کے

اخلاق مرید میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح سچے مرید کے ہاں کم از کم دس چیزوں کا

ہونا ضروری ہے۔

اول :- وہ اتنا دانا اور نہیرک ہو کہ اپنے پیر کے اشارے کو پاسکے۔

دوم :- وہ ہمہ تن تسلیم و رضا کا پیکر ہو تاکہ پیر کی تربیت حاصل کر سکے۔

سوم :- کانوں کا تیز ہونا تاکہ پیر کی معمولی سی بات کو ذہن نشین اور دل نشین کرے۔

چہارم :- دل کا صاف ہونا تاکہ پیر کے مقامات کو دل میں رکھے۔



پنجم :- سچا ہو۔ جذبات کرے اس میں سچائی ہو۔

ششم :- وعدے کا پکا ہو۔ جو کچھ کہے اس پر عمل کرے۔

ہفتم :- وہ آزاد و دش ہو۔ تاکہ پیر کا فرمان ماننے میں کسی خواہش کا غلام نہ ہو سکے۔

ہشتم :- راز دار ہو۔ پیر کے اسرار و راز کو دل میں ہی رکھے۔

نہم :- نصیحت کو اختیار کرنے والا ہو تاکہ پیر کے احکامات کو قبول کر سکے۔

دہم :- جاننا رہو تاکہ پیر کے حکم پر جان بھی قربان کرنے کا وقت آئے تو ہچکچاہٹ محسوس

نہ کرے اگر مریدان اوصاف سے متصف ہوگا تو اسے راہِ طریقت پر چلنے میں کامیابی

ہوگی اور پیر کی تربیت آسان ہو جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

○ حضرت ابوسعید قدس سرہ نے ایک دن رسومات پر بات کرتے ہوئے فرمایا ایک

کام اول اذل میں اٹھا کیا جاتا ہے۔ یہی رسم تکلفاً کی جاتی ہے۔ پھر یہ عادت بن جاتی ہے

یہی عادت کچھ عرصہ کے بعد طبیعت کا حصہ بن جاتی ہے یہی طبیعت آہستہ آہستہ حقیقت بن

جاتی ہے۔ حضرت شیخ نے خواجہ ابو بکر مودب کو کہا۔ اٹھو۔ قلم و دوات لاؤ۔ اور کاغذ پر لکھو تاکہ

میں تمہیں رسومات و عادات خانقاہیاں لکھا دوں۔ وہ قلم و دوات اور کاغذ لائے تو آپ نے

کہا لکھو۔ خانقاہ نشینوں میں دس چیزیں فرض ہوتی ہیں وہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی طرف

عمل پیرا ہوتے ہیں وہ اصحاب صفہ کی دس عادات کے فریضہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ نہیں کہ ان

خانقاہ نشینوں کو صوفی کہا جاتا ہے۔ پھر یہ لوگ صاف دل ہوتے ہیں وہ اصحاب صفہ کے

افعال کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر یہ دس چیزیں جو اصحاب صفہ کی تقلید میں کرتے ہیں دراصل

قرآن پاک کے ارشادات کے زیر احکام کرتے ہیں۔ اور اس میں سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بھی اتباع ہوتی ہے۔

(۱)۔ کپڑے پاکیزہ پہنتے ہیں۔ ویشاپک مطہر۔

(۲)۔ بادضو ہتے ہیں۔ فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین



(۳) - وہ مسجد میں قیام کرتے ہیں یُسْبِعُ لَهُ فِيهَا بِالْعَدْوِ وَالْأَصَالِ رَجَالٌ -  
 (۴) - اولین فرصت میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ  
 يَحَافِظُونَ -

(۵) - رات کو نماز ادا کرتے ہیں - وَمَنْ اللَّيْلُ فَتَهَا جَدِيهِ نَافِلَةٌ نَكَّ  
 (۶) - سحری کے وقت استغفار اور دعا کرتے ہیں وَبِالْأَسْحَارِ يَسْتَغْفِرُونَ  
 (۷) - صبح کے وقت تلاوت قرآن کرتے ہیں - جب تک سورج نہ نکل آئے کسی سے بات  
 نہیں کرتے إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا  
 (۸) - نماز شام اور عشا کے درمیان ذکر خداوندی میں مشغول رہتے ہیں وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ  
 وَأَدْبَارَ النُّجُومِ

(۹) - ضعیفوں - نیاز مندوں اور جو لوگ ان سے وابستہ ہوتے ہیں ان کی دل دہی کرتے  
 ہیں اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ  
 رَبَّهُمْ بِالْعَدْوٰةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ  
 (۱۰) - ایک دوسرے کے بغیر کوئی چیز نہیں کھاتے وَالْمُؤْمِنُونَ بِيَهْدِهِمْ إِذَا  
 غَاظَدُوا - ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر ادھر ادھر نہیں جاتے - إِذَا  
 كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّكُودٍ هَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوا -  
 ان مشاغل و مصروفیات سے وقت پرچ جائے تو وہ علم حاصل کرتے ہیں - ورد کرنا یا  
 مخلوق خدا کے لئے ایسا کام کرنا جس سے اسے خوشی یا آسانی ہو - ان لوگوں کی امداد کرنا - ان  
 سے مختلف امور میں تعاون کرنا کس کو آرام پہنچانا - ان کی تکلیف و راحت میں شریک ہونا اللہ  
 کو پسند ہے - فَاَسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اِنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ  
 ذَكَرٍ وَّانْتُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ -

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی قوم سے محبت کی وہ اسی کا ایک



حصہ ہے اولئک ہم الراشدون فضلا من اللہ و نعمة اللہ  
علیہم حکیمہ

○ حضرت شیخ نے فرمایا جس شخص نے ہمیں دیکھا۔ ہمارے بیٹوں اور خاندان کے  
افراد کی امداد کی۔ وہ ہماری شفاعت کی چھتری کے نیچے ہوگا۔ اور قیامت کے دن ہماری شفاعت  
سے محروم نہیں رہے گا۔

○ حضرت شیخ قدس سرہ العزیز نے فرمایا۔ ہم نے اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے  
کے ہمارے اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمارے کام میں لگا دیا ہے  
فرمایا بلخ والے ہمارے ہمسائے ہیں۔ مرو والے ہمارے ہمسائے ہیں۔ نیشاپور والے  
ہمارے ہمسائے ہیں۔ ہرات والے ہمارے ہمسائے ہیں۔ یاد رکھو۔ ان ہمسایوں  
کے متعلق کوئی بڑی بات نہ کہی جائے نہ سوچی جائے۔ جو شخص گدھے پر سوار ہو کر  
ہماری گلی سے گزرے گا۔ ہماری خانقاہ کے سامنے سے گزرے گا۔ ہماری خانقاہ کی  
روشنی کو دُور سے ایک بار دیکھ لے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ہم التماس کریں گے کہ اس کے  
لئے اپنی رحمت اور برکات کے دروازے کھول دے۔



# دُعائیں نیک تمنائیں

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ العزیز نے اپنے ہم عصر حضرات کے لئے بعض دعائیں لکھیں اور نیک تمناؤں کے اظہار فرمایا ہے۔ ان صفحات میں ان دعائوں کا تذکرہ ہے۔ قارئین حضرات بھی ان دعائوں میں شریک ہوں گے اور ان سے برکات حاصل کریں گے۔

مترجم



## حضرت خواجہ ابوطاہر قدس سرہ بیان کرتے ہیں،

ایک دن خواجہ ابومنصور ورقانی قدس سرہ ہمارے شیخ ابوسعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ اور کہا کہ یا حضرت مجھے کوئی راستہ دکھائیں حضرت نے فرمایا وہ راستہ اختیار کریں جس کی اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کون سا راستہ ہے حضرت شیخ نے فرمایا۔ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ۔ اور یہ نہیں فرمایا۔ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ خَاب۔ مزید فرمایا۔ ان لوگوں کی اتباع کرو جو ہمارے ساتھ رہے ہیں اور ہمارے دوست تھے یہ نہیں فرمایا کہ ان لوگوں کا راستہ اختیار کرو جو بد اعمال اور گمراہ ہیں تا دنیا و آخرت کے نابکار اور نامراد ہونے ہیں۔ انہوں نے پوچھا یا حضرت یہ راہ کس زاویہ کے ساتھ طے کریں گے۔ آپ نے فرمایا ہمیشہ یہ کہا کرو۔

يَا رَجَا الرَّاجِينَ وَيَا أَمَلَ الْأَمَلِينَ لَا تَخِيبَ رَجَائِي  
وَلَا تَقْطَعْ أَمَلِي يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ تُوَفِّي مُسْلِمًا وَالْمُحْسِنُ بِالصَّالِحِينَ  
خواجہ ابوطاہر قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سلطان طفیل نے ایک آدمی بھیجا کہ اس کے وزیر ابومنصور ورقانی کو بلالائے۔ وزیر نے کہا۔ میں نے ابھی تک چاشت کی نماز نہیں پڑھی۔ اس لئے فوری نہیں آسکتا۔ وہ آدمی یہ انکاری پیغام لے کر واپس چلا گیا اور بادشاہ کو ہلکا کر دیا۔ بادشاہ نے کچھ نہ کہا۔ خواجہ ابومنصور نماز چاشت پڑھ کر اور اسے فارغ ہوئے۔



تو بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے کہا۔ خواجہ! مجھے جب بھی کوئی کام ہوتا ہے میں آپ کو بلاتا ہوں تو پتہ چلتا ہے اب آپ نماز ادا کر رہے ہیں۔ آپ اب وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ اب آپ ورد کو کر رہے ہیں اور کام اسی طرح رہ جاتے ہیں۔ ابو منصور نے کہا۔ بادشاہ سلامت! میں اللہ کا بندہ ہوں اور آپ کا ملازم ہوں مجھے پہلے اپنے اللہ کی بندگی کرنا ہوتی ہے پھر آپ کی ملازمت اور خدمت۔ اگر آپ کسی ایسے آدمی کو وزیر رکھ لیں جو اللہ کا بندہ نہ ہو صرف آپ کا ہی ملازم ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں میں گھر بیٹھ جاتا ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ مجھے ایسے کسی وزیر کی ضرورت نہیں جو صرف میرا ہی ملازم ہو۔ آپ پہلے اللہ کی عبادت کیا کریں۔ پھر میری ملازمت میں آیا کریں۔ ابو منصور دربار سے واپس گھر آئے یہ خبر حضرت شیخ ابوسعید ابو الخیر کو ملی۔ شیخ ان دنوں نیشاپور میں تھے۔ آپ نے فرمایا گھوڑے پر زین رکھیں۔ میں ابو منصور کو مبارک دینے جاؤں گا۔ آپ خانقاہ سے روانہ ہوئے تو حسن مودب نے ایک آدمی آگے بھیج دیا کہ ابو منصور کو اطلاع دے کہ حضرت شیخ مبارک دینے کو آرہے ہیں جب حضرت شیخ ابو منصور کے دروازے پر پہنچے تو حسن مودب کو دربان نے کہا جلدی کرو خواجہ ابو منصور کو جب سے اطلاع ملی ہے کہ حضرت شیخ تشریف لارہے ہیں۔ اسی وقت سے گھر میں کھڑے ہو کر انتظار کر رہے ہیں۔ گھر والے انہیں بیٹھے کا کہتے ہیں۔ وہ نہیں بیٹھے اور کہتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ میں حضرت کے آنے سے پہلے بیٹھ جاؤں۔ اتنا بڑا بزرگ مجھے ملنے آئے اور میں بیٹھ کر انتظار کروں۔ حضرت گھر میں داخل ہوئے۔ تو ابو منصور کو کھڑے دیکھا۔ سبب پوچھا کہنے لگا جب سے حضرت کے آنے کی خبر سنی ہے میں سرودھ کھڑا ہوں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ تشریف لا رہے ہوں اور میں بیٹھا ہوا ہوں۔ حضرت شیخ بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا: ابو منصور! قیامت کے دن ہم سے بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ کھڑے ہوں اور میں بیٹھا رہوں۔ جب تک آپ کو صحیح مقام پر بٹھانہ لیں گے نہیں بیٹھیں گے۔ خواجہ کہتے ہیں۔ میرا کام ہو گیا۔

حضرت شیخ بیٹھے۔ خواجہ ابو منصور بھی بیٹھ گئے۔ مبارک پیش کی۔ خواجہ نے بتایا مجھے ڈر تھا



کہ یہ بادشاہ ترک ہے۔ اور ترکوں کی طرح کہیں سرکشی نہ کر بیٹھے مگر اللہ نے شرم رکھ لی۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ آئندہ کے لئے جب بھی دربار میں جاؤ دعا یوم الاحزاب پڑھ لیا کرو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص بادشاہ کے پاس جائے۔ دعائے احزاب پڑھ لیا کرے کسی قسم کا دکھ اور تکلیف نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کام آسان کر دے گا۔ دعائے احزاب یہ ہے۔

اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِنُورِ تَدْسِكَ وَعَظْمَتِهِ  
**دعائے احزاب :-** طَهَارَتِكَ وَبِرُكَّةِ جَلَالِكَ مِنْ كُلِّ آفَةٍ  
 وَمِنْ كُلِّ سُوءٍ وَعَاقِبَةٍ وَمِنْ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالطَّارِقِ  
 يَطْرُقُ بِخَيْرِ مِنْكَ يَا رَحْمَنُ - اللَّهُمَّ أَنْتَ غِيَاثُنَا فِيكَ نَعُوذُ  
 وَأَنْتَ مُلَاذِنَا فِيكَ نَلُوذِيَا مِنْ ذِلَّتِكَ رِقَابِ الْمُجَابِرَةِ وَخَصَعَتِ  
 لَدَا عُنَاقِ الْفِرَاعِ نَعُوذُ بِكَ مِنْ خَزِيكَ وَكُشْفِ سَقَرِكَ وَنَسِيَانِ  
 ذِكْرِكَ وَالْإِنْفِرَاتِ عَنْ شُكْرِكَ ذِكْرِكَ شَعَارِنَا وَثَنَا وَكَ دَنَارِ  
 نَافِي نَوْمَتَنَا وَقَرَارِنَا وَطَعْنَتَنَا وَأَسْفَارِنَا وَيَلِنَا وَنَهَارِنَا أَضْرِبْ  
 عَلَيْنَا سَرَادِقَاتِ حِفْظِكَ وَأَدْخِلْنَا جَمِيعًا فِي حَفْصِ عُنَايَتِكَ وَ  
 جِدْ عَلَيْنَا بِخَيْرِ مِنْكَ يَا رَحْمَنُ يَا رَحِيمُ يَا لَإِلَهِ إِلَّا - أَنْتَ  
 وَحَدِّكَ لَا شَرِيكَ لَكَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوبُ إِلَيْكَ -

خواجہ ابوطاہر قدس سرہ فرماتے ہیں جن دنوں حضرت شیخ نے مجھے نساء کے علاقہ میں بھیجا۔ مجھے یہ دعا پڑھانی۔ اور فرمایا اس دعا کے پڑھنے میں کوتاہی نہ کرنا۔

يَا حَنَّانَ يَا مَنَّانَ يَا دِيَانَ يَا بَرَّهَانَ يَا سَاجِدِينَ يَا رَحْمَنُ  
 يَا مُسْتَعَانَ يَا عَزِيزَ الشَّانِ يَا دَائِمَ السُّلْطَانَ يَا كَثِيرَ  
 الْخَيْرِ وَالْإِحْسَانَ نَعُوذُ بِكَ مِنَ الْحِرْمَانِ وَالْمَخْذَلُونَ -

حضرت شیخ یہ دعا اور ادھیجگا ہی میں پڑھا کرتے تھے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ بِسْمِ اللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا يَأْتِي بِالْخَيْرِ  
 إِلَّا اللَّهُ - بِسْمِ اللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ وَمَا بِنَا مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنْ اللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ  
 وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ - بِسْمِ اللَّهِ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي  
 الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ - بِسْمِ اللَّهِ الشَّافِي  
 بِسْمِ اللَّهِ الْكَافِي - بِسْمِ اللَّهِ الْمُعَافِي - بِسْمِ اللَّهِ ذِي الشَّانِ  
 السَّيِّدِ السُّلْطَانِ الْعَظِيمِ الْبِرَّهَانِ - مَا شَاءَ اللَّهُ كَانَ أَعْوَدَ  
 بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ وَنَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ  
 فَتَحْنَا بِالْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَرَمِينَا مَنْ أَرَادَ مَا يَسُو بِلَا إِلَهَ إِلَّا  
 أَنْتَ وَتَمَسَّكْنَا جَمِيعًا بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ  
 سَمِيعٌ عَلِيمٌ =

یہ دعا بھی ہمارے شیخ قدس سرہ بعد از نماز صبح پڑھا کرتے تھے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مَبَارَكًا كَمَا  
 يُحِبُّهُ رَبُّنَا وَيَرْضَى كَمَا يَنْبَغِي بِكْرَمٍ وَجْهِهِ وَعِزِّ جَلَالِهِ وَالْحَمْدُ  
 لِلَّهِ جَمْدًا لَا انْقِضَاءَ الْعَدْوَةَ وَلَا انْتِهَاءَ الْمَدَدَةَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ  
 الَّذِي خَلَقَنَا لِيَوْمٍ عَاقِبَةٍ وَقَالَ إِنَّا نَعْمَلُ غَافِيَةً وَالْحَمْدُ لِلَّهِ  
 حَمْدًا بَعْدَ إِحْسَانِهِ وَفَضْلَهُ عَلَيْنَا وَعَلَى جَمِيعِ خَلْقِهِ  
 الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا بَعْدَ رِحْسَاتِ خَلْقِهِ وَسَيِّئَاتِهِمْ إِذَا فَضَّلْنَا  
 عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَهُ اللَّهُ لَكَ الْحَمْدُ بِجَمِيعِ مَحَامِدِكَ كُلِّهَا  
 عَلَى جَمِيعِ نِعَمَاتِكَ كُلِّهَا عَلَيْنَا - وَعَلَى جَمِيعِ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ وَصَادِقًا  
 اللَّهُ مَا لَا يَكُنْهُ وَرَسِيدَهُ وَجَمِيعِ خَلْقِهِ عَلَى أَسْبَابِ الْحَمْدِ - عَلَى  
 آلِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ - وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ مَرَحِبًا مَرَحِبًا



بِالْحَافِظِينَ وَحَيًّا لِمَا لَمْ يَلِدْ مِنْ كَاتِبِينَ مَلَائِكِينَ رَفِيقِينَ شَاهِدِينَ  
عَدَلِينَ جَزَاءَ مَا كَفَى مِنْ جَلِيلِينَ كَرِيمِينَ خَيْرًا كَتَبًا  
رَحْمَةً لِمَا لَمْ يَلِدْ وَرَضَى عَنْكُمْ بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ  
إِلَّا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ  
أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ  
لَا رَيْبَ فِيهَا وَإِنَّ اللَّهَ يُبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ أَصْحَابَتْ عَبْدًا مَمْلُوكًا  
لَا أَقْدَرَ إِنْ أَسْوَقَ إِلَى نَفْسِي خَيْرًا مِنْ أَرْجُو وَلَا إِنْ أَصْرَتُ عَنْ  
نَفْسِي شَرًّا مِنْ أَحْذَرُ أَصْحَابَتْ عَلَى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ  
وَعَلَى دِينِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى مِلَّةِ أَبِينَا إِبْرَاهِيمَ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ وَوَلَايَةِ وَلِيهِمَا وَالْبِرَايَةِ مِنْ عَدُوِّهِمَا  
اللَّهُمَّ إِنِّي أَصْحَابْتُ فِي عَافِيَتِكَ وَنِعْمَتِكَ فَاتَمِّمْ عَلَيَّ عَافِيَتَكَ  
وَنِعْمَتَكَ اللَّهُمَّ بِكَ أَصْحَابْتُ وَبِكَ أَمْسَيْتُ وَبِكَ أَحْيَيْتُ وَبِكَ  
أَمُوتُ وَعَلَيْكَ التَّوَكُّلُ وَالنُّشُورُ وَالْإِحْوَالُ وَالْقُوَّةُ إِلَّا بِاللَّهِ  
الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ -

یاد رہے۔ ہمارے شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ کا یہ معمول تھا کہ کھانا کھانے کے بعد

دستر خوان لپیٹ لیتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مَا رَزَقْتَنَا وَارْزُقْنَا خَيْرًا مِنْهُ وَأَفْضَلَ وَ  
أَعْطِنَا جَمِيعَ مَا سَأَلْنَاكَ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا لَمْ نَسْأَلْ وَزِدْنَا مِنْ  
فَضْلِكَ الْوِاسِعَ وَإِنَّا إِلَيْكَ رَاغِبُونَ -



## مکتوبات عالیہ

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کے چند ایک مکتوبات بطور تبرک درج کئے جاتے ہیں۔  
 سلطان چغری نے حضرت شیخ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ جسے خواجہ تمویہ رئیس مینہ کے  
 ہاتھ بھیجا۔ سلطان چغری حضرت شیخ کا مرید تھا۔ اس نے حضرت شیخ سے درخواست  
 کی تھی۔ کہ ایک مشکل مہم کے معاملہ میں آپ دعا فرمائیں۔ آپ نے اس خط کے جواب میں  
 یہ مکتوب لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ امیر حبیب ملک مظفر کو اپنی پناہ میں رکھے۔ اور اپنی مخلوق کو دوسروں کے  
 رحم و کرم پر نہ چھوڑے۔ جو اس کی رضا ہے اس میں محفوظ رکھے۔ اور جس کام کے نتیجہ میں  
 پشیمانی آتی ہے۔ اسے اپنے فضل سے درست فرمائے بِمَنَّةٍ وَبِفَضْلِهِ وَبِرَحْمَتِهِ۔

نامہ گرامی امیر حبیب مظفر سے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے ملا۔ یہ خط خواجہ تمویہ کی  
 معرفت موصول ہوا ہے۔ میں نے اسے پڑھا۔ اور حالات کو معلوم کر لیا ہے پہلے مکتوبات  
 میں جس معذرت کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس کو دوبارہ معلوم کر لیا ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 نے آپ کی ان دعاؤں کو قبول فرمایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے امیر حبیب ملک



منظر کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور اسے دو جہاں کی مصیبتوں سے محفوظ رکھے۔ اور جس کام میں دونوں جہانوں کی بہتری اور اصلاح ہو اسی کی توفیق دے اور خطرات سے نجات دے الحمد للہ وحدہ لا شریک لہ۔

جن دنوں حضرت شیخ نیشاپور میں تھے۔ آپ کی خدمت میں ایک درویش آیا۔ کہنے لگا۔ میں مینہہ جا رہا ہوں حضرت شیخ نے قلم دوات اور کاغذ منگوا یا۔ اور فرمایا تھوڑا سا ٹھہرو میں ابوظاہر کے لئے خط لکھوادوں۔ آپ نے لکھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَلَامُ اللّٰهِ لِطَیْبِ النَّجْبِیْرِ عَلٰی الْکَبِیْرِ الصَّغِیْرِ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ

اِذْ اِیْتَاہُ قَدِیْرٌ وَّالسَّلَامُ !

ایک درویش حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ حضرت میں مرو جا رہا ہوں کوئی خدمت ہو تو بتائیے۔ آپ نے فرمایا ٹھہرو یہ خط لیتے جانا۔ آپ نے لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْاَحْظٰہَا فَتَعَلَّمْ مَا بَقِیْ وَتَلَحُّظْنِیْ فَاَعْلَمْ مَا تَرِیْدُ

وَالسَّلَامُ۔

حضرت شیخ قدس سرہ نے ایک بزرگ کو یہ مکتوب لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خَطِیْبُ عَزِیْزٍ !

سَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلٰی الشَّیْخِ الْعَالِمِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ

وَهَذَا الْخَطِیْبُ الْاَفْضَلُ اِذَا مَ اللّٰهُ فَضَّلَهُ مِنْ اَهْلِ بَیْتِ الْعِلْمِ وَ

الْفَضْلِ وَتَدَقُّصُ سَاحَتِہٖ وَطَلَبُ مَجَاوِزَتِہٖ مُتَفِیْئًا بِبَرَکٰتِہٖ وَ

نَرْجُو اَنْ یَنْزِلَ مِنْ اَمَّاہِ اَنْ یَاظْہَرَ شَفَقَہٗ عَلَیْہِ وَ اَسْأَلُہُ

بِکَرَمِہٖ وَ اَفْضَالِہٖ وَ السَّلَامُ۔



ایک خطیب نے حضرت شیخ کو کسی چیز کے لئے لکھا۔ آپ نے یہ جواب دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

رَسَلْ اِذَا مَ اللّٰهُ فَضَّلَهُ كِتَابَ الْخَطِيبِ الْاَفْضَلِ الْاَدِيبِ وَنَفَسَهُ  
اللّٰهُ عَلٰی جَمِيعِ مَا بَقَرَبِدِ الْيَهُ دُنْيَا وَدُنْيَا وَاٰخِرُهُ وَكَشَفَ لِيْ مِنْ جَمِيعِ  
مَا بِيْضَمْرِهِ مِنْ صَحْحَةِ الْاِعْتِقَادِ وَمَحْنِ السُّوَادِ وَالْاَعْرَابِ اَنْ يَّكُوْنَ كَذَا  
اِذَا الْقَارِبُ مَتَشَاهِدَةٌ وَالضَّمَا يَرِيْبُورَ الْحَقِّ مَتَلَا حَفْظًا وَاللّٰهُ بِبَقِيَّةِ  
وَعَنِ الْاَسْوَا يَفِيْهِ اِمَا حَدِيثِ الْمَتُوْنَاتِ نُوْرًا اللّٰهُ فَبَرَهَا  
بَشْرِبَلْقَايَهُ مَدْرَهَا وَاَنْشَدَ عَلٰی فَرَاغِهَا نَصِيْرَةٌ عَنْ طَوِيْلَةٍ  
وَاَوْكَانَ اللّٰهُ اَرْكَمَنَ فَنَدْنَا لَفَضَلَتِ الْنِسَاءُ عَلٰی الرَّجَالِ

وَالسَّلَامُ۔

خواجہ امام محمد بن عبداللہ بن یوسف الجوبینی قدس سرہ نیشاپور میں انتقال فرما  
گئے۔ ہمارے شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے مینہ سے بزرگان نیشاپور کے نام ایک مکتوب  
لکھا۔ جس میں مرحوم کے لئے تمام بزرگوں سے تعزیت کی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَلَامُ اللّٰهُ نَعَالِيْ عَلٰی الْاَجَلَةِ السَّادَةِ وَرَحْمَةٌ ، وَبَرَكَاتُهُ  
فَبِقَوْلِ اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاْجِعُوْنَ ط شُدَّ اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاْجِعُوْنَ  
رَضًا بِقَضَائِهِ وَسَلِيْمًا لِحُكْمِهِ وَحَمُوْدًا تَحْتَ قَهْرِهِ ۔

جن دنوں حضرت شیخ ابوسعید نیشاپور میں قیام فرما تھے۔ ایک درویش حاضر ہوا۔  
سامان سفر تیار کیا اور کہنے لگا میں مینہ جا رہا ہوں۔ کوئی خدمت ہو تو حکم فرمائیں آپ  
نے فرمایا۔ میرے بیٹوں کے نام ایک خط لیتے جاؤ۔ آپ نے لکھا!



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

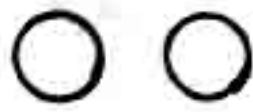
یہ سچ صورت گزشتہ سال از بدایع و زنگار  
آں نداند کرد و نتواند کہ یک باراں کند  
خندہ رودئی کشادہ دلی اور مہمانوں کی تواضع سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

والسلام

مندرجہ ذیل مکتوب فقہیہ ابو بکر خطیب مینہ کو لکھا گیا تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہم آپ جیسے فاضل کا ذکر خیر ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔ آپ کے خیال اور آپ کے  
بیٹوں کی دعا سے کبھی غافل نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو آپ کی اولاد  
کو اپنی پناہ میں رکھے اور دو جہاں کے مشاغل میں سرخس فرمائے جو بھی بڑا اور چھوٹا ثواب  
ہے۔ عطا فرمائے بفسندہ انہ خیر مسؤل ہمیشہ آپ جیسے دانشمند عالم فاضل ادام اللہ توفیقہ  
کو راحتیں نصیب ہوں۔ میرا سلام و تحیت موصول ہو آپ کو آپ کے بیٹوں کو اور احباب  
کو! تمام چھوٹے بڑوں کو سلام و دعا جس مودب خصوصی طور پر سلام پیش کرتا ہے۔  
والسلام علی محمد وآلہ۔





## حضرت کے پسندیدہ اشعار

جانا بزین خاوران خاری نیت      کش با من و روزگار من کاری نیت  
بالطف و نوازش جمال تو مرا      در دادن صد ہزار جان عاری نیت

○ ○ ○

صاحب خبران دارم آنجا کہ تو ہستی      یا جملہ مرا ہستی یا عہد شکستی

○ ○ ○

مارا بجز این جہاں جہانی دگرست      جز دوزخ و فردوس مکانی دگرست  
قلاشی و عاشقی سرایہ ماست      قرآنی و زاہدی جہانی دگرست

○ ○ ○

ما وہمین دوزخ و ادرب و تریزہ      پختہ امروز یا ز باقی دینہ  
عز دلایت بذل عزل نیزد      گوچہ تر انور حاج تا بعدینہ

○ ○ ○

بس کی جستم تا بیایم من از ان دبر نشان  
تا گمان اندر یقین گم شد یقین اندر گمان

در خیال من نیامد در یقینم ہم نبود

فی نشانی کی صواب آید از و دادن نشان



چند عاشقی برزیدیم و پسداشتم

جو ایشتن شبره بگردن کوچنن دمن چنان

در حقیقت چون بدیدم زو خیالی هم نبود

عاشق و معشوق من بودم بین این داتان



هر آن دلی که ترا سیدی بدان نظرت

خطر گزنت اگر چه حقیر و بی خطرست

اگر چه خرد یکی شاخکی گیاه بود

کی تو بد و نگر کی زاد سرد غاتفرست

هر آن دلی کی نهفتست زیر هفت زمین

کی تو نگر کی همتش ز عرش برست



در راه یگانگی نه کفرست و نه دین

یک گام ز خود برون نه در راه بین

ای جان جهان تو راه سلام گزین

با مازسیه نشین و با خود منشین



وقتی تو آل در پیش شیخ ما این بتی می گفت

سمرگشتم نگاری را که دیدار پری دارد

بنوت راهی سازد نه کار سرسری دارد





نه همی تو مرا راه خویش گیرد بود.

ترا سلامت باد و مرا نگو ناری

ترا سلامت باد و مرا سبکباری

○○○

من بودم داو داو و من اینت خوشی

این چنین سه چهار تن بود چنین باید گفت

من بودم داو داو و اینت خوشی

○○○

خواهی کی کسی ثوی زهستی کم کن

ناخورده شراب وصل مستی کم کن

بازلف بتان دراز دستی کم کن

بت را چه گنه تو بت پرستی کم کن

○○○

انگند ولم بر ابرتخت تو رخت

حلقم شده در حلقه زلفین تو سخت

تا زلف تو شاه گشت در خار تو تخت

روزی بینی مرا شده کشته بخت

○○○

بو سه نقش کنم برگ یا سمین ترا

هزار سجده برم خاک آن زمین ترا

اگر ببینم بر مهربان تو نگین ترا

اگر بگیرم روزی من آستین ترا

زبان من بودی گرد و آفرین ترا

گرفت خواهم زلفین عین ترا

بر آن زمین که تو گریه و قدم نهی

هزار بوسه دهم بر سخا و نامه تو

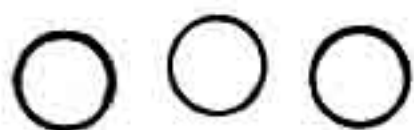
بخیغ هندی گودست من جدا بکنند

و گر چه خامش مردم که شعر باید گفت

○○○



تاروی ترا بدیدم ای شمع طراز  
چون با تو بوم مجاز من عیسه نماز  
فی کار کنم نه روزه دارم نه نماز  
چون بی تو بوم نماز من جمله مجاز



تفنع بالکفات تعش رحاء  
فقی خیز القفار بغیر آدم  
ولا تبغ الفضیل مع الکفات  
وفی ماء الصواع غنی ومان  
وکل تزیین بالمراتین  
وانه یسه التعمل بالعفان



واجبت اولاد الیهود با سریم  
اصلی نازدی قبلی متعمدا  
لاجلک حتی کدت ان اتخودا  
لقبلتکم فاشهد صلاتی لشهدا  
توریه موسی ثم فرقان احمد  
بعدهت یوم السبت فیمین تعبدا  
اذا کان من نهواه فی الحب مسدا  
واشرق نور الصبح فی ظلمة الغیب  
فصادفه حسن القبول من القلب  
وجاه نسیم الاعتذار مخففا  
وانی لا یدی فی صلاتی بحکم  
ولله مقال الکاشمین وبعضهم  
وکان دخول النار فی الحب هینا  
تقشع غیم الجهد عن قمر الحب  
وجاه نسیم الاعتذار مخففا



از یک سو شیر و از دیگر شمشیر  
مسکین دل من میان شیر و شمشیر



کار همه راست شد چنانک بیاید  
انده و اندیشه را در از چه داری  
حالت شادیت شاد باشی شاید  
دولت تو خود همان کند که بساید  
هر چه صوابست بخت خود نساید  
و آنکه ترا زاد نیز چون تو تراید  
چرخ نیارد بدیل تو ز حلاوت



ایزد هرگز دری نبسند بر تو      تا صد و یگر بهتری نگشاید



آنجا که ببا بی پدید نیی گوئی      آنجا که نبائی از زمین بر روی  
عاشق کنی و مراد عاشق جوئی      اینست خوشی و ظریفی و نیکوئی



ای ساقی پیش آرز سرمایه شادی

زان می که همی تا بد چون تاج قبادی

زان باده که بابوی گل و گونه لعلست

تفل در گرمست و کلید در شادی



خوش آید او را چون من بنا خوشی باشم

مرا که خوشی او بود نا خوشی شاید

مرا چو گریان بیند بختد از شادی

مرا چو کاسته بیند که شمه بفسزاید

هر کسی محراب کرد دست آفتاب و سنگ و چوب

من کنون محراب کردم آن نگارین روی را



در شب تاریک بزاری نقاب از روی خویش      مرد نابینا بیند باز یاید راه را

طاقت پنجاه روزم نیست تا بینم ترا      دبر اشاهان ازین پنجاه بگن آه را

پنج و پنجاهم نباید هم کنون خواهم ترا      ابجدی ام می ندانم من بن و نگاه را





جانی که تو باشی اثر عشم نبود  
آنجا که نباشی دل خرم نبود  
آز که ز فرقت تو یک دم نبود  
شادیش زمین و آسمان کم نبود



لان کانت الایام فدر قن بینا  
فانا بقرب القلب مجتمعان  
تصورت فی قلبی لفسر و صبا بتی  
فتخصک لی نصب بکل مکان



ای دوست ترا بجدگی گشتم من  
حقا که درین سخن نه زرقست و نه فن  
گر تو ز وجود خود بدون حتی پاک  
شاید صنما بجائے تو هستم من

بیت :-

چندانک بکوی سلمه مارت ورود  
چندانکه تاره است برین پرچ کبود  
از ما بر دوست سلامت ورود

بیت :-

بر دسته دگر باشد و بر بسته دگر

بیت :-

تنگ دلی نی و دل تنگ نی  
تنگ دلا ز ابر مارنگ نی

بیت :-

در نعیم آید خواندان گداز و اردو نام  
بزرگوار دو نام از گداز خواندان خام  
یکی که خوابان را یکسر نکو خوانند  
دگر که عاشق گویند عاشقان عام  
در نعیم آید چون مرتر نکو خوانند





فاساختن و غوی خوش و صفراکم  
 تا عهد میان ما بماند محکم

فاساختن و غوی خوش و صفراپیچ  
 تا عهد میان ما بماند پی پیچ

بیت :-

رنج مردم را بیشی و پیشیت  
 راحت و ایمنی ز دور و پیشیت

برگزین زین جهان یکی و بس  
 گرت بادانش و خرد و خوشیت

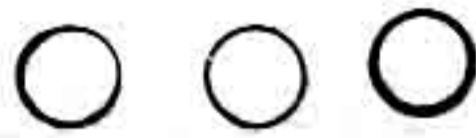




## باب سوم

# حضرت کی زندگی کے آخری لمحات

- ۱۔ مرض الموت کے دوران وصایا
- ۲۔ حالت وفات اور کیفیت نزع
- ۳۔ کرامات جن کا ظہور بعد از وفات ہوا





## فصل اول

# مرض الموت کے دوران وصایا

حضرت شیخ کی زندگی کے آخرین لمحات جب آپ موت کے دروازے پر کھڑے تھے۔ فرمانے لگے ہمیں آگاہ کر دیا گیا ہے کہ کچھ لوگ یہاں آئیں گے۔ زیارت کریں گے۔ اور مجھے درمیان سے اٹھا لیا جائے گا۔ یاد رکھو۔ اگر ایسے لوگ ہمارے ہاں آئیں زیارت کریں۔ تو ہماری یہ بات بر ملا کہنا۔

”گر با شیم یا نباشیم“۔ ہمارے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں آتا

یہ بات قیامت تک زباں زدِ خلاق رہے گی۔

حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا: ”ہمارے بعد بہت سی درگاہیں نہیں گی۔ مرقع پوشوں کی بھی کثرت ہوگی۔ مگر یہ لوگ خلقِ خدا سے علیحدہ علیحدہ رہیں گے۔ ان کے دلوں کی گہرائیوں میں نہیں جائیں گے۔ یاد رکھو مخلوق اللہ کو قریب رکھو۔ قریب جانو! یہ لوگ تو مخلوقِ خدا سے محبوب ہیں گے“

میرے جد امجد شیخ الاسلام حضرت خواجہ ابو سعید قدس سرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی کے آخرین سال ہر روز مجلس میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اور اکثر فرمایا کرتے ”مسلمانو! قحطِ خداوندی آنے والا ہے“ زندگی کی آخرین مجلس میں جو آپ کی زندگی کی الوداعی مجلس تھی اور اس میں اکثر و بیشتر مرید موجود تھے، فرمایا۔ اگر تمہیں کل سوال کیا جائے۔



کہ تم کون ہو؟ تو تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے کہا حضرت آپ جو حکم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ "یہ کبھی نہ کہنا! کہ ہم مومن ہیں! ہم صوفی ہیں! ہم مسلمان ہیں!! کیونکہ اس طرح تم جو کچھ کہو گے اسے ثابت کرنے کی دلیل بھی تمہیں سے پوچھی جائے گی۔ اور اگر صحیح دلیل نہ دے سکے تو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ لہذا۔ یوں کہنا۔ ہم عاجز ہیں۔ ہم کہتر ہیں! ہمارے راہنما اور بہترین بزرگ ہم سے آگے چلے گئے ہیں! ہمیں ان کے پاس سے چلو۔ وہ ہماری طرف سے جواب دیں گے کیونکہ چھوٹوں پر سوال کا جواب بڑے دیا کرتے ہیں۔ کوشش کرو۔ کہ اپنے بزرگوں کو پالو۔ اگر تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا گیا تو بڑا مشکل مرحلہ ہو گا۔"

ایک دفعہ خواجہ ابو منصور ورتانی جو سلطان طغرل کا وزیر تھا۔ حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ یا حضرت مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا "اللہ کے بندوں کا اولین مقام یہ ہے کہ اپنے اللہ کی ذات کو پہچانیں۔ اور نبوت کا آخرین مقام یہ ہے کہ مومنین کے حقوق کی رعایات فرمائی جائے۔"

تم ان دنوں جس منصب پر فائز ہو۔ وہاں مخلوق خدا کے حقوق کی سہم۔ سانی کو بڑی اہمیت ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہمیشہ سامنے رکھو لا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَرْحَمَ الْعَامَّةَ كَمَا يَرْحَمُ أَحَدُكُمْ الْخَاصَّةَ "ترجمہ" تم سے کوئی شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ جب تک تم عام لوگوں پر اتنی شفقت نہ کرے۔ جتنی وہ اپنے خاص عزیزوں سے کرتا ہے۔ عوام الناس تمہاری سلطنت کے فرزند ہیں انہیں اپنے بیٹوں کی طرح محبت کی نگاہ سے دیکھا کرو۔ دنیا کی لالچ۔ اور منہوتی کی دلازاری کے درپے نہ ہو۔ لوگ اپنی اپنی ضروریات کے غلام ہیں۔ اگر تم ان کی ضروریات پوری کرنے جاؤ گے تو وہ تم سے خوش رہیں گے اگرچہ تم میں بہت سے عیب بھی ہوں گے اگر ان کی حاجات و ضروریات کا خیال نہ رکھو گے تو خواہ تم کتنے ہی اچھے۔ ہو گے وہ تم سے مایوس ہو کر دُور دور رہیں گے۔"



حضرت شیخ قدس سرہ نے آخرین عمر میں ایک دن لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ ہمیشہ غریب  
 مسکین درویشوں کی خدمت کرتے رہو۔ ان کی خدمت میں زیادہ وقت گزارو۔ بچوں کی طرح کھیلنے  
 میں وقت ضائع نہ کرو۔ اور نہ ہی جو انول کی طرح بوجھیاں کرتے رہو۔ بوڑھوں کی طرح گپوں  
 میں وقت نہ گزارو! دونوں جہانوں کا علم تو اس میں ہے **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**  
**اللہ کا قحط آ رہا ہے! اللہ کا قحط آ رہا ہے! اللہ کا قحط آ رہا ہے!** اس سے پہلے تو روٹی  
 اور پانی کا قحط آیا کرتا تھا۔ مگر اس بار اللہ کا قحط آ رہا ہے۔ میری طرف دیکھو۔ یہ کہتے ہوئے  
 آپ نے دعائیں پھیلے ہو ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لیئے۔

حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ نے اپنی الوداعی مجلس میں بتایا۔ کہ بچپن کا زمانہ تھا میں  
 محمد عفازی کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ قرآن پڑھا کرتا۔ جب قرآن پاک ختم کر لیا تو فرمانے لگے  
 اب کسی استاد کے پاس جانا چاہیئے۔ میں نے عرض کی۔ حضرت مجھے حق تعلیم قرآن معاف فرمادیں  
 فرمانے لگے۔ تم ہمیں معاف کر دو۔ اور یہ الفاظ یاد رکھو۔ **لَا تَسْأَلُهُمْ تَبَّكَ إِلَى اللّٰهِ**  
**طَرَفْتَهُ عَيْنَ خَيْرٍ لَّكَ حَسْبِ طَلَعَتِ عَلَيْهِ الشَّمْسُ! اللہ کی طرف ایک**  
**لمحہ کے لئے دیکھنا دشاہدہ کرنا، طلوع آفتاب کی روشنیوں سے ہزار درجہ بہتر ہے۔**

ہم آج تم لوگوں کو ہی وصیت کرتے ہیں۔ یاد رکھو۔ اللہ کو ایک لمحہ کے لئے نہ بھویدو۔  
 اس کی یاد سے ایک لمحہ کے لئے غافل نہ ہو! یہ کہہ کر آپ نے حسن مودب کو فرمایا۔ اٹھو!  
 حسن اٹھا۔ فرمایا۔ یاد رکھو میں نے تمہاری ہستی کو اپنی طرف نہیں بلایا تھا۔ بلکہ تمہاری ہستی  
 کو اپنی طرف دعوت دی تھی ہم نے کہا تھا۔ ہستی تو صرف اسی ذات کی ہے۔ تمہیں تو اس نے  
 نیتی دنیا کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص دونوں جہانوں کی عبادت بھی کرے۔ تو اس  
 شخص کے مقابل کھڑا نہیں ہو سکتا۔ جو مخلوق خدا کو راحت پہنچاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے اپنے صحابہ کو وصیت فرمائی تھی۔

**تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ تَعَالَى! (دہمیشہ اپنی عادات کو اللہ تعالیٰ کی عادات**



کا منظر بنا لیا میں بھی تمہیں کہتا ہوں کہ اللہ کی راہ اختیار کرو۔ سب لوگوں کو اللہ کی نظر ترحم سے دیکھو۔ اللہ کو چھوڑ کر خلق کی نظر سے نہ دیکھو۔

مَنْ نَظَرَ إِلَى الْخَلْقِ بَعَيْنِ الْخَلْقِ طَالَتْ خُصُومَتَهُ مَعَهُمْ وَ

مَنْ نَظَرَ إِلَى الْخَلْقِ بَعَيْنِ الْحَقِّ اسْتَرَّاحَ مِنْهُمْ

ترجمہ :- جو شخص لوگوں کو لوگوں کی نظر سے دیکھے گا۔ اس کی لوگوں کے ساتھ نفرت اور دشمنی بڑھتی جائے گی۔ جو اللہ کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اسے لوگوں سے محبت بڑھے گی۔

مجلس وداعی میں حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ نے ایک بار خواجہ حمویہ کی طرف نگاہ فرمائی۔ اور فرمایا۔ خواجہ تمہیں حمویہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی مخلوق کی حمایت کرے۔ مخلوق کے مسائل پر کان رکھے۔ ہماری بات غور سے سناؤ! جمعہ کے روز ہمیں یہاں لایا جائے گا اس دن بہت سے لوگ جمع ہوں گے۔ تم لوگوں کو نہ محنت ہوگی۔ کچھ لوگ تمہارے واقف و آشنا ہوں گے مگر بہت سے لوگ ایسے بھی آئیں گے۔ جنہیں تم جانتے ہی نہیں۔ اس وقت دل منبوسہ رکھنا اور کوشش کرنا کہ جلد از جلد ہمیں آسودہ خاک بنا دینا۔ ہمارے سامنے ایک سخت دشوار گزار سفر آ رہا ہے۔ خواجہ بخار نے پوچھا۔ حضرت وہ لوگ کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا۔ خواجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تین جن صحابہ کو تمام جنوں پر خلیفہ مقرر فرمایا تھا ان کے نام۔ عمرو۔ بحر۔ اور عقب رضی اللہ عنہم تھے۔ عقب مجھے ملتے رہے ہیں میری مجلس میں آتے رہے ہیں میرے مرنے کے بعد میری قبر پر مجاہد ہوں گے۔ اور ساری زندگی مجادرت کریں گے۔ وہ صرف عید بقر عید کو وہاں سے جایا کریں گے ان کی وجہ سے بہت سے دوسرے جنات بھی میرے ساتھ دوستی نہ کھنٹے تھے۔ بدشاہ اور یہاں ہر جگہ بہ جن میرے رفیق رہے ہیں مجلس سماع بدیا ہوتی یہ تو پہرہ دیتے تھے جب تک تم لوگ اور دوسرے درویش ہمارے مزار پر مجالس سماع منعقد کرتے رہیں گے۔ یہ جنات بھی حاضر رہیں گے۔ ان کے حقوق کا خیال رکھنا اپنے اپنے گھروں میں ہر مل سلکاتے رہنا۔ کیونکہ کافر جنات اس کی



خوشبو سے بجاگ جاتے ہیں۔ انہیں حکم دینا وہ نماز عصر تک صفائی کا کام کرتے رہیں گے تمام نجاست کو اٹھاتے۔ ہا کریں گے۔ ہماری دنات کے وقت اگر تم لوگوں کو کہیں سے وحشت ناک آواز نائی دے اور آواز دینے والا دکھائی نہ دے تو سمجھ لینا کہ یہ بنات میں سے کوئی ہے۔ یاد رکھو میں اس دنیا سے جا رہا ہوں۔ تم لوگوں کے لئے چار چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ رُفت درو۔ شت دشو۔ جنجو۔ گفتگو۔ جب تک ان چار چیزوں کو درست رکھو گے۔ تمہاری بہروں کا پانی جاری رہے گا۔ اور تمہارے۔ بین و ایمان کی کھیتیاں سرسبز و شاداب رہیں گی۔ تمہیں لوگ دیکھنے آیا کریں گے۔ کوشش کرو۔ کہ ان چیزوں سے ایک بھی ضائع نہ ہو۔ اب ہمارا کام مکمل ہو گیا ہے ہماری زندگی کے ایک ہزار ماہ پورے ہو گئے۔ ہزار ماہ سے زیادہ زندگی نہیں ہو گی۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ط

حضرت شیخ نے زندگی کی آخری مجلس میں فرمایا۔ کاغد تلم ددات لاؤ۔ آپ نے ابوالحسن

اعرج ایبوردی کو بلا کر کہا۔ لکھو۔ اور یہ عبارت لکھوائی۔

ابوطاھر سعید بن فضل اللہ طھرہ اللہ واسعدہ بفضله وعتہ وعودہ  
 ونصرته ولا قوۃ الا باللہ۔ ابوالہفا المظفرہ اللہ وابدہ (وسدده وخیرہ و  
 مہدہ) ولا قوۃ الا باللہ۔ ابوالعلا ناصر بن فضل اللہ نصرہ اللہ وظفرہ وایدہ  
 وخیرہ ونصرہ ولا قوۃ الا باللہ (ابو علی المطھر بن فضل اللہ اعلاہ اللہ وظفرہ وحملہ  
 ونصرہ وادبہ وخیرہ ولا قوۃ الا باللہ) ابوالبقا المفضل بن فضل اللہ البقاہ اللہ وفضلہ  
 علی کثیر من خلقہ تفضیلا ولا قوۃ الا باللہ۔ اولاد ابی طاھر ابوالفتح طاھر بن سعید فتح  
 اللہ لدبہ ومنہ وجمعیۃہ ولا قوۃ الا باللہ۔ ابوسعید اسعد بن سعید اسعدہ  
 اللہ وایدہ واکرمہ وسدده ولا قوۃ الا باللہ۔ ابوالعزالموفق بن سعید وفقہ اللہ ونصرہ  
 وایدہ اللہ وخیرہ وادبہ وسدده ولا قوۃ الا باللہ۔ ابوالفرج الفضل بن احمد العامری  
 فرج اللہ عنہ وبہ ومنہ ولا قوۃ الا باللہ۔ ابوالفتوح مسعود بن الفضل اسعدہ

اللہ وفضلہ وفتحہ له وحملہ ولا قوۃ الا باللہ۔



پھر فرمایا۔ یہ دس افراد ہیں۔ ان میں سے جب تک ایک شخص بھی زندہ ہے اثرات موجود رہیں گے۔ جب یہ تمام کے تمام آسودہ خاک ہوں گے۔ تو لوگوں پر وہ راز محبوب ہو جائیں گے آپ نے فرمایا۔ فَانْسَاخْنُ بِهِ وَلَهُ ط

حضرت ابوسعید قدس سرہ نے مندرجہ بالا گفتگو کی۔ تو چند لمحوں کے لئے مراقبہ میں چلے گئے سرائٹھایا۔ تو آپ کی آنکھیں اٹکبار تھیں۔ تمام حاضرین بھی رونے لگے فرمایا۔ ایک دن میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا۔ کہ یہ حضرات کب تک رہیں گے۔ فرمایا ایک سو سال تک میرے زمانے کے لوگوں میں سے بعض رہیں گے۔ اس کے بعد ان مجالس کی خوشبو کے اثرات باقی نہیں رہیں گے۔ اگر کہیں کوئی شخص ایسا ہو گا بھی تو زیر خاک ہو گا اور ایسی دعائیں اور التجا ہیں ختم ہو جائیں گی۔“

ہم نے ان حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ حضرت کی وفات کو ایک سو سال گذرا تو ایسے حالات پیدا ہوئے۔ کہ ہر شخص حیران و پریشان ہو گیا۔ ملک بھر میں شورش و ہیجان برپا ہو گئی۔ جتنی کہ کوئی شخص حضرت ابوسعید نور اللہ مرقدہ کے مزار پاک پر مہینہ میں حاضری نہیں دے سکتا تھا۔ مزار سے تین میل دور پیارے کے اس طرف ایک گاؤں تھا جسے سرکلہ کہتے تھے آتے اور فاتحہ کہتے تھے۔ چونکہ ایک دن یہ بات آپ کی مجلس میں بیان کی گئی تھی۔ کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ کوئی شخص مہینہ میں نہیں آسکے گا۔ اور سرکلہ پر آکر خفیہ طور پر زیارت کر کے چلا جائے گا اس سو سال کے درمیان جس کا ذکر حضرت شیخ نے فرمایا تھا۔ ہم لوگ مزار پر رہے ایک دن ایسا نہ گذرا تھا۔ کہ نماز باجماعت ادا نہ کی گئی ہو۔ صبح و شام عام لوگوں کو کھانا دیا جاتا تھا۔ ہر صبح مزار پاک پر ختم قرآن کیا جاتا تھا۔ رات کے وقت سونے تک مزار پر شمعیں روشن رہتیں۔ سحری سے پھر روشنی ہوتی تھی۔ مقربانِ درگاہ و خادمانِ خانقاہ بر، و شام مزار پر حاضری دینے لگے۔ اور مزار کے ارد گرد آپ کی اولاد اور دوسرے سونیا کا مجمع۔ ہا کرتا تھا۔ کوئی فتنہ و فساد نام تک نہ تھا ہر روز ذنبات اور نعمتیں آتی تھیں۔ اور اطرافِ عالم اسلام سے بزرگانِ دین زیارت کے لئے



حاضر ہوا کرتے تھے۔ مجالسِ سماع منعقد ہوتیں۔ فرقہ ہائے فقر تقسیم ہوتے جس شخص کو راہ سلوک میں کوئی مشکل پیش آتی۔ آپ کے صاحبزادگان سے حل ہوتی آپ کی اولاد اور متعلقین کو جس قدر عزت و منزلت حاصل تھی۔ اُس کی مثال نظر نہیں آتی۔ ایسا ہوا۔ کہ مہینہ میں جس کے پاس ایک درہم تھا۔ وہ مالامال ہو گیا۔ جو مالامال تھے۔ وہ آسودہ حال ہو گئے۔ جن کے پاس خردارے تھے وہ انباروں کے مالک بن گئے اور آپ کی اولاد کی خواجگی عالم اسلام سے خراجِ عقیدت حاصل کرنے لگی تھی۔

سو سال گزرے تو یہ آثار مٹنے لگے۔ آپ کے فرزند اور مریدوں میں سے محدود سے چند حضرات رہ گئے۔ تمام کے تمام بکھر گئے یا شہید کر دیئے گئے غزوں نے ایک ایک کو تہ تیغ کر دیا۔ بعض عقیدت مند اطراف جہاں میں نکل گئے اور دیارِ غیر میں غربت کے عالم میں رحلت کرتے گئے آج کتاب لکھتے وقت ۳۲ سال گزر چکے ہیں ابھی تک مزار پر کوئی آثار نہیں پائے جاتے کہ اس کی رونق پھر لوٹ آئے۔ ہم دو چیزوں پر تکیہ لگانے بیٹھے ہیں۔ ایک تو حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا تھا کہ ایک سو سال بعد یہ واقعات ہوں گے اور ایک شخص اٹھے گا۔ جو حالات کو درست کرے گا۔ دوسرے میرے والد محکم نور الدین منور رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات کہی تھی کہ خواجہ ابو الفتح نے حضرت شیخ قدس سرہ کی زبانی سنا تھا۔ کہ یہ لوگ ایک سو سال ہمارے خادم رہیں گے۔ ایک سو سال تک ہماری اولاد کے خادم رہیں گے اور ایک ہزار سال تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ خواجہ عبدالکریم نے جو حضرت کے خادم خاص تھے۔ فرمایا۔ کہ میں نے اپنے کانوں حضرت شیخ کو کہتے سنا تھا کہ قیامت تک ہمارے مزار کی رونق رہے گی۔ ہم لوگ ان امیدوں پر جی رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی عمر کے آخرین حصہ میں مزار پاک کی رونق کو بحال ہوتے دیکھ سکیں۔ اور ہم آسودگی پاسکیں۔

حضرت شیخ نے خواجہ عبدالکریم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ بچہ چاہتا ہے کہ راہ سلوک کو فوراً طے کرے۔ بیٹا! جہاں تم پہنچے ہو۔ ثابت قدم رہو۔ اس سے آگے قدم بڑھانے



کی خواہش نہ کرو۔ تمہارا مقام یہاں تک ہی ہے۔ پھر آپ نے اپنے بڑے لڑکے کی طرف دیکھا فرمایا  
طاہر آگے آؤ۔ وہ آگے آئے۔ تو حضرت شیخ نے اس کا دامن پکڑ کر فرمایا۔ میں نے تمہیں اور تمہاری  
اولاد کو درویشوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہے۔ پھر یہ شعر فرمایا۔

عاشقی خواہی کہ تا پایاں بری ۔ بس کہ بہ پسندیدہ باید ناپسند  
زشت باید دید و انگارید خوب ۔ زہر باید خورد و انگارید قند

پھر آپ نے فرمایا کیا تم نے خدمت درویشاں قبول کر لی ہے عرض کی۔ ہاں حضرت مجھے  
منظور ہے فرمایا جو لوگ آج یہاں موجود ہیں سن لیں اور دوسروں تک یہ بات پہنچادیں۔ کہ خواجہ ابوطاہر  
دو قطبوں میں سے قطبِ وقت ہے۔ اسے بزرگوں کی آنکھ سے دیکھیں۔ اس زمانہ میں دو خواجہ ہوئے  
ہیں۔ خواجہ علی حسن جو اس وقت کرمان میں تھے اور خواجہ علی جہاز جو مرو میں تھے۔ تیسرے قطب  
حضرت خواجہ ابوطاہر ہیں۔ دنیاے تصوف میں یہ تینوں صوفیاء کے قطب مانے جاتے ہیں۔



## فصل دوم

# احوالِ حالتِ نزع

ہمارے شیخ ابوسعید ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ نے بروز جمعہ ۲۴، ماہ رجب ۱۳۲۰ھ اپنی زندگی کی آخرین مجلس اس بیت پر ختم کی:-

دردا کہ ہی روی برہ باید کرد . دین مفرش عاشقی دوتا باید کرد

دائے درد عشق! اب راہِ محبوب کا رخ کرنا چاہیے۔ اور عاشقی کی بساط تہہ کر دینی چاہیے۔

اس شعر کے بعد آپ نے اپنے خواجہ علیک نیشاپوری سے فرمایا۔ اٹھو علیک اٹھے۔ تو فرمایا

تم نیشاپور روانہ ہو جاؤ۔ تین دن کے اندر اندر واپس آ جانا۔ صرف وہاں نصف دن قیام کرنا

اور معبرات نماز ظہر تک یہاں پہنچ جانا۔ وہاں ایک روئی گرہ کو سلام کہنا اور کہنا کہ روئی کی وہ کئی

جو تم نے آخرت کے لئے رکھی ہے۔ مجھے دے دو۔ علیک اسی وقت اٹھے۔ اور روانہ ہو گئے اور

مقصود حاصل کیا۔ یہ اتوار کا دن تھا۔ مجلس کے تمام صوفیاء کو بڑی تشویش ہوئی۔ کہ حضرت آج

کیسی باتیں کر رہے ہیں۔



حضرت نے اسی مجلس میں خوابہ عبدالمکریم کو بلایا اور فرمایا کہ زندگی میں تم مجھے وضو کراتے رہے ہو۔ بعد از وفات بھی میرے غسل کا اہتمام تم ہی کر دے گی۔ کسی قسم کی کوتاہی یا غلطی نہ ہونے پائے۔ حسن مؤدب کو سا نذر رکھنا۔ خیال کرنا کسی قسم کا خوف اور دہشت نہ آنے پائے اور سنت نبوی کے مطابق سارے کام کرنا۔ اگر کوئی سنت رہ جائے تو اس کا اعادہ کرنا۔

یہ تمام وصیتیں کرنے کے بعد آپ منبر سے اترے۔ حسن مؤدب کو فرمایا۔ گھوڑے پر زین رکھو۔ گھوڑا تیار ہوا۔ تو آپ سوار ہوئے۔ بیٹھنے کے گودا گودا ایک چکر لگایا۔ جہاں جہاں خلوت میں عبادت خداوندی کی تھی۔ ایک ایک لمحہ رکے۔ الوداع کہنے کے۔ حسن مؤدب بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت شیخ کے ہمراہ تھا۔ سوچتا جاتا تھا کہ حضرت شیخ کی وفات کے بعد میں کس طرح خدمات سرانجام دوں گا میرا دل غم و الم سے بھرا پڑا تھا۔ اور مجھے اس قرض کا بڑا فکر تھا جو حضرت نے درویشوں کی دعوت کے لئے اٹھا رکھا تھا۔ میں اسی سوتل میں تھا کہ حضرت شیخ نے گھوڑے کو روکا۔ اور میری طرف منہ کر کے فرمانے لگے۔

ایا برجاں، ماہرچو پر شطرنج اہوانی

چو مارا شاہ مات آید ترا سپرے شود بازی

میں یہ شعر سنتے ہی دم بخود ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا۔ حسن۔ فکر نہ کرو۔ بوسعد دادا آنے ہی والا ہے۔ میری وفات کے بعد تمہارا سارا قرضہ چکا دے گا۔ حقیقت میں یہ دونوں باتیں دیے ہی ہوئیں۔ جیسے حضرت شیخ نے کہی تھیں۔

جب ہمارے حضرت شیخ قدس سرہ کو موت نے آلیا۔ تو خواجہ حسن مؤدب درویشوں کی خدمت کرنے کے قابل نہ رہے تھے۔ خواجہ ابوظہر اور ان کے بیٹے ہی مہمانوں اور درویشوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ کا حکم بھی یہی تھا۔ حضرت شیخ کی وفات کے تیسرے روز بوسعد داراغزین سے آیا۔ تمام قرضہ بقیات کر دیا گیا۔

حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ گھوڑے پر سیر کرنے کے بعد واپس آئے گھر میں داخل



ہوئے۔ آج آپ بیمار اور خستہ بدن دکھائی دیتے تھے۔ آپ کے مرید اور بیٹے عام طور پر آپ کے پاس ہی ہوتے تھے۔ اور آپ سے سوال کیا کرتے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ آپ کے جانے کے آگے آگے کون کون سی آیات تلوادت کی جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ آیات قرآنی کی تلوادت تو بہت بڑا کام ہے لیکن یہ اشعار ضرور پڑھے جائیں۔

خوبتر اندر جہاں ازین چہ بود کار  
دوست بر دوست رفت و یار بر یار  
آن ہمہ اندوہ بود و این ہمہ شادی  
آن ہمہ گفتار بود و این ہمہ کردار

(دنیا میں اس سے اچھا کام کیا ہے کہ دوست اپنے دوست سے ملاقات کرے۔ ایک مرحلہ تو صرف اندوہ غم کا ہی ہے اور ایک مقام خوشی کا ہے۔ ایک تو ساری گفتار ہی گفتار ہے۔ اور دوسرا کردار)

جس دن حضرت شیخ ابوسعید کا جنازہ اٹھایا گیا۔ تو قاریاں خوش گلو آگے آگے پڑھتے جا رہے تھے حضرت شیخ سے لوگوں نے دریافت کیا تھا۔ کہ آپ کی قبر پر شہد اللہ۔ آیت الکرسی لکھیں یا تبارک اللہ لکھا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ آیات تو بہت بلند مقام کی حامل ہیں۔ میری قبر پر یہ شعر لکھا جائے۔

سالتک بل اوصیک ان مت ناکبتی . علی لوح قبری کان هذا مئیمًا  
نقل شجیاعا رفا سنن الہوی . میر علی قبری القریب مسلما  
مندرجہ بالا شعر کے علاوہ آپ کے مزار پر انوار پر یہ قطعہ لکھا گیا۔

یا عسز اقم بالذی انا عبده . ولہ الحج و ما حوت عرفات  
لا ابغی بدلاً سواک خلیتہ . فثقی بقول و الکرام ثقات  
و لو ان فوٹی تربتہ و دعوتی . لاجبت صوتک و النظام رفات



واذا ذکر تک ما خلوت تقطعت . کبھی علیک وزادت المحرات

آپ کی وفات کے بعد یہ دونوں قطعاً حضرت شیخ قدس سرہ کے مزار پر تین خطوں میں لکھے گئے تھے۔

وفات سے دو دن پہلے حضرت شیخ کی زبان پر یہ جملے آئے۔ اس وقت حضرت کے تمام بیٹے اور مرید موجود تھے۔

نِعْمَتَهُ اِلهَ مَجْهُوْلَةٍ فَا دَامَتْ مَحْسُوْلَةٌ فَا ذَا فَفَقَدَتْ عَرَفَتْ ط

یہ بات کرنے کے بعد آپ نے فرمایا: غور سے سن لو! جب تک ایمان پر قائم ہو مخلوق خدا کا کام کرتے رہو۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ آنے پائے۔

خواجہ عبدالکریم بیان کرتے ہیں کہ حضرت شیخ نے جمعرات کو بوقت نماز ظہر آنکھیں کھولیں اور خواجہ ابوطاہر کو فرمایا: علیک آگیا ہے؛ نہیں ابا حضرت حضرت شیخ نے پھر آنکھیں بند کر لیں میں اٹھ کر باہر نکلا۔ اس وقت علیک آ رہا تھا۔ میں لوٹ کر اندر آیا۔ اور خواجہ ابوطاہر کو بتایا کہ علیک آگیا ہے۔ اور وہ کپڑے آ یا ہے۔ جسے لینے کے لئے گیا تھا۔ ابوطاہر نے حضرت کو اطلاع دی تو آپ نے سنتے ہی فرمایا: کیا کہہ رہے ہو! ابوطاہر نے کہا: حضور علیک آگیا ہے۔ سنتے ہی فرمایا: الحمد للہ۔ اور جان شریں جان آخرین کے حوالہ کر دی۔ یہ تاریخ چار شعبان ۱۰۴۴ھ بروز جمعرات بوقت نماز عشاء تھی۔ گھر سے ایک شور اٹھا۔ سارا قصبہ مہینہ آہ دہکا سے بھر گیا۔ چونکہ شیخ نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ یہ ان جنوں کی آواز تھی۔ جو حضرت کی وفات کا سن کر آگئے تھے۔ ان آوازوں

لے۔ جب میں تمہارا ذکر کرتا ہوں تو میرا دل دھڑکتا ہے۔ میرا جگر تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور محبت کی کشش زیادہ بڑھتی ہے۔



میں یہ الفاظ سنے گئے۔ دریغاً دریغاً! افسوس آپ رخصت ہو گئے۔ سب کچھ ساتھ لے گئے۔ اب ہمارے لئے کچھ نہ رہا۔ یہ آوازیں آدھی رات تک مختلف اطراف سے سنائی دیتی رہیں۔

ہم صبح کے وقت غسل کی تیاریاں کرنے لگے۔ حضرت شیخ نے بتایا تھا۔ عیدک نیشاپور سے جو کپڑا لایا ہے۔ اُسے دو حصے کر لینا۔ ایک ہمارے کندھے پر ڈال دینا۔ خواجہ عبدالمحکم کہتے ہیں کہ جب ہم نے حضرت شیخ کو کفن پہنا لیا۔ تو حضرت خواجہ ابوطاہر اور دوسرے بیٹے موجود تھے۔ میں حضرت کے پاؤں کی جانب کھڑا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو آپ نے آنکھیں کھول دیں ہیں جیسے وہ مجھے دیکھ رہے ہوں۔ دائیں ہاتھ سے اپنی ران کی طرف اشارہ کیا۔ جسے تمام حاضرین نے دیکھا۔ میں نے دیکھا تو کفن کا ایک حصہ ران پر موجود نہ تھا۔ یہ بے پردگی کی طرف اشارہ تھا۔ میں آگے بڑھا اور کفن کو درست کیا۔ یہی بات تھی۔ جب حضرت نے مجھے کہا تھا۔ دیکھنا! شرائط سنت میں کوتاہی نہ آتے پلے۔ مجھ سے کوتاہی ہوئی۔ آپ نے آگاہ کر دیا۔

صبح آفتاب نکلا۔ جنازہ اٹھا کر باہر لایا گیا۔ نماز جنازہ ادا کی گئی جنازہ اٹھا کر قبرستان کی طرف روانہ ہوئے مگر صبح سے لے کر چاشت تک جنازہ قبرستان تک نہ پہنچ سکا۔ لوگوں نے بڑی کوشش کی۔ مگر جنازے کا فاصلہ طے ہونے کو نہ آتا تھا۔ خواجہ بخار نے خواجہ جمویہ کو کہا۔ کہ شیخ نے آپ کو کیا فرمایا تھا۔ کیا وہ وقت آ گیا ہے یا نہیں؟ جمویہ نے حضرت شیخ کی وصیت کے مطابق ایک لکڑی اٹھائے لوگوں کو راستے سے ہٹاتے جاتے تھے۔ اس طرح جنازہ قبر تک پہنچایا گیا۔ اور لا کر دفن کر دیا۔ ان کرامات کے علاوہ ایک کرامت قابل ذکر ہے کہ جس تختے پر حضرت شیخ کو غسل دیا گیا تھا اسے اسی مقام پر ایک بلند جگہ رکھا گیا۔ اور اس جگہ سے کوئی بھی نہ ہلاتا تھا جتنی کہ ایک عرصہ تک وہ تختہ ایک جگہ نصب رہا۔ دیوار یا چھت بناتے وقت اسے کوئی نہ ہلا سکا۔

شیخ کی وفات کے بعد یہ بات مشاہدے میں آئی۔ کہ جس پایہ تخت یا کرسی پر حضرت شیخ زندگی میں وضو فرمایا کرتے تھے۔ بطور تبرک محفوظ رکھ لئے گئے۔ لوگ آتے۔ ان دونوں کی زیارت کرتے غزوں کی شورش اور حملے کے وقت مہینہ تباہ و برباد ہو گیا۔ جہاں جہاں لکڑی کی کوئی چیز تھی۔ جلا



کر رکھ کر دی گئی۔ مگر یہ کجی اور پائیہ تخت ان دنوں کم ہو گئے۔ لوگ قیدی بنائے گئے۔ مگر ان تبرکات کا کسی کو علم نہ ہوا۔ حضرت شیخ کی اولاد میں سے اکثر حضرات قید و بند میں رہے۔ مگر جب یہ لوگ رہا ہو کر واپس آئے تو یہ تینوں چیزیں اپنی اپنی جگہ صحیح و سلامت تھیں۔

اس حادثے کے دوران بہت سی ایسی چیزیں دیکھنے میں آئیں جو حضرت شیخ کی کرامات میں سے ہیں۔ کہ جب سلطان سعید بنجر بن ملک شاہ برد اللہ مضجعتہ کو غزوں سے رہائی ملی اور مرد کے دارالسلطنت میں پہنچے۔ یہ دعا گو (نور الدین) سرخس سے مشائخ کے وفد کے ساتھ مرو گیا۔ تاکہ بادشاہ کو ہدیہ تبریک پیش کیا جائے مصلحتاً اس وفد میں حضرت شیخ ابو سعید کے فرزند ان۔ رشتہ داراں اور ہمدان کے لوگوں کو ساتھ نہ لیا تھا۔ اکثر لوگ ادھر ادھر مختلف مقامات پر چلے گئے تھے۔ ان میں اکثر لوگ عراق میں چلے گئے تھے۔ ہم مرو پہنچے تو ہمدان کا گورنر بھی چند روز قبل وہاں پہنچا تھا۔ وہ ابھی تک سلطان سے ملاقات نہیں کر سکا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سرخس کے اس علاقہ کی بیہودگی کے لئے بات کرے جو غزوں کے حملہ سے تباہ و دیران ہو چکا تھا۔ کیونکہ اس سے قبل حضرت شیخ کی اولاد کے بغیر کوئی بھی اس کام کی طرف توجہ نہیں دیا کرتا تھا۔ اگر کسی نے کبھی کوشش کی بھی تو اسے نگاہ التفات سے نہیں دیکھا گیا۔ ہمدان کا کووال۔ عامل۔ رئیس یا دوسرے حکام جو کام بھی کرتے حضرت شیخ کی اولاد کے مشورہ سے متعین کرتے تھے۔ اگر کسی پر کوئی حاکم ظلم کرتا۔ تو حضرت شیخ کے بیٹے بادشاہ کو لکھا کرتے کہ فلاں حاکم کو یہاں سے ہٹایا جائے۔ یہ خط کسی درویش کے ہاتھ لشکر گاہ میں پہنچا دیا جاتا۔ پھر بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوتا۔ اور اس شخص کو معزول کیا جاتا۔

الغرض ہمدان کے گورنر کو اس فقیر صاحب کتاب نور الدین کے پہنچنے کی خبر ملی۔ ملنے کے لئے آیا۔ اور بڑے تپاک سے ملا کہنے لگا۔ چند دنوں سے میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ آپ کے ساتھ مل کر بادشاہ کی خدمت میں سفارشات پیش کی جائیں۔ دوسرے دن ہم دونوں بادشاہ سے ملے۔ بادشاہ نے مجھے دیکھا۔ تو بڑی عزت افزائی کی۔ میں نے بادشاہ کے لئے دعا کی۔ تو بادشاہ نے کہا۔ ہمدان بڑی مبارک جگہ ہے۔ حضرت شیخ کے مرقدے نورانی اور بابرکت مقام اور کونسا ہو سکتا ہے؟ میں



نے سلب ہے۔ کہ ایک غزنے حضرت شیخ کی قبر کو گرانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کا بازو شل ہو گیا۔ اس غزنے کا خیال تھا کہ مزار میں دولت اور سونا بھرا ہوا ہے اس شخص کے رشتہ دار اسے اٹھا کر میرے شکر گاہ میں لے آئے۔ میں نے اُسے خود دیکھا تھا۔

سلطان سبخر نے یہ واقعہ سنانے کے بعد حکم دیا کہ ایک ہزار خروار غلہ دیا جائے تاکہ خادراں کی زمینوں میں تخم ریزی کی جاسکے۔ ایک سو خروار شہد کے لئے دیا جائے۔ مہینہ کے گورز نے التجا کی کہ حضور ہمیں کاشتکاری کے لئے پیسوں کی ضرورت ہے۔ بادشاہ نے بتایا کہ خراسان تباہ ہو کر رہ گیا ہے خزانے میں روپیہ نہیں ہے۔ ابھی اپنے وسائل سے گزارا کرو۔ حضور کے مزار کے لئے ایک سو دینار خصوصی طور پر دیئے مہینہ کے گورز نے واپس آ کر ادھر ادھر آدمی بھیجے تاکہ حضرت شیخ کی اولاد میں جو شخص جہاں سے اسے واپس لایا جائے۔ اس وقت صرف پچاس ایسے افراد ملے جو مہینہ پیسے خانقاہ پر نگر جاری کیا گیا۔ پانچ وقتی نماز شروع ہوئی قبر پر شمع جلنے لگی جنم قرآن کا آغا نہ ہوا۔ قادیوں کا بند کیا گیا۔ اور اس طرح سابقہ روئین لوٹ آئیں۔ روشنیاں پھیلنے لگیں راقم بھی مزار کی سابقہ شان و شوکت کو بحال کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اطراف و اکناف سے لوگ جمع ہونے شروع کئے۔ آرام و آسائش ملنے لگی۔ اسی دوران سلطان سبخر کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کی جگہ سلطان محمود تخت نشین ہوا۔ مرو میں غزوں کے ساتھ دوبارہ جگ شروع ہو گئی۔ بادشاہ کو شکست ہوئی۔ شاہی لشکر بکھر گیا اور غزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس بار پھر ہمارے حالات خراب ہو گئے۔ علاقہ دیران ہو کر رہ گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے امن و عدل برقرار کرے۔ خراسان کو آباد فرمائے اور تمام جہاں پر امن و سلامتی کا دور دورہ ہو۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَنُصَلِّہُ۔



## فصل سوم

# کرامات بعد از وصال شیخ قدس سرہ

یہاں ہم ان کرامات کا ذکر کریں گے۔ جو حضرت کی زبان سے  
بعض اقوال کے صورت میں برآمد ہوئیں اور وفات کے بعد  
ان حقایق کا اظہار کیا۔

ہمارے شیخ ابوسعید قدس سرہ کے گھر میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی۔ جو  
حکایت :- آپ کے گھر میں بادرچی خانہ میں کام کیا کرتی تھی۔ اسے دادا مطلقاً کہا کرتے  
تھے۔ اس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام بوسعید دادا تھا۔ اس کی ماں اسے کسی کام کا کہتی۔ تو کہتی دوست  
دادا! فلاں کام کر آؤ۔ ایک دن حضرت شیخ اپنے حجرہ میں آرام فرما رہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا  
دوسرے صوفی مسجد میں آرام کر رہے تھے۔ سخت گرمی تھی۔ ماں نے بیٹے کو ایک گھڑا دیا۔ اور کہا۔  
اے دررت دادا! جارو دوڑ کر پانی بھر لاؤ۔ ابھی صوفیوں کو اور حضرت شیخ کو پانی کی ضرورت پڑے  
گی۔ بوسعید نے گھڑا اٹھایا۔ اور پانی لینے گیا۔ ننگے پاؤں تپتی ہوئی زمین۔ بوسعید کے پاؤں جلتے



آنکھوں سے آنسو کی ٹریاں گرتیں۔ اور مکر پر پانی کا گھڑا اٹھائے چلا آ رہا تھا۔ حضرت کے حجرے کے دروازے سے سامنے سے گذرا تو حضرت شیخ نے اندر سے آواز دی بوسعد و آدا تمہیں ہم نے بغداد بخش دیا ہے تم اپنے بیٹوں کو دو یا خود رکھو۔ یہ انعام پانی کے ایک گھڑے کے بدلے دیا گیا ہے۔ اس دن کے بعد لوگ سعد کو دوست دادا کہنے لگے۔

وقت گذرتا گیا۔ یہ بچہ حضرت کے دربار کی خدمت میں ہی نوجوان ہو گیا اس کی خدمت گذاری نے اسے یہاں تک پہنچایا کہ وہ حضرت کے دس مخصوص خدمت گزاروں میں شمار ہونے لگا۔ احباب ان دس خدمت گزاروں کو احباب عشرہ کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ نسبت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشرہ مبشرہ سے تھی۔ واللہ تعالیٰ ان عشرہ مبشرہ کی برکات سے ہم سب کو اعزاز و اکرام سے نوازے۔

حضرت شیخ کی وفات کے بعد آپ کی خانقاہ کے ہر خدمت گزار کو اللہ تعالیٰ نے بڑی شان سے نوازا۔ آپ کے خادم اور فرزند ایں ایک ایک کر کے بلند درجات کو پہنچے امام اور پیشوا بنے۔ حضرت شیخ نے اپنی عمر کے آئین حصہ میں بوسعد و آدا کو اپنے پاس بلایا اور کہا ہم اس وقت تک اس دنیا سے جانا نہیں چاہتے جب تک حسن مودب کا وہ قرضہ جو اس نے درویشوں پر خرچ کر دینے میں بیباق نہ کر دیا جائے یہ قرضہ تین ہزار دینار ہیں۔ میں آج تمہیں عزیزین بھیجنا چاہتا ہوں۔ تم سلطان عزیزین کی خدمت میں جاؤ۔ اسے میرا سلام کہنا اور پیغام دینا کہ میں نے تین ہزار دینار قرضہ ادا کرنا ہے۔ اس سے پہلے ہمارے دل کو فارغ کر دو۔ ہم اس کی وجہ سے اس دنیا سے رخصت نہیں ہو سکتے۔ بوسعد کہتے تھے کہ جب یہ بات حضرت شیخ نے مجھے کہی تو میرے دل میں آیا کہ میں یہ باتیں بادشاہ کو کیسے کہہ سکوں گا۔ اور بادشاہ کو میرا کیا پتہ کہ میں کون ہوں؟ بھلا بادشاہ میرے جیسے خدمت گزار کی باتیں کیوں نے گا۔ میرے دنی خدشات کو حضرت نے بھانپ لیا۔ فرمایا درست دادا! تم فکر نہ کرو۔ میں نے ساری باتیں بادشاہ کو کہہ دی ہیں۔ اور اس نے قبول کر لی ہیں۔



بوسعد نے اسی وقت رختِ سفر تیار کیا۔ اور حضرت سے اجازت طلب کرنے کو اندر آیا۔

آپ نے فرمایا۔ بوسعد ہمیں الوداع کہہ لو۔ واپسی پر تم ہمیں نہ پاؤ گے مہینہ میں واپس آ کر صرف تین

دن قیام کرنا۔ پھر واپس چلے جانا۔ اور بغداد چلے جانا۔ میں نے بغداد تمہیں اور تمہارے بیٹوں کو

بطور جاگیر دے دیا ہے۔ یاد رکھو! کسی دوسرے شہر میں نہ ٹھہرنا۔ وہاں تمہیں بہت آسودگی ملے گی۔

رزق میں کشائش ہوگی۔ اور صوفیہ بھی آرام پائیں گے بوسعد کہتے ہیں۔ یہ بات سن کر میں بے حد

رویا۔ حضرت کی قدم بوسی کی۔ وداع کہا اور غزنین کو روانہ ہو گیا۔ میں شہر کے دروازے پر پہنچا

تو ڈر رہا تھا کہ مجھے اس شہر میں کون پہچانے گا۔ ڈر تھا کہ میں بادشاہ تک کیسے پہنچوں گا اور

یہ باتیں کس طرح بیان کروں گا۔ میں یہ سوچتے ہوئے شہر کی اس مسجد میں گیا جو بادشاہ کے گھر کے

پاس ہے۔ وہاں میں نے قیام کیا میرا خیاں تھا کہ بادشاہ کا کوئی خاص ملازم نماز پڑھنے آئے گا۔ تو

مجھے وہاں تک رسائی کا کوئی راستہ تلاش کرنے میں مدد ملے گی۔ چنانچہ میں اسی نکل میں تھا کہ مسجد

کے باہر انہی خیالات میں گم بازار سے گذر رہا تھا کہ ایک چلی سی بدھ سے سامنے آئی میں اس

محلے کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی تھوڑا سا آگے گیا تو مجھے ایک دروازے کے سامنے پہنچا ہی سر وند

کمرے دکھائی دیئے میں نے محسوس کیا کہ یہ کسی صاحبِ منصب گھرب ہے۔ جیتے ہی ان

لوگوں نے میرے لئے راستہ بنایا۔ ایک خوبصورت سا خادم آگے بڑھا اور میرے پاس آ کر کہنے لگا

حضور! یہاں بیٹھے! میں ابھی آتا ہوں، تھوڑی دیر کے بعد باہر آ کر ہٹے لگا۔ شیخ بوسعد دوست

دادا شیخ بوسعد ابو الخیر مہینی کے مرید آپ ہی ہیں؟ میں نے کہا۔ ہاں! کہنے لگا۔ اٹھو! اندر آؤ۔

میں اٹھا۔ اور روتے روتے بادشاہ کے مکان میں داخل ہوا۔ مجھے حیرانی تھی کہ ان لوگوں نے

مجھے کیسے پہچان لیا۔ اور میرے نام سے کس طرح واقف ہو گئے۔ بادشاہ کو میرے آنے کی اطلاع

کس نے دی ہے۔ وہ خادم مجھے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ اپنے کمرے میں بیٹھا میرا منتظر تھا

میں نے سلام کیا۔ مجھے بہت محبت سے جواب دیا کہ تم بوسعد دوست دادا ہو! میں نے کہا۔ ہاں

میں ہی ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ چالیس دن پہلے مجھے حضرت شیخ ابو سعید خواب میں ملے۔ میں نے



اس خادم کو دروازے پر بٹھا دیا کہ وہ تمہارا منتظر رہے۔ حضرت شیخ نے قرض کا سارا معاملہ مجھے بتا دیا ہے۔ میں نے منظور کر لیا ہے۔ اب اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ وہ تو دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ میں نے یہ باتیں نہیں تو سکتے میں آگیا۔ رونے لگا۔ بادشاہ بھی میرے ساتھ رونے لگا۔

بادشاہ نے اپنے خادم کو بتایا۔ انہیں لے جاؤ۔ اور لباس سفر بدلو۔ بادشاہ کے گھر میں ہی ایک آراستہ پیراستہ کمرہ دیا۔ نوکر چاکر آئے۔ سامان سفر ایک طرف رکھا گیا۔ مجھے حمام میں لے گئے غسل کیا۔ نیا لباس ملا۔ صوفیانہ پوشاک پہنائی گئی۔ میں تین دن تک شاہی مہمان کی حیثیت سے رہا چھتے دن علی الصبح ایک خادم لے آکر کہا کہ بادشاہ طلب فرما رہے ہیں۔ میں اٹھا۔ بادشاہ کے ہاں حاضر ہوا۔ مجھے تین ہزار دینار دے کر فرمایا۔ یہ حضرت شیخ ابو سعید کے قرضہ کی رقم ہے۔ ایک ہزار دینار مزید دے کر کہا۔ یہ حضرت کے عرس کے اخراجات ہیں۔ ہماری طرف سے حضرت کے مزار پر عرس کرنا۔ ایک ہزار مزید دیا کہ اس سے اپنے سفر اخراجات پورا کرنا۔ امد بقایا رقم اپنے اہل دعیال کو دینا۔ کیونکہ ابھی تم لوگوں نے مزید سفر پر جانا ہے۔

اسی وقت ایک خادم کو بلایا۔ اسے حکم دیا کہ مجھے خراسان کو جانے والے قافلے میں لے جائے۔ ایک سواری خرید کر اس پر اسباب لا دو۔ زاد راہ بہیا کرے۔ اور سالار قافلہ کو تاک کیوں کہ یہ ہمارا آدمی ہے۔ دوران سفر اس کا پوری طرح خیال رکھا جائے کوئی تکلیف نہ ہونے دے اور خراسان تک خدمت گزاری کرے۔

میں نے بادشاہ کو سلام کیا۔ اور رخصت لی۔ بادشاہ نے مجھے بڑے اعزاز کے ساتھ اوداع کہا۔ خادم نے بادشاہ کے حکم کے مطابق قافلہ میں شرکت کرانی اور میں نہایت آرام سے خراسان پہنچ گیا۔ راستے میں اگرچہ مجھے ہر قسم کا آرام میسر تھا۔ مگر میرا دن مہینہ کے حالات اور حضرت شیخ کے وصال کی طرف لگا رہا۔ میں مہینہ پہنچا۔ تو حضرت کے تمام بیٹوں۔ درویشوں اور دوسرے مہمانوں نے میرا استقبال کیا۔ حضرت شیخ کے ارشاد کے مطابق حسن مؤدب کو قرضہ کے بوجھ سے نارغ کیا یہ وصال کے بعد چوتھ دن تھا۔ میرے پہنچنے پر تمام حاضرین کے ہاں آہ و فغان برپا ہو گئی۔ سارا گھر دوبارہ



ماتم کدہ بن گیا۔ تمام اجاب کو لے کر میں حضرت شیخ کے مزار پر پہنچا۔ اور تمام حاضرین کو دو واقعات سنائے جو حضرت کے حکم کی تعمیل میں پیش آئے تھے۔ حضرت ابوطاہر کی خدمت میں ایک ہزار دینار رکھے تاکہ وہ حضرت کے عرس کے اخراجات میں لائیں۔ تین ہزار دینار ادائیگی قرض کا پیش کیا۔ تاکہ حسن مؤدب فارغ ہوں۔ میرا ذاتی سرمایہ جو ایک ہزار دینار تھا بھی حضرت ابوطاہر کی خدمت پیش کیا تاکہ آپ یہ روپیہ بھی میری طرف سے حضرت کے عرس پر خرچ فرمائیں۔ حضرت خواجہ ابوطاہر نے میرا نذرانہ قبول فرماتے ہوئے عرس پر تمام خرچ کر دیئے۔ تین دن تک تمام تقریبات ختم ہوئیں تو میں نے حضرت شیخ قدس سرہ کے حکم کے مطابق بغداد روانہ ہونے کا اعلان کیا۔ حضرت کے مزار۔ آپ کی اولاد اور مریدوں کو الوداعی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے خالی ہاتھ روانہ ہوا۔

میں بغداد پہنچا۔ ان دنوں ساری آبادی دریائے دجلہ کے اس طرف تھی۔ میں ایک مسجد میں ٹھہر گیا۔ کوئی واقف نہ تھا۔ چند روز گزرے ایک شخص سے شناسائی ہو گئی تھی۔ اس سے مشورہ کیا۔ کہ میں بغداد میں ایک ایسی آرام گاہ بنا نا چاہتا ہوں۔ جہاں صوفیہ آرام کر سکیں۔ اس نے کہا۔ بغداد کی ساری مسجدیں خالی ہیں جس مسجد میں چاہو ڈیوہہ جالو۔ اور صوفیہ کی خدمت کرتے رہو۔ مگر خانقاہ بنانے کے لئے سارے شہر میں کوئی جگہ حاصل کرنا آسان نہیں۔ البتہ دریائے دجلہ کی دوسری طرف جگہ آسانی سے مل جائے گی۔ اور حکومت بھی خانقاہ بنانے میں تمہاری مدد کریگی۔ بغداد شہر میں نہ تو تمہیں جگہ ملے گی نہ پانی۔ لوگ دنیاوی لالچ میں کسی کو نظر میں نہیں لاتے۔

چنانچہ میں نے امیر المومنین بغداد کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی کہ مجھے دجلہ کے دوسری جانب صوفیہ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔ میں حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر ہسینی کا مرید ہوں۔ میں درویشوں کی خدمت کرنے کا ارادہ لے کر آیا ہوں۔ خلیفۃ المسلمین نے میری درخواست پر لکھا۔ کہ مجھے جس قدر جگہ چاہیے۔ دے دی جائے۔ میں دریا کے اس پار آیا۔ ایک وسیع قطعہ زمین پر نشان لگائے۔ اور فیصلہ کیا کہ تقریباً دو ہزار گزہ جگہ پر خانقاہ کی عمارت بناؤں گا جہاں صوفیہ قیام کیا کریں گے۔ زمین پر قبضہ کرنے کے بعد میں نے ایک تھیلہ اٹھایا۔ اور دن رات بغداد



کے کھنڈرات میں گھومتا۔ اینٹیں اور ان کے ٹکڑے اکٹھے کرتا۔ اور خانقاہ کی تعمیر کے لئے لاتا رہتا اور اس جگہ پر ایک ڈھیر لگا دیا مجھے معلوم ہوا کہ خراسان سے ایک قافلہ آرہا ہے۔ میں اس قافلے کے استقبال کے لئے ہنروان تک پہنچا۔ قافلہ والوں نے مجھے دیکھتے ہی بڑی خوشی کا اظہار کیا اور بڑی مراعات کرنے لگے۔ ان میں سے اکثر لوگ ایسے تھے۔ جنہوں نے مجھے حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دیکھا تھا اور جانتے تھے۔ کہ حضرت مجھے کتنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ بھی حضرت کے مرید اور عقیدت مند تھے۔ اور مجھے بھی عزیز جانتے تھے۔

میں نے درخواست کی۔ کہ میں بغداد کے نزدیک صوفیہ کے لئے ایک سرائے بنا چاہتا ہوں اگر آپ کا قافلہ چند دنوں کے لئے اسی جگہ پر قیام کرے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ کیونکہ آپ اولین لوگ ہوں گے جو میرے اس مقصد کے لئے قیام کریں گے۔ اس قافلہ میں صوفیاء کی ایک خاصی تعداد تھی۔ کچھ تجارت پیشہ حضرات تھے۔ تمام وہاں قیام کرنے پر رضامند ہو گئے۔ اور میری مقررہ جگہ پر خیمے نصب ہو گئے۔ میں اٹھا۔ زنبیل لی۔ اور بغداد سے کھانا اور پھل مانگ مانگ کر لانے لگا۔ اور ہر روز صوفیہ کے لئے ایک دسترخوان سجا لیتا۔ پانچوں وقت اذان دیتا۔ نماز باجماعت ہونے لگی۔ جس کی امامت میں خود کرتا۔ علی الصبح قرآن پاک کا درس دیتا۔ اس قافلے کے قیام کے دوران رات کو بڑی روشنیاں ہوتیں۔ دن کو بڑی رونقیں رہتیں۔ جب یہ قافلہ چلا گیا تو اہل قافلہ نے مجھے بڑے احترام سے اوداع کہا۔ میرے متعلق ایک ہمدانہ تاثر لے کر گئے۔ میری خدمات کو بڑا پسند کیا گیا۔ ہر ایک شخص نے مجھے کچھ نہ کچھ دیا۔ میرے پاس خاصا۔ و پیہ جمع ہو گیا۔ قافلہ چلا گیا تو میں نے ان اینٹوں سے خانقاہ کی عمارت چھنا شروع کر دی۔ دن رات کام کرتا۔ ایک وسیع خانقاہ کی چار دیواری کھڑی ہو گئی ایک اونچا وسیع سطح بنا لیا۔ جماعت خانہ تعمیر ہوا۔ باورچی خانہ تیار ہو گیا اور لوگوں کے لئے وضو کرنے کی نہایت اچھی جگہ تیار ہو گئی۔ میں نے مسجد کی بنیاد رکھی اور ایک بڑی مسجد کی عمارت بند ہونے لگی۔ ان ساری عمارت کی دیواریں دروازے نظر آنے لگے۔ اور ایک بہت بڑی بستی دکھائی دینے لگی۔ لوگ دیکھتے تو حیران ہوتے۔ کہ یہ کون سا شہر آباد ہو رہا ہے۔



اب حاجیوں کی آمد کا زمانہ آپہنچا۔ میں آگے بڑھا۔ اور حاجیوں کے ایک قافلے کو دریائے فرات تک استقبال کرنے چلا گیا۔ میں نے درخواست کی کہ آپ لوگ ایک نیکی کے سفر پر روانہ ہیں۔ براہ کرم چند روز کے لئے میری خانقاہ پر قیام کر لیں مجھے ثواب ہو گا۔ آپ کی خدمت کروں گا۔ اور آپ میری خدمات سے خوش ہوں گے۔ لوگ رضامند ہو گئے اور حاجیوں کا یہ کارواں میری خانقاہ پر فروکش ہو گیا۔ ان لوگوں نے اتنی عمارات کی بنیادیں کھڑی دیکھیں تو تعجب کرنے لگے اور بے پناہ خوش ہوئے کہ تھوڑے عرصہ میں اتنی عمارتیں تیار ہونے لگی ہیں میرے متعلق ان کی رائے بڑی اچھی ہو گئی۔ میں بھی حسب سابق گداگری کرتا۔ اور جو کچھ ملتا اور دلشوں کے سامنے دسترخوان پر لار کھتا۔ پانچوں وقت اذان دیتا۔ اور خود جماعت کراتا۔ چند دنوں بعد حاجیوں کا یہ قافلہ روانہ ہونے لگا تو سب نے حسب استطاعت میری خدمت کی میرے پاس ایک بار پھر خاصی رقم جمع ہو گئی۔ قافلہ چلا گیا۔ میں خانقاہ کی تعمیر میں مشغول ہو گیا۔ اس دفعہ خانقاہ کی خوبصورت عمارت تیار ہو گئی۔ سنگ مرمر استعمال کیا گیا۔ حمام تیار ہوئے۔ جماعت خانہ مکمل ہو گیا۔ فرش لگائے گئے۔ باورچی خانے کے برتن جمع کئے۔ حتیٰ کہ اکثر ضروریات قیام و طعام تیار ہو گئیں۔ خانقاہ کے دروازے کے سامنے دکانیں اور بازار بن گئے اور ایک کارواں سرائے ترتیب دے دی گئی۔ میں چونکہ ہمہ تن خدمت خلق بن گیا تھا۔ عالم اسلام کے اطراف سے صوفیاء مشائخ آتے تو میرے پاس قیام فرماتے میری خدمت گزار کی شہرت ہر طرف پہنچی۔ کہ بوسعد نے بغداد کے پاس ایک ایسی بستی تعمیر کی ہے جہاں صوفیہ اور درویش قیام کرتے ہیں اور پھر اس قدر خدمت کرتا ہے۔ کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

آہستہ آہستہ بغداد کے لوگ میرے مرید ہونا شروع ہو گئے حتیٰ کہ میری شہرت خلیفہ وقت کے محلات تک جا پہنچی۔ میں ایک ات سویا ہوا تھا کہ کسی نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں اٹھا دروازہ کھولا دیکھا کہ امیر المومنین چند خاص آدمیوں کو لئے مجھے ملنے کو تشریف لائے ہیں۔ اور میری خانقاہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان حضرات میں وزیر عمارات۔ وزیر داخلہ۔ وزیر خزانہ اور دوسرے اعیان مملکت موجود تھے میں نے بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ خلیفہ خانقاہ میں تشریف لائے اور مختلف زیر تعمیر



عمارت دیکھنے گئے۔ درویشوں کے جماعت خانہ میں تشریف لائے۔ نہایت نیک اور عبادت گزار لوگوں کو دیکھا۔ پچاس حضرات صوفیہ اور مشائخ اس وقت مصلوں پر بیٹھے عبادت خداوندی میں مشغول پائے۔ امیر المؤمنین نے ان حضرات قدسیہ کی زیارت کی اور ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ میں بھی چند لمحوں کے واسطے بیٹھا۔ اور اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ ابوسعید ابوالمخیر کی کرامات اور دوسرے حالات کا ذکر کرنے لگا۔ خلیفہ اس وقت بڑے اچھے مزاج میں تھا۔ اس پر رقت طاری ہو گئی رونے لگا۔ اور ان حضرات سے بڑا متاثر ہوا۔ چند لمحوں کے بعد اپنے وزیر دربار کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بوسعید جب بھی آئیں۔ بلا تردد فوراً انہیں اندر بھیج دیا کرو۔ اور ان کے لئے پہلے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ پھر مجھے فرمایا۔ بوسعید آپ خدمت خلق میں مصروف رہیں آج سے ہماری طرف سے خدمت خلق کے اختیارات دیئے جا رہے ہیں۔ آپ اپنی ثواب دید کے مطابق لوگوں کے مسائل حل کرتے رہیں۔ میں ہر وقت تعاون کروں گا۔ جس کام کے لئے آپ کہیں گے۔ اسے قبول کیا جائے گا۔

امیر المؤمنین واپس گئے تو میں چند روز بعد دربار میں گیا۔ حاجب روزی دربار ہنہ فوراً اجازت ملاقات دی۔ اندر لے گیا۔ اور میں خلیفہ کے سامنے پہنچ گیا۔ میں نے دعا کی اور اس رات تشریف آوری کا شکر یہ ادا کیا۔ امیر المؤمنین نے میری بے پناہ عزت کی اور جو احکامات میری خانقاہ پر نافذ کئے تھے۔ دوبارہ جاری کئے۔ خدمت عامہ کا عہدہ مجھے دیا۔ میں واپس آیا۔ تو لوگ میری خانقاہ پر ٹوٹ پڑے۔ اپنے اپنے مسائل حل کرانے لگے۔ میرے لکھے جانے پر لوگوں کو سہولتیں ملنے لگیں ہیں جو کچھ لکھ کر بھیجتا۔ اس کی تعمیل ہونے لگی۔ بہت سے لوگ تو میرے قرب و جوار میں ہی آنے لگے۔ میری خانقاہ کے قریب ہی زمین لے کر گھر بنانے لگے۔ حتیٰ کہ میری خانقاہ کے آس پاس ایک شہر آباد ہو گیا۔ میں بھی اپنے اور خدمت سے لوگوں کی خدمت میں دن رات مصروف ہو گیا۔ خلیفہ کے ہاں میری عزت اور بڑھ گئی۔ اور مخلوق خدا کے لئے دربار تک رسائی میں آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ لوگوں کو فائدہ پہنچنے کا اثر یہ ہوا۔ کہ دور دور سے لوگ آ کر میری خانقاہ کے قرب و جوار مکانات بنانے لگے۔



یہ علاقہ ایک قصبہ میں تبدیل ہونے لگا۔ دوسری طرف خلیفہ کی نگاہ میں میرا مقام بڑھنے لگا۔ اس کا اعتقاد اور بڑھا۔ حتیٰ کہ ایک وقت آیا کہ خلیفہ نے اعلان کیا کہ اب دار الخلافہ ابوسعید دادا قرب و جوار میں بنایا جائے۔ سارا شہر اس طرف امنڈ آیا۔ حتیٰ کہ پرانا شہر جو دوسرے کنارے دا تھا۔ بے رونق ہو گیا۔ اور لوگ وہاں سے اٹھ کر نئے شہر میں آباد ہو گئے۔ اب میں بغداد کا الشیوخ تھا میرا مقام خلیفہ وقت سے کمتر نہ تھا۔ یہ سب صدقہ تھا۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس نگاہ کا جس نے مجھے ننگے پاؤں دھوپ میں آتے دیکھ کر فرمایا تھا۔ کہ ہم نے بغداد تمہارے حوالے کر دیا ہے۔ ان دنوں (موتلف کے کتاب لکھنے کے زمانہ میں) ابوسعید دادا کے بیٹے بغداد کے شیخ الشیوخ ہیں۔ تمام امور سلطنت عملی طور پر انہیں کے ہاتھ میں ہیں۔ خلیفہ کی تو صرف مہر اور سکہ ہی چلتا ہے۔ ان دنوں بغداد کی سیاست کا یہ عالم ہے۔ کہ جو خلیفہ تخت نشین ہوتا ہے شیخ الشیوخ اس کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھاتے ہیں۔ سب سے پہلے خلیفہ بیعت ہوتا ہے۔ پھر عمائدین سلطنت پھر امراء وقت اور پھر عوام الناس اس طرح تمام معاملات اور امور سلطنت سعد دادا کے بیٹوں کے ہاتھ ہوتا ہے۔

میں نے ابویمانی کے اشراف میں سے ایک سے سنا کہ اس کے **حضرت شیخ کا گھوڑا :-** والد نے پیر ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا کہ حضرت شیخ کے پاس کیت رنگ کا ایک گھوڑا تھا۔ جو اس قدر سرکش تھا۔ کہ کسی کو سواری کی اجازت نہ دیتا۔ لیکن جب حضرت شیخ آتے تو اپنی پشت جھکا دیتا۔ حضرت رکاب پر پاؤں رکھتے۔ اور وہ ہوا ہوا جاتا۔ حضرت کی وفات ہوئی تو وہ گھوڑا بڑا افسردہ خاطر دکھائی دیا۔ اُس کی آنکھوں سے پانی بہ رہا تھا۔ چارہ کھانا ترک کر دیا۔ پانی پینا چھوڑ دیا۔ سات دن اسی طرح گذر گئے۔ لوگوں نے کہا حضرت کا گھوڑا اس قدر لاغر ہو گیا ہے۔ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ کیا کیا جائے۔ حضرت خواجہ ابوطاہر کو کہنے لگے۔ کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ اسے ذبح کر دیا جائے۔ درویشوں کو بطور تبرک بانٹ دیا جائے۔ لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔



میں نے پیر زین الطائفہ عمر شوکانی سے سنا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ایک دن خواجہ ابوالفتح  
 جو حضرت شیخ کا بیٹا تھا، اپنے باپ کی خانقاہ میں بیٹھے تھے۔ خواجہ امام ابوالفتح حضرت شیخ کے  
 واقعات زندگی بیان فرماتے ہوئے کہا کہ آپ نے وفات سے چند لمحے قبل تین بار ہماری طرف  
 دیکھا۔ فرمایا کہ جمعرات کو ہم دنیا سے رخصت ہوں گے۔ بروز جمعہ یہاں بڑی اندوہناک بھیڑ  
 ہوگی۔ تم ہمارے جنازے کے قریب نہ جاسکو گے۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ ایک چادر لاؤ۔  
 لوگوں نے چادر کے چاروں کنارے پکڑے اور ہوا میں پھیلا دی۔ آپ نے ہمیں فرمایا۔ اس چادر  
 کے نیچے ہو کر دیکھو۔ گویا یہ ہمارا جنازہ جا رہا ہے حضرت کے بیٹوں نے ویسے ہی کیا جس طرح حضرت  
 نے حکم دیا۔ چنانچہ تیسرے دن ایسا ہی ہوا جیسا حضرت نے فرمایا تھا۔

جب حضرت کا جنازہ اٹھا۔ تو ہم لوگ جنازے کے قریب نہ جاسکے اور ایک کونے میں کھڑے  
 روتے رہے۔ یہ بات سناتے بھی زار و زار رو رہے تھے۔

**تربیت مرتبین** شیخ ابوالقاسم روباہی قدس سرہ ہمارے شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ یہ قدیم صوفیہ  
 میں شمار ہوتے ہیں جس طرح بونصر عرضی۔ احمد عدنی باف وغیرہ پرانے صوفیہ میں سے مانے جاتے ہیں  
 آپ نے حضرت شیخ کی وفات کی خبر سنی۔ تو نیشاپور پہنچے۔ ان دنوں حضرت امام ابوالقاسم قشیری نیشاپور  
 میں قیام فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ آج وہ شخص اٹھ گیا ہے جس کی مثال نہ صوفیاء متقدمین میں سے  
 ملتی ہے اور نہ مسافرین میں کوئی ایسا ہوگا۔ آپ اٹھے اور کونے عدنی گویاں کے محلے میں آئے اور  
 حضرت کے غم میں خلوت گزین ہو گئے اسی ماتم کے دوران فرمانے لگے۔ جب ہم نے حضرت شیخ ابوسعید  
 کو دیکھا تھا تو ابھی ہمیں تصوف کا علم بھی نہ تھا اور کسی صوفی کو دیکھا تک نہ تھا۔ اگر ہم آپ کی  
 زیارت نہ کرتے تو لفظ صوفی صرف کتابوں میں ہی پڑھتے۔ زندہ صوفی نہ دیکھ سکتے۔ تعزیت سے  
 فارغ ہوتے ہی حضرت استاد امام ابوالقاسم قشیری نے آپ کا عرس کیا۔ ساتویں دن علی محاسب کو  
 جو آپ کی خانقاہ کا وکیل تھا۔ ہمارے پاس بھیجا۔ اور کہا تم دس ایسے شخص ہو۔ جو حضرت شیخ کی  
 زندگی میں مہینہ میں قیام پذیر تھے۔ تم ہمارے ہی آدمی ہو۔ اب شیخ چلے گئے ہیں۔ تم واپس آ جاؤ



لوگوں نے علی محتسب کو کہا۔ چند روز ہمیں فیصلہ کرنے کی مہلت دی جائے۔ چند دنوں کے بعد ایک اور شخص آیا۔ اور کہنے لگا۔ استاد قاسم نے فرمایا اب تو تم نے سوچ کر فیصلہ کر لیا ہوگا۔ تمام کے تمام خاموش رہے۔ مجھ سے نہ رہا جا سکا۔ میں نے کہا تم لوگ کیوں جواب نہیں دیتے۔ کہنے لگے ہم کیا کہیں۔ میں نے کہا۔ میں تو بہاری زبان سے جواب دینا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا حضرت استاد کی خدمت میں گزارش کروں کہ حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ تھا۔ کہ جب دعوت ہوتی تو حضرت مجھے ایک پیالہ ایک قلیچہ اور ایک مٹیٹی طشتری اپنے آگے سے اٹھا کر مجھے عنایت فرمایا کرتے تھے۔ اور ایسے ہی اپنے باورچی خانے سے اتنا کھانا میرے گھر بھجاتے۔ ایک دن دعوت تھی۔ میں نے خود ہی باورچی خانے پہنچ کر تمام ضرورت کا کھانا اٹھا لیا۔ اور ساری چیزیں باندھ کر سر پر رکھ لیں۔ روٹیاں ایک آستین میں رکھیں۔ اور پیالہ دوسرے ہاتھ میں اٹھا لیا۔ اب حضرت نے اپنی طرف سے بھی یہ ساری چیزیں اذہر نو عنایت فرمادیں۔ میں نے دوسری آستین میں رکھ لیں۔ اور دوسرے ہاتھ میں پیالہ اٹھا لیا۔ یہ گرمیوں کا زمانہ تھا حضرت اپنے اجاب اور درویشوں کے ساتھ آرام فرماتے چلے گئے ہیں۔ اسی طرح خانقاہ سے روانہ ہوا۔ راستے میں برسر بازار میرا آزار بند ڈھیلا ہوا۔ اور قریب تھا کہ میں عریاں ہو جاتا حضرت نے اپنے جہرے سے آواز دے کر درویشوں کو کہا۔ ابو القاسم کی امداد کرو۔ ایک درویش دوڑ کر آیا۔ اور کہنے لگا۔ تمہیں کیا ہوا ہے۔ میں نے اسے اشارہ کیا تو اس نے میرا آزار بند باندھ کر مجھے شرمندگی سے بچا لیا۔ حضرت ہم تو ایسے پیر و مرشد کے زیر تربیت رہ چکے ہیں۔ اگر آپ بھی ہمیں یوں حفاظت میں رکھ سکتے ہیں تو ہم حاضر ہیں۔ علی محتسب واپس چلے گئے۔ دوسرے دن صبح کے وقت حضرت استاد امام قشیری ہمارے پاس خود تشریف لائے۔ اور ہم سے معذرت کی۔ اور ہمیں کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کسی سے بات نہ کرنا۔ ہم نے وعدہ کر لیا۔

حضرت استاد امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ چلے گئے۔ اور حضرت  
**امام قشیری مزرائی شیخ پرہیز** ابو سعید کے مزار کی زیارت کو روانہ ہوئے اس سفر میں آپ  
 کے ساتھ چالیس سو فید بھی تھے۔ جب یہ جماعت رباط سرکایہ میں پہنچے تو استاد قشیری اور دوسرے



لوگوں کی نگاہیں مہینہ پر پڑیں۔ سوائیوں سے نیچے اتر آئے۔ اور قاری حضرات کو کہا کہ حضرت شیخ ابو سعید کا یہ شعر پڑیں۔

ے . جانا بز میں خاوراں خار سے نیست  
کش با من و روزگار من کار سے نیست  
بالطف و نوازش جسمال تو مرا  
در د اذن صد ہزار جاں عاری نیست

قاری حضرات یہ اشعار خوش الحانی سے پڑھتے جلتے تھے۔ حضرت اتاد پر حالت خاص طاری ہو گئی۔ اپنا فرقہ اتار دیا۔ دوسرے صوفیہ نے بھی اپنے اپنے فرقے اتار دیئے۔ حضرت شیخ کے بیٹوں کو ان بزرگان دین کے آنے کی خبر ہوئی۔ کہ حضرت امام قشیری صوفیہ کی جماعت کے ساتھ نیشاپور سے آرہے ہیں۔ تمام کے تمام اپنے مریدوں اور درویشوں کو لے کر استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ راتے میں ملے قاری اشعار پڑھ رہے تھے مینہہ والے بھی اپنے فرقوں سے عاری ہو گئے۔ حتیٰ کہ یہ سارا مجمع حضرت شیخ کے مزار پر انوار کے سامنے آ پہنچا۔ قاری پڑھتے جا رہے تھے۔ درویش زمین پر تڑپ رہے تھے۔ ہر ایک پر عجیب حالت طاری تھی۔ فرقے پارہ پارہ کر دیئے گئے۔

حضرت امام قشیری ایک دن کے لئے مینہہ میں ٹھہرے۔ حضرت شیخ کے بیٹوں نے آپ سے درخواست کی کہ ایک دن مزار پاک کے سامنے مجلس ذکر برپا کی جائے۔ آپ نے قبول نہ کی۔ لیکن لوگوں کے اصرار پر جامع مسجد میں مجلس ذکر منعقد کی۔ اور دوران وعظ فرمایا۔

كُنَّا نَعْرِضُ عَلَى الشَّيْخِ أَبِي سَعِيدٍ فِي أَشْيَاءٍ وَكُنَّا نَظْلَمُهُ لَانَ  
مَنْ قَابِلٍ صَاحِبِ الْحَالِ بِالْعِلْمِ يُظْطَمُ .

ترجمہ :- بعض مسائل میں ہم حضرت شیخ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ اور ہم زیادتی کیا کرتے تھے۔ کیونکہ جو لوگ صاحب حال بزرگوں کا علم سے مقابلہ کرتے ہیں وہ ظلم کرتے ہیں۔ چند دن مینہہ سے واپس نیشاپور چلے گئے۔



حضرت شیخ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ مینہ کی ایک نیک سیرت عورت  
مزار شیخ کا تعین :۔ نے خواب میں دیکھا۔ کہ جہاں ان دنوں حضرت کا مزار ہے حضرت

آدم علیہ السلام دوسرے انبیاء کرام کو لئے کھڑے ہیں۔ اس عورت نے حضرت ابراہیم حضرت یعقوب  
حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم السلام ایک ایک کو پہچان لیا۔ اس وقت یہ مقام ہر ایک سویلی تھی  
جسے حضرت شیخ نے فریدا۔ لوگ تو وہاں گھوڑے باندھا کرتے تھے۔ مگر شیخ نے اسپر ایک صاف ستھری عمارت  
کھڑی کر لی۔ وہاں بیٹھا کرتے۔ مراقبہ فرماتے۔ دوسرے صوفیہ بھی وہاں ذکر کرتے۔ حضرت نے اس عمارت  
کو مشہد کا نام دیا۔ تو خواجہ امام ابو البدر مشرقی نے حضرت شیخ کی خدمت میں یہ شعر پیش کیا۔

نبی شیخ الزمان لنا بنا      تقا غریبہ ما قد کان قبلہ  
فکعبہ قبلۃ لنا کس طرا      و هذا البیت للعشاق قبلہ

حضرت نے وفات سے پہلے ہی فرمایا تھا۔ کہ مجھے فلاں جگہ دفن کرنا۔ اس عورت نے مزار دیکھ  
کر کہا۔ یہ ہے اُس خواب کی تعبیر! میں نے وفات کے وقت دیکھا۔ کہ جس جگہ حضرت کا مزار بنا تھا۔ وہاں  
ہی حضرات انبیاء علیہم السلام کو کھڑے دیکھا تھا۔

میں نے حضرت ابو الیمان سے سنا۔ انہوں نے حسن جاناروی سے سنا اور

نازعیان حتی :۔ انہوں نے خواجہ ابو الفتح کی زبانی سنا تھا۔ کہ میرے والد بو طاہر شیخ قدس سرہ

اپنے سکول جارہے تھے۔ ایک دن اتاد نے کسی بات پر انہیں مارا پٹیا۔ زخم کے نشانات بدن پر نمایاں  
تھے۔ خواجہ ابو طاہر روتے روتے سکول سے گھر آگئے۔ اور زخم نشان حضرت شیخ کو دکھائے۔ حضرت شیخ  
نے اتاد کو پیغام بھیجا کہ ہم اس بچے کو مقرب اور امام نہیں بنانا چاہتے۔ خیال رہے۔ یہ بچے۔ اللہ  
کے نازنین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے لطف و کرم سے پالا ہے۔ اپنے لطف و کرم میں رکھ ہے  
کان کھول کو سن لو۔ آئندہ کے لئے انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

ابو طاہر سکول سے بہت گھبراتے تھے۔ بلکہ اس دن کے بعد آپ کو سکول سے نفرت ہو گئی اور

سکول کی تعلیم سے کنارہ کش رہنے لگے۔ ایک دن حضرت شیخ نے فرمایا۔ جو شخص ہمیں یہ خبر پہنچائے گا کہ



درویش آرہے ہیں۔ ہم اسے منہ مانگی مراد دیں گے چند دن کے لئے حضرت کے پاس کوئی مسافر نہ آیا۔ آپ کی دلی خواہش تھی۔ کاش کوئی درویش آتے اور میں اس کی خدمت بجالاؤں۔ خواجہ ابوطاہر نے یہ بات سنی۔ تو مکان کی چھت پر چڑھ گئے اور ہر طرف نظر دوڑا کر دیکھنے لگے شاید کوئی مسافر آتا دکھائی دے اور آپ خوشخبری لے کر حضرت کے پاس جائیں۔ اتفاقاً طوس کے راستہ پر چند درویش صورت بزرگ آتے دکھائی دیئے۔ ابوطاہر چھت سے اترے اور جلدی جلدی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے بابا چند مسافر درویش آنے والے ہیں حضرت شیخ نے فرمایا۔ اب بتاؤ کیا مانگتے ہو؟ عرض کی۔ آج سکول نہیں جاؤں گا۔ شیخ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے! عرض کی۔ کل بھی نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا! پھر کہا یہ پورا ہفتہ نہیں جاؤں گا۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ نہ جانا۔ پھر کہنے لگے۔ میں بالکل ہی سکول نہیں جاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا۔ نہ جانا۔ مگر گھر میں بیٹھ کر اپنا فتحنا تو یاد کر لینا۔ اور یہ ساری سورت یاد رکھنا اور سکول نہ جانا۔ حضرت خواجہ ابوطاہر خوش ہو گئے۔ مگر حضرت شیخ نے ہاتھ اٹھا کر توت کے ایک درخت سے شاخ کاٹی۔ اور ابوطاہر کی میان میں باندھ دی۔ اور ایک جھاڑو ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اور فرمایا۔ لو۔ مسجد کی صفائی کرو۔ ابوطاہر نے جھاڑو دینا شروع کر دیا۔ ادھر درویش آپہنچے۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں آ بیٹھے۔ حضرت نے پوچھا۔ آپ لوگوں کو میرا بیٹا ابوطاہر کیا دکھائی دیتا ہے انہوں نے کہا بہت اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اب ہم نے اسے اور اپنے دوسرے بیٹوں کو درویشوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہے البتہ سورہ اپنا فتحنا زبانی یاد کرالی ہے۔ حضرت شیخ کی وفات کے بعد ابوطاہر قدس سرہ نے۔ یہ واقعہ بیان کیا تھا اور ساری زندگی مہر بہ لب رہے۔

نظام الملک طوسی ملک شاہ سلجوقی کا وزیر مملکت تھا۔ ان دنوں  
**نظام الملک طوسی :-** اصفہان سلجوقیوں کا دار الخلافہ تھا۔ نظام الملک طوسی حضرت شیخ  
 ابو سعید رحمۃ اللہ کا مرید تھا۔ اور شیخ کی وجہ سے دوسرے صوفیاء کا بھی مربی تھا۔ خواجہ ابوطاہر صوفیاء  
 کی وجہ سے قرض میں زیر بار تھے۔ چنانچہ خواجہ ابوطاہر چند صوفیہ کو لے کر اصفہان گئے۔ نظام الملک نے



ان حضرات کی بڑی عزت و تکریم کی۔ انہی دنوں سلطان غزنین کی طرف سے ایک سفیر آیا ہوا تھا۔ جو علوی سید تھا۔ بڑا فاضل صاحب الدایٰ منقصب شیعہ۔ اور بزرگان دین اور صوفیاء کا منکر تھا۔ وہ اپنے قیام کے دوران نظام الملک کو ملامت کرتا رہا۔ کہ تم ایسے لوگوں پر اپنی بدست نچھاور کرتے رہتے ہو۔ جو سنت کے مطابق وضو کرنا بھی نہیں جانتے۔ دو رکعت نماز صحیح ادا نہیں کر سکتے۔ فرض اور سنت میں فرق کرنا نہیں جانتے۔ علوم شریعت سے بے بہرہ ہیں۔ جاہل اور شیطان کے بہکائے ہوئے لوگ تمہارے مال پر پلتے ہیں۔ نظام الملک نے کہا تم نہیں جانتے۔ یہ بڑے باہوش و خرد لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں ایک بھی ایسا شخص نہیں ہوتا جو علم دین کو ضرورت کے مطابق نہ جانتا ہو۔ ان کے مقتدی علماء شریعت اور اولیاء طریقت ہوتے ہیں۔ علم کا مقصد عمل ہوتا ہے۔ یہ لوگ شریعت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ باتیں ان دونوں میں دیر تک ہوتی رہیں۔

غزنین کے سفیر کو یہ معلوم تھا۔ کہ ابوطاہر کو تو قرآن پڑھنا بھی نہیں آتا۔ مگر نظام الملک کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ چنانچہ سفیر نے اسے کہا۔ یہ کیا یہ بات درست ہے کہ ابوسعید ابوالخیر اس زمانے کے تمام صوفیہ سے بہتر ہیں۔ نظام الملک نے کہا۔ بالکل درست ہے سفیر نے کہا۔ خواجہ ابوطاہر تو قرآن تک نہیں پڑھ سکتا۔ نظام الملک نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ شیخ کے بعد ابوطاہر تو قطب وقت ہیں نظام الملک نے فرمایا۔ ہم انہیں بلاتے ہیں تم قرآن کی کوئی سی صورت سوتج رکھو۔ جو انہیں سنانے کا کہنا۔ نظام الملک نے خواجہ ابوطاہر کو بلایا۔ آپ تمام صوفیاء اور بیٹوں کو لئے اندر آگئے۔ جب سب کے سب بیٹھ گئے۔ تو نظام الملک نے سفیر کو کہا۔ کون سی سورت سننا چاہتے ہو۔ اس نے کہا انہیں کہیں اِنَّا قَنَحْنَا پڑھیں۔ نظام الملک نے اشارہ کیا تو خواجہ ابوطاہر نے ساری سورت نادی۔ تمام حاضرین پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ نظام الملک بہت خوش ہوا۔ ادھر سفیر غزنین بڑا شرمسار ہوا کہ اس نے اتنے بڑے مجمع میں اتنا بڑا جھوٹ بولا تھا۔ اٹھا۔ اور مجلس سے باہر چلا گیا۔ نظام الملک نے پوچھا۔ حضرت آپ اتنے خوش کیوں ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جناب صدر بزرگوار۔ میں قرآن کا حافظ نہیں ہوں۔ اور اپنے بچپن کا تمام واقعہ اول سے آخر تک سنا دیا۔ نظام الملک



کا اعتقاد پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا۔

یہ واقعہ حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کے کشف کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ نے ستر سال پہلے معلوم کر لیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ ان کے بیٹوں سے امتحان لیا جائے گا۔ اسی لئے آپ نے بیٹے کو حکم دیا تھا کہ کم از کم اِنَّا قَنَحْنَا قَوَّيَادُكُمْ لَوْ حَضَرَ شَيْخُ كِي وَفَاتُ كُو چالیس سال ہو چکے تھے۔ حضرت ابوطاہر نے ۴۸۰ھ میں وفات پائی۔

حضرت جن دنوں مجاہدہ اور ریاضت کے مراحل طے  
خواجہ ابوطاہر کی شیخ سے محبت :- کر رہے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ دُودُ

ماہ گھر سے غائب رہتے۔ اور کسی کو بھی نہ ملتے۔ خواجہ ابوطاہر بھی بچے ہی تھے۔ اپنے والد حضرت شیخ سے بڑی محبت تھی۔ شیخ کی عدم موجودگی میں آپ کو بڑی بے چینی اور ادا سی ہوتی ایک بار ایسا ہوا۔ کہ شیخ پورا ایک مہینہ گھر سے غائب رہے۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ ابوطاہر بڑے اداس اور مضطرب دکھائی دیتے تھے۔ ایک دن علی الصبح اٹھے۔ اور جہاں جہاں حضرت شیخ عبادت کیا کرتے تھے۔

گھومتے رہے۔ صحرا و بیابان۔ مسجد۔ سرائے۔ قبرستان غرضیکہ جگہ جگہ والد کرم کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔ مگر حضرت کا کہیں پتہ نہ چلا۔ سارا گرم دن پھرتے رہے۔ آخر کار نماز ظہر کے وقت ایک پرانی سرائے کے سامنے آکر رک گئے یہ ایسی سرائے تھی جہاں حضرت شیخ عام طور پر عبادت کو آتے تھے۔ سرائے کا دروازہ بند تھا۔ ابوطاہر نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اتفاقاً حضرت وہاں ہی تھے۔ دروازہ کھولا۔

ابوطاہر کو کھڑے پایا۔ پسینے میں شرابور۔ گرمی سے چہرہ سُرخ۔ ہوش و حواس اڑے ہوئے حضرت شیخ کو دیکھتے ہی زمین پر گر گئے حضرت شیخ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمانے لگے۔ ابوطاہر! تمہیں کیا ہو گیا۔ تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ ابوطاہر نے کہا۔ بابا۔ میں تو آپ کو لینے آیا ہوں۔ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا۔ تم دنیا میں ہمارے ساتھ رہو گے۔ قبر میں ہمارے ساتھ رہو گے بہشت میں ہمارے ساتھ رہو گے۔ ہاتھ بڑھائے۔ ابوطاہر کو گود میں اٹھالیا۔ اور اندر لے گئے۔ آپ ساری زندگی حضرت شیخ کے ساتھ رہے۔ ابوطاہر مرتے دم تک شیخ سے جدا نہ ہوئے۔



خواجہ ابوطاہر فوت ہوئے۔ تو لوگوں کو ان تعلقات کا خیال نہ رہا جنازہ تیار ہوا۔ تو باہر قبرستان میں لے جائے کی تیاری ہوئی۔ آسمان پر بادل اٹھے اور زبردست طوفانی بارش شروع ہو گئی۔ لوگوں کو انتظار تھا کہ ابھی بارش تمم جائے گی اور جنازہ اٹھا کر لے جائیں گے۔ مگر متواتر تین دن رات بارش ہوتی رہی۔ اور کسی کو جنازے اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر کار ایک مرید صادق نے گزارش کی۔ خواجہ ابوطاہر کا عشق اس بات کا تقاضا کرتا ہے۔ کہ آپ کو حضرت شیخ کے مزار کے پہلو میں دفن کیا جائے حضرت شیخ بھی زندگی میں فرمایا کرتے تھے کہ ہم دونوں زندگی اور بعد از زندگی اکٹھے ہی رہیں گے۔ یہ طوفان باد و باران حضرت شیخ کی کرامت سے ہے۔ بہتر یہی ہے کہ جنازہ قبرستان میں لے جانے کی بجائے یہاں ہی دفن کیا جائے۔

ان دنوں ایک گورکن جس کا نام قتیبہ تھا حضرت شیخ کے مزار کے پاس ہی کوچہ  
**شیخ کا گورکن :-** صوفیاں میں رہتا تھا حضرت کی وفات کے وقت اسی نے قبر کھودی تھی اسے  
 بلایا گیا کہ وہ حضرت کے پہلو میں ایک اور قبر بنائے۔ اس نے قبر تیار کی قبر کو صاف کرتے ہوئے اس کی  
 گدال ایک پتھر پر لگی جس سے حضرت کی قبر سے ایک سوراخ ہو گیا۔ قتیبہ نے زور سے چیخ ماری اور پتھر  
 کو وہیں رکھ دیا۔ اور خود بے ہوش ہو کر قبر میں ہی گر پڑا۔ اسے نکالا گیا۔ اور اس کے گھر پہنچا دیا گیا۔ حضرت  
 خواجہ ابوطاہر کو دفن کر دیا گیا۔ ابھی لوگوں نے مٹی سے ہاتھ بھی نہ جھاڑے تھے۔ کہ بارش رک گئی۔ اور  
 دھوپ نکل آئی۔ تمام لوگوں کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ بارش حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کی کرامت تھی۔ قتیبہ  
 بے ہوش پڑا رہا۔ چالیس دن تک آنکھ نہ کھولی۔ اور زبان نہ ہلا سکا۔ کسی کو یہ پتہ نہ چل سکا۔ کہ اس نے  
 کیا دیکھا ہے۔ چالیس دن بعد وہ فوت ہو گیا۔ اور یہ راز سر بسنتہ ہی اپنے ساتھ ہی لے گیا۔ اگرچہ لوگ اس  
 واقعہ کو بھی حضرت شیخ کی کرامت بتا کر مختلف قیاس آرائیاں کرتے رہے۔ مگر اس واقعہ کا عینی شاہد  
 قتیبہ بات کے بغیر دنیا سے چل بسا۔

شیخ ابوالفضل شامی بڑے ہی پیارے اور بزرگ انسان تھے مشاہیر  
**شیخ ابوالفضل شامی :-** صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں۔ جوانی میں بڑے سفر کئے۔ آخر عمر میں



بیت المقدس قیام کیا۔ اور بیت المقدس کے مجاور بن گئے۔ بیت المقدس میں ایک دن صوفیوں کی ایک خانقاہ میں سو رہے تھے۔ کہ خواب میں دیکھا۔ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ خانقاہ کے دروازے سے اندر تشریف لائے ہیں۔ ہاتھ میں مٹھائی کا ایک طباق اٹھائے ہوئے مجمع میں آگئے۔ ایک ایک کو مٹھائی کا ایک حصہ دیتے چلے۔ جب شیخ ابوالفضل شامی کے پاس آئے تو طباق کی ساری بچی ہوئی۔ مٹھائی آپ کی جھولی میں ڈال دی۔ اور کچھ مٹھائی آپ کے منہ میں ڈالی جس سے منہ بھر گیا۔ حضرت شامی بیدار ہوئے تو آپ کا منہ ابھی تک مٹھائی سے بھرا ہوا تھا۔ خادم کو آواز دی۔ روٹنی کا انتظام کر دیا۔ پانس سوئے ہوئے سوئیا کو اٹھایا۔ اور تمام کو خواب کا واقعہ سنایا۔ پھر اٹھے۔ غسل کیا۔ اور دو گانہ ادا کیا۔ اٹھ کر اعلان کیا۔ شیخ ابوسعید کی زیارت کرنے والے اٹھیں۔ صوفیہ کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تیار ہو گئی۔ اور بہادہ بیت المقدس سے روانہ ہو کر مینہ میں آگئے۔ اگرچہ اس وقت آپ کی عمر اسی سال سے تجاوز تھی۔ مگر آپ راستے میں کہیں نہ رکے۔ مینہ میں چند روز قیام کیا۔ حضرت شیخ قدس سرہ کے تمام بیٹوں کو بلایا۔ اور کہا۔ میں آپ لوگوں کو حضرت شیخ کے مزار پر انوار کی خدمت اور حفاظت کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اس مقام کی عزت و حرمت کو برقرار رکھیں۔ سب کو الوداع کہا۔ اور بیت المقدس کو واپس آگئے۔

حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کی وفات کے بعد ایک بزرگ نے آپ کو

**مَنْ ثَبِتَ نَبِيَّتْ** : خواب میں دیکھا کہ آپ ایک تخت پر جلوہ فرما ہیں۔ اور فرما رہے ہیں۔ مَنْ ثَبِتَ نَبِيَّتْ "جو شخص ثابت قدمی سے راہِ راست پر چلے گا۔ نجات پالے گا" ایک اور بزرگ نے حضرت شیخ کو خواب میں دیکھا۔ تو فرما رہے تھے: درویشوں کی روٹیاں کھاتے ہو اور ان کی خدمت نہیں کرتے!"

میرے دادا کی زبانی حضرت شیخ الاسلام ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔ ایک دن درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ میں سفر کر رہا تھا۔ سخت بارش نے آیا ہم ایک پناہ گاہ میں چلے گئے۔ بارش لگاتار کئی دن تک رہی۔ مویشی چارے کے بغیر بھوکے مرنے لگے۔ اچانک میری زبان سے



نکلا۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہم کیا کریں؟ اس رات خواب میں حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کی زیارت ہوئی۔ فرمانے لگے۔ ابوسعید! ایسی باتیں کس کام کی ہیں۔ ایسی بات کرو جو ہم کرا سکیں؟ میں اٹھا۔ تو بہ کی۔ اور کئی دن تک روتا رہا۔

شیخ مہد بارودی بڑے پیارے بزرگ تھے۔ حضرت شیخ ابوسعید کے معتقد خاص تھے۔ سلطان بہر اپنے شکر سمیت آپ کا مرید ہو گیا تھا۔ آپ بھی سلطان پر بڑی محبت کی نظر رکھتے تھے۔ میرے والد نور الدین منور رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں د آپ شیخ کے مزار کے خادم تھے اور حضرت کی ساری اولاد کے پیرو پیشوا تھے۔ شیخ مہد بارودی مینہ میں حضرت کے مزار پر انوار کی زیارت کو حاضر ہوئے مزار کے درویشوں کی خدمت کی۔ اور مزار کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ زیارت کی۔ صبح سے شام ہو گئی۔ تمام لوگ کھانا کھا کر نماز عشاء سے فارغ ہو گئے۔ البتہ مزار پر قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ سوئیہ کی ایک جماعت اور چند دوسرے عقیدت مند بھی زیارت کو جمع تھے۔ حضرت شیخ مہد نے کہا میرا دل چاہتا ہے۔ کہ آج حضرت شیخ کے مزار پر ہی رات گزاروں۔ اور ساری رات عبادت میں رہوں۔ حضرت شیخ ابوسعید کے بیٹوں نے کہا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ایسا کسی بزرگ نے نہیں کیا۔ وفات کے بعد کبھی کسی نے بھی حضرت کے مزار پر شب بسر نہیں کی۔ حضرت فرمایا کرتے تھے۔ دن تمہارا ہوگا۔ اور رات میرے جن عقیدت مندوں کی ہوگی۔ مگر بایں ہمہ حضرت مہد نے کہا۔ یہ سب عام باتیں ہیں۔ میں رات حضرت کے مزار پر گزاروں گا۔ لوگ گھر آگئے۔ شیخ مہد وہاں ہی ہے باہر سے قفل لگا دیئے گئے۔ رات کو صوفیا اور درویش چھتوں پر آرام کرے چلے گئے۔ یہ گرمیوں کا موسم تھا۔ ابھی سوئے نہ تھے کہ شیخ مہد کی چھین سنائی دیں۔ صوفی چھت سے نیچے اترے۔ اور دیکھا کہ شیخ مہد صوفیوں کے کوچہ میں ایک حوض کے کنارے بیٹھے ہیں۔ دونوں پاؤں پانی میں لٹکائے ہوئے ہیں۔ اٹھا کر مزار کے بیرونی دروازے پر لے آئے۔ قفل ابھی تک لگا ہوا تھا۔ اسے چھت پر لے جا کر پوچھا گیا۔ کہ کیا معاملہ ہوا۔ شیخ مہد نے بنایا۔ جب شمعیں بج گئیں۔ دروازوں پر قفل لگ گئے۔ تو میں نماز میں مشغول ہو گیا۔ چند کعت نوافل پڑھے۔ پھر بیٹھ کر مراقبہ کرنے لگا۔ تھوڑی دیر تک تفکر کیا



مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے پاؤں میں تری ہے۔ آنکھیں کھولیں تو خود کو پانی میں پاؤں لٹکانے پایا۔ آپ لوگوں نے مجھے وہاں سے اٹھالیا۔

اس رات حضرت شیخ مہد چھت پر سو رہے۔ سحری کے وقت ایک خادم نے دروازہ کھولا۔ تو حضرت شیخ مہد کی جوتیاں اٹھا کر باہر لایا۔ اور آپ کی خدمت میں لا رکھیں۔ شیخ مہد چند روز مزید مہینہ میں رہے۔ اور پھر چلے گئے۔ نساء میں پہنچے تو وہاں کے صوفیا اور شائخ نے پوچھا کہ حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کے بیٹوں کا کیا حال تھا۔ فرمایا۔ منور کو منور پایا۔ (یہ بات میرے والد کے متعلق تھی)

میں نے یہ واقعہ تاج الاسلام ابوسعید بن محمد اسمعانی سے سنا تھا۔

## حج اور زیارت شیخ

جو آپ حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کے مزار کے دروازے کے سامنے ایک مجلس میں بیان فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ میں اپنے باپ کے ساتھ حج کو گیا۔ مناسک حج سے فارغ ہوئے۔ میرے باپ نے کہا۔ چلو شیخ عبدالمالک طبری کی زیارت کر آئیں۔ وہ دور حاضر کے بزرگان دین میں سے ہیں۔ اور صاحب کرامت بزرگ ہیں۔

ان بزرگوں کے بارے میں خواجہ ابوالفتوح غضامیری نے حکایت بیان کی ہے کہ میں نے صوفیاء میں سے ایک آدمی سے سنا تھا کہ ایک دن میں مسجد حرام کے سامنے شیخ ابوالفتوح طبری کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے مسجد سے ایک شخص آتا دکھائی دیا مگر اس کی شکل و صورت عام آدمیوں کی طرح نہیں تھی۔ شیخ عبدالمالک کو کہنے لگا لَا أَفْضَا انْمِرَانِي مَسَآرًا شیخ عبدالمالک نے کہا۔ ہاں۔ وہ شخص چلا گیا۔ ایک درویش وہاں موجود تھا۔ کہنے لگا حضرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مجھے یہ بتائیں کہ یہ کون شخص تھا۔ اور اس نے کیا کہا۔ شیخ عبدالمالک نے کہا۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ فرمایا۔ کل آنا۔ ہم مدینہ چلیں گے انہوں نے کہا میں آؤں گا۔ اس قسم کی کرامات آپ سے بہت منسوب ہیں۔

تاج الاسلام نے کہا۔ ہم شیخ عبدالمالک طبری کی تلاش میں مکہ مکرمہ آئے۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ نماز ادا کر کے مسجد عائشہ میں چلے گئے ہیں۔ وہاں سے عمرہ کریں گے۔ میقات میں پتھر اور نو کدہ رنگریزے پڑے



تھے۔ وہ انہیں ہموار کر دیئے تھے۔ تاکہ حاجیوں کو راستہ گزرنے میں تکلیف نہ ہونے پائے۔ ہم وہاں پہنچے  
دُور سے دیکھا کہ آپ نے گودڑی پہنی ہوئی ہے۔ مگر باندھی ہوئی۔ اور ایک پتھر پر بیٹھے ایک پتھر سانے  
رکھے ہوئے ہیں اور ایک تھوڑے سے توڑے ہیں جب سارا پتھر توڑ دیا۔ ہماری طرف منہ کر کے  
دیکھنے لگے میرے والد نے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا  
میرے نزدیک آ جاؤ۔ ہم آگے آئے میرے والد نے خود ہی کہا۔ ہم خراسان کے شہر مرو سے آئے  
ہیں۔ میں مظفر سمعانی کا بیٹا ہوں۔ فرمانے لگے میں جانتا ہوں۔ فرمانے لگے۔ حج کرنے آئے ہو۔  
میرے والد نے کہا۔ ہاں۔ فرمانے لگے مینہ میں نہیں گئے۔ کہا۔ گیا ہوں۔ فرمایا۔ حضرت شیخ ابو سعید  
ابوالخیر سے ملے ہو؟ میرے والد نے کہا ملا ہوں۔ فرمانے لگے۔ پھر یہاں کیا لینے آئے ہو۔ اتنا لمبا  
سفر کر کے کیوں آئے ہو۔ یہ کہہ کر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ ہم نے سلام کیا۔ اور واپس آگئے  
تاج الاسلام فرماتے ہیں کہ اس دن سے لے کر آج تک میں نے اپنا فرض بنا لیا ہے۔ کہ ہر سال جب  
لوگ حج کو روانہ ہوں میں حضرت خواجہ ابو سعید کی زیارت کو جایا کروں گا۔

میں نے یہی واقعہ ایک اور واسطے سے سنا ہے۔ ناصر الدین ابو محمد سے جو میرے چچا زاد بھائی  
تھے سنا تھا۔ کہ میں مینہ کے گورنر کے ساتھ سرخس گیا۔ وہ فرمانے لگے۔ آؤ! خواجہ امام بخاری قدس سرہ  
کی زیارت کو آئیں۔ وہ امام وقت تھے انہیں امیر اجل نے بخارا سے اپنے مدرسہ میں تدریس علوم  
اسلامیہ کے لئے سرخس میں بلایا تھا۔ ہم اندر آئے۔ تو انہوں نے میرا تعارف کراتے ہوئے بتایا  
کہ یہ شیخ ابو سعید ابوالخیر کے بیٹے ہیں۔ وہ اٹھے مجھ سے دوبارہ بغل گیر ہوئے۔ مزید عزت افزائی  
کی۔ اور فرمایا۔ جوانی کے زمانہ میں مجھے مرو جانے کا اتفاق ہوا۔ اور حضرت خواجہ امام محمد سمعانی  
کی خدمت میں حاضر ہوا اور علوم فقہ پڑھنے شروع کئے۔ آپ ایک بار کعبۃ اللہ کے سفر کو  
روانہ ہوئے مجھے ایک اور عالم دین کے حوالے کیا۔ واپسی پر انہوں نے اپنی عدم موجودگی میں  
پڑھی ہوئی کتابیں سنی۔ ایک دن میں آپ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ مرو کے دو بزرگ آپ  
کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ سے باتیں کر رہے تھے۔ اور فرمایا میں مکہ مکرمہ میں عبد الملک



طبری رحمۃ اللہ علیہ کو ملا تو انہوں نے مندرجہ بالا واقعہ سنایا تھا۔

حکیم محمد الایوبوردی قدس سرہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک ایسا مرد کامل تھا۔ جو اکثر زہد و ریاضت میں مشغول رہتا۔ اس نے بتایا۔ میں لگاتار سارا سال عبادت کرتا رہا۔ میں اکثر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کیا کرتا تھا۔ کہ اے اللہ مجھے کوئی ایسا نیک کام کرنے کی توفیق دے کہ میں بھی حضرت شیخ ابوالخیر ابوسعید قدس سرہ کے مقام کو حاصل کر سکوں۔ سارا سال ایسے ہی گذرا۔ دعائیں کرتا رہا۔ عبادت کرتا رہا۔ ایک رات سویا ہوا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ ہاتف نے آواز دی کہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے ایک حدیث پر عمل کیا تھا۔ پھر اس مقام پر پہنچے تھے۔ میں خواب سے بیدار ہوا۔ تو پورا ایک سال مزید عبادت و ریاضت میں صرف کر رہے۔ نا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے تضرع دزاری سے التجا کرتا رہا۔ یا اللہ مجھے وہ حدیث دیکھا جس پر حضرت شیخ عمل کر کے اس درجہ مقام کو پہنچے۔ پورا ایک سال گذرا تھا۔ کہ مجھے پھر خواب آیا ہاتف نے کہا۔ حضرت شیخ نے خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو زندگی بھرا پنا یا۔

صَلُّ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْطَاكَ مِنْ حَرَمِكَ وَاعْفَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ

ترجمہ :- جو تم سے قطع تعلق کرے۔ اس سے ملو۔ جو تمہیں محروم کرے اسے کچھ دو۔ جو

تم پر ظلم اور زیادتی کرے۔ اسے معاف کر دو۔

میں اٹھا۔ اور جان لیا کہ حضرت شیخ ابوسعید کے مرتبہ کو پہنچنا میرا کام نہیں ہے مجھے دو سال ریاضت کرنے کے بعد صرف یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ فلاں حدیث پر عمل کرتے تھے۔ مگر جن اور حدیث پر وہ عمل کرتے تھے۔ میں کہہ سکتا ہوں۔

ابوالفتح محمد علی بن علی الحداد نے بیان کیا تھا۔ کہ میرے والد کئی

بانیوں پر رحمۃ اللہ علیہ :- سال حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر کی خدمت میں رہے۔ وفات

کے وقت وہ موجود نہ تھے جب واپس آئے۔ تو گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ مگر ہر سال دو بار حضرت

کے مزار کی زیارت کو جاتے ہیں حضرت شیخ کے بیٹوں کے لئے اپنے والد کے ہاتھ کچھ نہ کچھ یہ بھیج



دیا کرتا تھا تاکہ مجھے بھی حضرت شیخ سے قربت نصیب ہو۔ میرے والد ہر بار جاتے۔ اور حضرت کی زندگی کے واقعات سنانے۔ ان کے چہرہ انور۔ مرنے مبارک کی تعریفیں فرماتے۔ میرے والد کا انتقال ہوا۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ اب میں حضرت شیخ ابو سعید ابو الحیجر قدس سرہ کے مزار کی زیارت کروں۔ میں مینہ کے نزدیک پہنچا تو رُک گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ شام کے بعد شہر میں داخل ہوں! بندھرا ہوا تو میں شہر میں داخل ہوا۔ غسل کیا۔ رات کو مزار مبارک پر گیا۔ دو گانہ پڑھا۔ مراقبے میں بیٹھا رہا۔ اسی حالت میں مجھے نیند آگئی۔ میں نے خواب میں حضرت شیخ کو اسی شکل و صورت میں دیکھا جس طرح میرے والد بیان کیا کرتے تھے۔ فرمانے لگے۔ میرے بیٹوں کے پاس رہنے کی بجائے سرخس میں بانوفلہ کے پاس چلے جاؤ۔ اور اس کی تربیت میں راہ سلوک حاصل کرو۔ میں بیدار ہوا۔ رخت سفر کیا اور سرخس کو روانہ ہو گیا۔ بانوفلہ کی خدمت میں جا پہنچا۔ یہ بزرگ حضرت شیخ کے عقیدت مند درویشوں میں سے تھے۔ آپ نے دفات کے وقت بانوفلہ کو حکم دیا تھا۔ کہ سرخس میں ابو الفضل حسن رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر چلے جائیں۔ وہ وہاں چلے گئے۔ وہاں انہوں نے روحانی تربیت کا کام شروع کیا۔ ہزاروں لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ مخلوق خدا کو آپ سے نورانی تعلیمات حاصل ہوئیں۔ اب آپ کی خانقاہ کو خانقاہ بانوفلہ کہتے ہیں۔ میں بھی آپ کی خدمت میں رہ کر بڑی روشنی حاصل کی۔

آپ کی دفات کے بعد مجھے امام ابو القاسم قشیری قدس سرہ کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا۔ آپ نے مجھے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ میں نے بتایا۔ کہ مجھے حضرت شیخ قدس سرہ کے مزار پر خواب آیا تھا۔ تو میں بانوفلہ کی خانقاہ میں آ گیا۔ آپ بڑے روئے۔ فرمانے لگے۔ مجھے بانوفلہ کے ساتھ بڑا حادثہ پیش آیا تھا میں سرخس میں ایک مہم پر نکلا۔ جب میں سرخس میں پہنچا تو وہاں کے علماء مشائخ اور بزرگان دین میرے استقبال کو آگے بڑھے۔ مگر بانوفلہ نہ آئے۔ مجھے امید تھی کہ وہ بھی میرے سلام کے لئے آئیں گے۔ مگر وہ نہ آئے۔ میں ان کی اس سرکشی سے آزرده خاطر تھا۔ رات کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھے فرمایا۔ بانوفلہ دروازے کے پیچھے کھڑے ہیں۔ تم یہاں بیٹھے ہو تمہیں چاہیے کہ انہیں سلام کرنے جاؤ۔



میں خواب سے بیدار ہوا۔ صبح ہوتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق بانو فلفہ کی

زیارت کو حاضر ہوا۔

میں نے حضرت خواجہ امام ظہیر الدین اسعد قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا۔  
**برکاتِ نگاہِ شیخ** (آپ حضرت امام اتاد ابوالقاسم منیر تھے) کہ وہ ایک عرصہ تک نیشاپور  
 کے صوفیاء کی خدمت کرتے رہے۔ اس طرح ان پر سات سو نیشاپوری دینار قرضہ ہو گیا۔ میں نے بادشاہ  
 کے لشکر گاہ جانے کا ارادہ کیا۔ ان دنوں لشکر شاہی مرو میں خیمہ زن تھا۔ میں مینہ میں پہنچا تو  
 حضرت شیخ کے بیٹوں نے مجھے چند دنوں کے لئے روک لیا۔ بڑی خاطر و مدارات کی چند دنوں بعد میں  
 نے تیاری کی تاکہ مرو کی طرف روانہ ہوں۔ سامان سفر تیار کیا۔ اور حضرت کے مزار کی زیارت کو نکلا۔ میری  
 نگاہیں حضرت شیخ کی قبر پر پڑیں تو میرا سر جھک گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے یوں معلوم ہوا کہ گویا تمام جہاں  
 میری آنکھوں کے سامنے سے اٹھ گئے ہیں۔ میں نے حضرت شیخ کو اپنے سامنے کھڑے دیکھا۔ آپ فرما  
 رہے تھے۔ تم جو کچھ کہہ رہے ہو تمہارے باپ نے کیا ہے یا تمہارے دادا نے کیا ہے؟ جاؤ آرام کرو  
 گھر بیٹھو۔ تمہارا مقصد یہاں ہی حاصل ہو جائے گا۔

میں باہر آ گیا۔ دوستوں کو کہا۔ سواری کا گھوڑا واپس کر دو۔ سازد سامان لوٹا دو۔ میں نیشاپور  
 آیا۔ اور خانقاہ میں آ بیٹھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کئے۔ کہ اسی مہینے میں سات سو دینار  
 نیشاپوری قرضہ برباق ہو گیا۔ اس سال اتنی فتوحات اور نذرانے آئے۔ کہ خانقاہ کے تمام افراد  
 پورے ہو گئے مجھے کسی سال بھی اتنی آسودگی اور فراخی نہ آئی تھی۔ جس قدر اس سال آئی۔ یہ سب  
 کچھ حضرت شیخ کی برکت اور دعا کا نتیجہ تھا۔

خواجہ امام ابوالمعالی قشیری قدس سرہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوسعید  
**متکبر کو سزا :-** ابوالخیر قدس سرہ کی وفات کے چند سال بعد حضرت کی خانقاہ واقع نیشاپور  
 میں ایک دعوت تھی۔ میں بھی اپنے والد اور دونوں چچوں امام ابونصر۔ امام ابوسعید کے ساتھ دعوت  
 میں موجود تھا۔ اس دعوت میں شہر کے تمام اکابر۔ ائمہ۔ اور صوفیاء موجود تھے۔ امام الحرمین ابوالمعالی



قدس سرہ کے بیٹے فخر الاسلام ابوالقاسم بھی اسی محفل میں تھے۔ یہ نوجواں عالم دین بڑا متکبر اور خود سر تھا۔ میرے والد کے ساتھ بڑی باتیں کرتا تھا۔ میرے والد نے کہا۔ زیادہ باتیں نہ کرو۔ کہیں صوفیہ ہمیں باہر نہ نکال دیں۔ کہنے لگا۔ میں تو صوفیوں کی مونچھوں پر اس وقت تک ہنستا رہوں گا جب تک یہ بائزید بظامی کے رتبہ کو نہ پہنچ جائیں۔ یہ بات کہہ کر پھر تیز تیز باتوں میں مشغول ہو گیا۔ اسی اثناء میں خانقاہ سے ایک بلی ادھر آئی۔ اور ایک ایک صوفی کو سونگھنے لگی۔ ہر ایک کو سونگھ کر آگے نکل جاتی۔ فخر الاسلام کے پاس پہنچی تو اسے سونگھا اور اس پر پیشاب کر کے بھاگ گئی۔ فخر اسلام نہایت شرمندہ ہوا اور سمجھ گیا کہ یہ سزا کس طرف سے آئی ہے۔ اٹھا۔ استغفار پڑھی۔ لوگوں نے خواجہ امام بوسعید قشیری کی طرف اشارہ کیا۔ کیونکہ آپ ہی تمام لوگوں میں سے بزرگ تھے۔ جب آپ کو بتایا گیا۔ کہ کیا ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ فخر الاسلام کو حضرت ابوسعید ابوالخیر سے معافی مانگنی چاہیے۔ یہ نہیں کی کرامت ہے اور انہی کی خانقاہ ہے۔ وہ وفات کے اتنے سال گزرنے کے باوجود بھی جلتے ہی کہ سارے مجھے میں کس نے حرکت کی ہے۔ اور کس طرح گو شمالی کی جایا کرتی ہے۔ تمام صوفیاء اس بات پر متفق تھے۔ فخر الاسلام نے نیشاپور سے ہی مینہ کی طرف منہ کر کے معافی مانگی۔ اس واقع سے تمام حاضرین پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ فرقتے پھاڑ دیئے۔ اور سرنگوں کر لئے۔

حضرت شیخ قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ کے بیٹے خواجہ  
**خواجہ ناصر قدس سرہ** :- ناصر رحمۃ اللہ علیہ مینہ میں بیمار ہو گئے۔ ایک عرصہ تک طوس میں ایک طبیب کے زیر علاج رہے چند دن وہاں ہی رہے۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو سفالتان کے قبرستان میں گئے تاکہ بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کریں۔ واپس آئے۔ رات خواب میں حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا۔ ناصر!

شک تبتی داری با عنبر تر      اے دورت بیویائے دیگر منگر

جب تم تبت کی کستوری اور عنبر خاص اپنے پاس رکھتے ہو۔ پھر دوسری خوشبوؤں کی تلاش میں

کیوں پھرتے رہتے ہو۔



خواجہ ناصر بیدار ہوئے۔ اسی وقت مینہہ کو روانہ ہوئے۔ گھر پہنچے تو ایک ماہ کے بعد فوت ہو گئے۔

امام ابو بکر محمد بن احمد ابو اعظم السمرنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواجہ آواز دوستؒ احمد صوفی قدس سرہ سے سنا تھا۔ کہ حضرت شیخ قدس سرہ کی خانقاہ کے ایک درویش نے حضرت کو بعد از وصال خواب میں دیکھا۔ اور عرض کی حضرت دینا میں آپ سماع سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ اب آپ کیا کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا!

از لہنائے موسلی وطن ارغنون - آواز آں نگار مرانے نیاز کرد

بانسری کی خوش آوازی ارغنون کی دلنوازی اگرچہ بڑی اچھی چیزیں ہیں۔ مگر میرے محبوب کی دلنواز آواز نے ان سے سب سے بے نیاز کر دیا ہے۔

یہ بات سنتے ہی شیخ نے نعرہ مارا۔ نیند سے اٹھا۔ اور ایک خاص حالت طاری رہی ہوش آیا۔ تو اس نے خواب کا واقعہ بیان کیا۔

جس وقت خطار کے تاتاری کافروں نے سلطان بخر خوارزم شاہ کا گھوڑا رک گیا۔ کو سمرقند میں شکست دی اور قتل کر دیا تو یہ

دنیا نے اسلام کا ایک عظیم حادثہ تھا۔ ان دنوں خوارزم شاہ آتینر میں آیا۔ جب وہ باورد پہنچا تو وہاں سے خادراں کا ارادہ کیا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ خادراں کو تہس نہس کر دے مینہہ سے ایک میل کے فاصلہ پر موضع رباط سر بالا میں پہنچا تو اس کا گھوڑا رک گیا۔ اس کے قدم جم گئے بادشاہ نے بڑے چابک بارے لیکن وہ ایک قدم آگے نہ بڑھا۔ سائیں کو بلایا۔ اس نے پورا زور لگایا۔ مگر گھوڑا ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا۔ بادشاہ کا وزیر بھی ساتھ ہی تھا۔ خواجہ عراق الصابندی نے کہا حضور اس موضع کو تبرک اور محترم جگہ جانا جاتا ہے اس علاقہ میں ایسے بزرگ کی قبر ہے جو کیتے عالم ہوا ہے آپ نے دل میں جو ارادہ کیا ہے اسے بدل دیں۔ اس نے کہا۔ تم نے سچ کہا ہے یہ کہہ کر گھوڑے کی طرف بڑھا۔ گھوڑا فوراً چل پڑا



اس واقعہ کے بعد خوارزم شاہ کی عقیدت میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور وہ حضرت شیخ کے تعریف اور کمالات کا قائل ہو گیا۔ اس نے اپنے خاص آدمی کو مینہ بھیجا۔ اور اسے یہاں کا کو تو ال مقرر کر دیا اور فرمایا کہ اس علاقہ کے لوگوں کو یقین دلا دیں۔ کہ ہم نے جو ارادہ کیا تھا۔ اسے تبدیل کر دیا ہے۔ اب یاد رکھو۔ ان لوگوں کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ کیونکہ یہ علاقہ ہمارا اپنا خطہ خاص ہے۔ پھر سلطان نے تین دن تک مینہ میں قیام کیا۔ حضرت شیخ کے بیٹے اور صوفیاء باہر نکل آئے۔ بڑے اعزاز و اکرام سے وار کھے گئے۔

جمال الدین بو روح جو راقم موتف کے عم زاد بھائی تھے بڑے علوم و فنون میں ماہر تھے۔ ان کی دعا اکثر قبول ہوتی تھی۔ وہ حضرت شیخ کے حالات کرامات اور ریاضات پر تفصیل سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، کے علاوہ تمام لوگوں کو واپس کر دیا صرف جمال الدین کو اپنے پاس رکھا۔ نماز عشاء کے بعد پھر عبادت میں مشغول ہو گئے اور حضرت شیخ کے مزار کی زیارت کی۔ جمال الدین کو پھر بلایا۔ اور کہا علی الصبح میرے پاس آنا۔ اور ان تین دنوں میں ہر روز میرے پاس آتے رہنا جب شکر گاہ میں واپس آئے تو لوگوں کو آرام آیا۔ اسی اثنا میں مغرب کی طرف سے آگ کی سی سرخی نمودار ہونے لگی۔ لمحہ بہ لمحہ یہ سرخی زیادہ ہوتی گئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ سارا آسمان آتش فشاں ہو گیا ہے موضع مینہ کے ارد گرد سرخی ہی سرخی دکھائی دیتی تھی۔ اس صورت حال سے تمام شکر بھی متفکر تھا۔ خواہ شاہ بیدار ہوئے۔ صورت حال کو دیکھا۔ شکر میں بد دلی پائی۔ وہاں سے لشکر لے کر روانہ ہوا۔ اور کہا حضرت شیخ نے شکر پر آگ برسا دی ہے۔ مینہ کے لوگ شکر گاہ میں گئے۔ تو تمام لشکر روانہ ہو چکا تھا۔ دوسری صبح ہوئی۔ شکر کے تمام چار پائے بولیشی اور گھوڑے۔ روانہ ہو چکے تھے۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ کہ یہ سارا شکر کدھر گیا۔ کہ کسی کو خبر تک نہیں ہوئی۔ اور کسی نے حرکت تک نہیں کی۔ مینہ کے لوگوں نے پرچھا۔ کہ آخر یہ آگ کیسی تھی؛ معلوم ہوا۔ کہ بزرگوں کی ایک جماعت نے مینہ کے نزدیک پہاڑ پر غلہ بویا تھا۔ ان دنوں انہوں نے خرردارے جمع کئے تھے۔ اور بھوسے کے ڈھیرے لگا دیئے تھے رات گئے آگ بھڑک اٹھی۔ بڑھتے بڑھتے جنگل اور صحرا میں پھیل گئی۔ ہوا کی تیزی نے اسے ساری



وادی میں پھیلا دیا۔ اور جلائی گئی۔ آگ کے شعلے آسمان تک باقیں کرنے لگے۔

یہ بھی ہمارے شیخ قدس سرہ کی ایک کرامت تھی۔ کہ اس نے خوارزم کے حملے کو رد کر دیا اور اس آگ کے دوران کسی مقامی آدمی کا نقصان نہ ہوا۔ نہ فصلیں تباہ ہوئیں۔ اور نہ ہی غلے کے خروارے لوٹے گئے۔

ادعہ الطائفہ محمد بن عبدالسلام راقم (مؤلف کتاب) کے جد امجد کے غلام زادہ تھے۔ غزوں کے حملہ کے وقت حضرت شیخ کی اولاد کے بہت سے افراد شہید ہو گئے۔ مینہہ میں حضرت کی اولاد میں سے ایک سو پندرہ آدمی تہ تیغ کر دیئے گئے۔ اُس کے بعد مختلف بیماریوں نے لوگوں کو لقمہ اجل بنا لیا۔ پھر قحط اور دوسرے حوادث آتے رہے۔ ان حالات میں مینہہ خالی ہو گیا۔ لوگ ادھر ادھر چلے گئے۔ سال بھر میں کبھی دو تین درویش آجاتے۔ اور مینہہ کے قریب ایک قلعے کے کھنڈرات میں قیام کرتے۔ قلعہ سے حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کے مزار تک خاص فاصلہ تھا۔ محمد عبدالسلام اسی زمانے میں حضرت شیخ کے مزار پر مجاور رہے۔ وہ معذور تھے۔ ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی۔ ادھر ادھر جانا دشوار تھا۔ غزوں کے حملے کے وقت انہیں ایسی کوئی سواری نہ مل سکی جس پر بیٹھ کر کہیں نکل جاتے۔ حالانکہ دوسرے لوگ بال بچوں کو لے کر جدھر سرسما یا چل پڑے تھے۔ وہ مجبوری کی بنا پر یہاں ہی پڑا رہا۔ حضرت کے مزار کے دروازے کے سامنے پڑا رہا۔ اس کی طرح چند اور معذور انسان نابینے ضعیف بھی پڑے رہے۔

جب قصبہ کے تمام لوگ چلے گئے تو یہ چند معذور بے یار و مددگار رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی ریزی کے دروازے کھول دیئے خیرات اور انعامات وہاں پہنچنے لگے۔ فساد اور شرپند لوگ علاقہ خالی کر گئے۔ مختلف اطراف سے نذرانے آنے لگے۔ وہ خود بیاں کرتا ہے کہ اس قدر خوشحالی میں نے ساری عمر نہیں دیکھی تھی۔ جب کچھ کچھ لوگ واپس آئے تو قلعہ میں ٹھہر گئے۔ مگر وہ حسب سابق حضرت کے مزار پر پڑا رہتا۔ مگر کوئی درویش آتا۔ تو وہ اس کی بڑی خدمت کرتا۔ اور مستورات کو قلعہ تک پہنچاتا۔ مگر خود مزار پر انوار کے دروازے پر پڑا رہتا۔



راقم الحروف (مؤلف کتاب) ایک عرصہ کے بعد وہاں پہنچا تو اس سے دریافت کیا کہ اس عرصہ میں کوئی کرامت دیکھنے میں آئی ہو تو بیان کریں۔ اس نے بتایا۔ اتنے طویل عرصہ میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا۔ جب میں کوئی نہ کوئی کرامت نہ دیکھی ہو۔ یہ کرامتیں عدد و شمار سے باہر ہیں لیکن اس وقت میری صرف دو واقعات شانے پر اکتفا کرتا ہوں۔ یہ واقعات میں دل میں محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے واقعات میں نے کہیں نہیں دیکھے۔

ایک بار گرمیوں کا موسم تھا۔ گرمی کی شدت سے میں قلعہ قبر سے قرآن کی آواز :- میں نہیں جاسکتا تھا۔ اپنے بال بچے کو طے سے محروم رہا

ساری گرمیاں حضرت شیخ کے مزار کے دروازے کے سامنے گزار دیں۔ ایک رات سویا ہوا تھا یہ رات چاندنی تھی۔ چاند پوری تابانی سے چمک رہا تھا ہمیشہ کی طرح مزار کے تمام دروازے بند تھے۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص مینہ کے صحراؤں میں سے آیا۔ اور میرے نزدیک ہی سو گیا۔ آدھی رات گزری ہوگی۔ تو میری آنکھ کھلی۔ مزار کے اندر سے مجھے قرآن پاک پڑھنے کی آواز آئی۔ میں نے غور سے سنا تو کوئی انا فتحنا والی سورت تلاوت کر رہا تھا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ مزار کے دروازے پوری طرح مقفل تھے۔ کون یہ دروازہ۔۔۔ کھول کر مزار میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ میں اٹھا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ تمام کے تمام دروازے بند تھے۔ اس وقت چاند نصف آسمان پوری تابانی سے چمک رہا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا۔ کہ آواز حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بغیر اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ مجھ پر ایک رقت طاری ہو گئی میں ہر ممکن کوشش کرتا رہا۔ مگر میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ آخر کار میں نے پاس ہی سوئے ہوئے آدمی کو جگایا اور کہا اٹھو اور سنو۔ کہ اتنے برسوں بعد بھی حضرت کی تلاوت قرآن کی آواز کیسے سنائی دے رہی ہے وہ اٹھا تو آواز مدہم پڑ گئی۔ حتیٰ کہ بالکل خاموشی چھا گئی۔ نہ میں سن سکا۔ اور نہ وہ شخص!

میرا دستور تھا کہ سردیوں کے دنوں میں قلعہ سے آتا تو اپنا کھانا ساتھ لے آیا کرتا تھا۔ کیونکہ

مزار سے قلعہ تک خاصا فاصلہ تھا۔ اور مجھے اس فاصلہ کو دوبارہ طے کرنا مشکل تھا۔ ایک دن میں



نے کچھ نہ کھایا تھا۔ طبیعت خراب تھی۔ بخار ہونے لگا۔ دوسرے دن بھی کچھ نہ کھایا۔ مجھے شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے ایک روٹی کا ٹکڑا اور ایک انڈا لیا۔ اور مزار کے دروازے پر جا پہنچا میرا ارادہ تھا۔ کہ اسے کھا کر بھوک کی شدت کم کر لوں گا۔ مزار کے دروازے پر ایک گدڑی پوش فقیر کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ مراقبہ میں گردن جھکائے تھا۔ اس کے پاس ہی ایک عصا اور لوٹا پڑا ہوا تھا۔ میری نگاہیں پڑھیں تو مجھے ایک آدمی کا احساس ہوا تو مجھے، یک گونا طینان ہوا۔ میں نے آہستہ دروازہ کھولا۔ اس نے دروازے کی آواز سنی تو سر اٹھایا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ وہ اٹھا۔ اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ ہم دونوں بیٹھ گئے۔ میں نے حال احوال دریافت کیا۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ کل شام سے یہاں ہی ہے۔ اور کسی نے اس کی خاطر مدارات نہیں کی تھی۔ اس کے پاس کھانے کے لئے بھی کچھ نہ تھا۔ ساری رات جاگتا رہا تھا۔ میں نے روٹی اور انڈے سامنے رکھا یہ میرا ایتار تھا۔ پھر بھی میں نے ہم نوالگی کے طور پر اس کے ساتھ ایک دو لقمے لئے۔ میں نے اس کی بڑی خدمت کی وہ اٹھا۔ وضو کیا۔ دو نفل ادا کئے۔ اور تیار ہو کر مجھے الوداع کہہ کر چلا گیا۔ اس دن بھی بھوکا رہا۔ مگر اس درویش کی موجودگی کی برکت سے مجھے بھوک کا احساس نہ رہا۔ نماز شام کو گھر گیا۔ تو گھر میں ایسی چیز پکی ہوئی تھی۔ جسے کھانے کو میرا دل نہ چاہا۔ میں نہ کھا سکا۔ گھر والوں نے سمجھا میں نے کچھ کھایا ہے۔ اس لئے کچھ نہیں کھا رہا۔ اس رات بھی مجھے بھوکا سونا پڑا۔ دوسرے دن علی الصبح نماز صبح ادا کرنے کے بعد مزار شریف پر آ گیا دروازہ کھولا۔ اور مزار کے اندر گیا مزار کے باہر جوتے اتارنے کی جگہ پر مجھے ایک نیلگوں کوزہ پڑا دکھائی دیا۔ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ دو سفید روٹیاں گرم گرم ساتھ ہی پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے انہیں اٹھانا چاہا تو نہایت گرم تھیں میں نے اٹھا تو لیں مگر میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں نے محسوس کیا۔ کہ حضرت شیخ نے میری بھوک دیکھ کر یہ دونوں چیزیں عطاء کی ہیں یہ حضرت کی کرامت تھی۔ ورنہ یہاں گرم روٹیوں کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں بیٹھ گیا۔ روٹی کھانے لگا۔ میں نے عمر بھرا اتنا لذیذ کھانا آج نہیں کھایا تھا اور اس پانی سے زیادہ خوش کن پانی نہیں پایا تھا۔



یہ حضرت کی کرامت تھی۔ میں دو روز کا بھوکا تھا۔ یہ کھانا کھا لینے کے بعد تازہ روٹی :- میں تین دن تک سیر رہا۔ شام کے وقت گھر قلعہ میں آیا۔ لوگ جمع ہو کر میرے

پاس آئے۔ رات کی بات میں چھپا نہ سکا۔ میں نے کوشش کی کہ رات کی بات کسی کو نہ سناؤں مگر میرے اندر ایک دلولہ تھا۔ میں نے کہا۔ لوگو! تمہیں احساس تک نہیں کہ تمہارے پاس یہ مزار کتنا بڑا خزانہ ہے۔ صاحب مزار کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے۔ آج تم پر ساری مصیبتیں اور پریشانیاں اس بے عننائی کا نتیجہ ہیں۔ میں یہ واقعہ سنا رہا تھا۔ کہ تمام حاضرین رو رہے تھے۔ لیکن اس دن سے میں نے دل میں محسوس کیا کہ یہ میری غلطی تھی۔ اگر میں حضرت کی اس کرامت کو نہ بتاتا۔ تو شاید کئی قسم کے انعامات سے نوازا جاتا۔ میں بڑا ایشیاں تھا۔ کہ میں نے مخصوص مہربانی کو آشکارا کر دیا۔ بایں ہمہ مجھ پر بے پناہ کرامات کا اظہار ہوا جسے میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ فرمایا کرتے تھے۔ مبارک ہے وہ شخص جس نے ہمیں دیکھا مبارک ہے وہ شخص جس نے اسے دیکھا جس نے ہمیں دیکھا۔ اس طرح آپ نے سات آدمیوں تک کو گنا اور انہیں مبارک کہا۔

حضرت شیخ قدس سرہ کی وہ کرامات جو آپ کی ظاہری زندگی کے اختتام کے بعد دیکھنے میں آئیں۔ بیان و تحریر سے کہیں زیادہ ہیں۔ چنانچہ ہمارے خالو کے بیٹے ابوالفوج بن المفضل اور میرے بھتیجے المنور بن ابی سعید بیان کرتے ہیں کہ خزدوں کی بغاوت اور شورش کے زمانے میں مینہہ تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ قصبہ میں کوئی شخص نہ ٹھہر سکا۔ مینہہ کے چند لوگ پنج بچا کہ قلعہ میں پناہ گیر ہوئے۔ وہ کبھی کبھی قصبہ میں آتے اور ایندھن کے لئے توت کی لکڑیاں کاٹ کر لے جاتے اور اپنے اپنے گھروں کے سامنے جمع کر لیتے۔ ہم دونوں اپنے شاگردوں کو لے کر محلہ صوفیاں میں آئے۔ اور مزار کے پاس ہی ایک درخت کو کاٹنے لگے۔ یہ دن بہت گرم تھا۔ ہمارے بغیر وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ ہم عام لڑکوں کی طرح ادھر ادھر تزار میں کر رہے تھے۔ شاگرد کلہاڑا لئے درختوں کو کاٹ رہے تھے۔ ہمارا شور سارے محلے میں گونج رہا تھا۔ مزار پر انوار سے آواز آئی۔ تم کیا کر رہے ہو؟ ہم نے مڑ کر دیکھا تو



ایک بوڑھا آدمی مزار کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ ہمارے شیخ کی طرح سرخ و سفید رنگ اسی طرح کا لباس فرمایا۔ فرمایا۔ کیا ابھی تم پر وقت نہیں آیا۔ کہ اس بے ادبی سے باز آؤ۔ ہماری نگاہیں اس شخص پر پڑیں تو ہم رونے لگے۔ تمام ہتھیار وہاں ہی ڈالے نماز عصر کے بعد ایک شخص وہاں آیا کلہاڑیاں۔ اور پٹے اٹھا کر لے آیا۔ اُس دن کے بعد ہم نے اس جگہ کبھی شور نہ مچایا۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جنہیں بیان کیا جائے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہوگی۔ یہ ساری کرامات حضرت شیخ کے بحر کرامات سے ایک قطرہ ہیں۔

خاجہ امام ابوالحسن مالکی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے چند مشائخ سے سنا تھا کہ حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ کی کرامات اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر ہم صرف ان حالات کو بیان کریں جو آپ نے مخلوق خدا پر احسانات کئے ہیں۔ تو ایک مدت درکار ہے۔ حضرت ابوسعید فرمایا کرتے تھے اللہ کی درگاہ میں صاحب کرامات بزرگوں کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ دراصل جاسوس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ ایک جاسوس بادشاہ کے دربار میں کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ صاحب اشرف و کرامات کو دلالت میں بڑے خطرات کا سامنا ہوتا ہے۔ انہیں صرف اتنا ہی مقام حاصل ہوتا ہے جس طرح ایک دینار کے مقابلہ میں ایک پیسہ اتم کوشش کرو۔ کہ صاحب دلالت بنو۔ مگر صاحب کرامت ہونے کی کوشش نہ کرو۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت شیخ قدس سرہ کے ہاں کرامات کی کوئی قدر نہیں تھی۔ حضرت شیخ کا مقام خلق خدا کی خدمت میں ہی تھا۔ وہ اسی کام کو عظیم کام جانتے تھے۔ خدمت خلق سے بڑھ کر ان کے ہاں کوئی مقام کوئی کرامت نہیں تھی۔

## حاشیہ کتاب

یہ دعا گو (مؤلف کتاب) دلی طور پر چاہتا ہے کہ وہ قارئین کرام جو ان اوراق کا مطالعہ کریں اتنا کرم فرمائیں کہ جب انہیں حضرت شیخ قدس سرہ کے حالات و مقالات پر واقفیت حاصل ہو جائے۔ اور ان پر رقت یا لذت کی کیفیت طاری ہو۔ تو میرے لئے دعا خیر فرمائیں۔ اگر کسی شخص



کو ان مبارک باتوں یا مفید واقعات سے ہدایت نصیب ہو۔ یا سالک راہ طریقت کو طریقت و حقیقت کا کوئی نکتہ حاصل ہو۔ تو راقم الحروف کے حق میں دعا کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ خلوت و جلوت میں جب بھی اس مسکین کی یاد آئے تو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔!

اللہ تعالیٰ ہمیں اس بادشاہ دین۔ سلطان اہل یقین۔ پیشوائے اہل طریقت اور مقتدائے اہل حقیقت کی انفاس و برکات سے کسی حالت میں بھی علیحدہ نہ فرمائے۔ ہمیں دنیا و آخرت میں حضرت کے غلاموں اور نیاز مندوں میں رکھے۔ ہم قیامت میں میدان حشر میں بھی آپ کی خدمت میں مستعد رہیں۔ بزرگان دین نے کہا ہے کہ کمترین کا جواب بہترین ہی دیا کرتے ہیں۔ حضرت ہی ہمارے گناہوں کے شفیع اور وسیلہ نہیں ہمارے دل آپ کی محبت سے برنبر رہیں اور ہمارے جسم آپ کے غلاموں کی خدمات میں وقف رہیں۔ ہم زندگی کا ایک لمحہ بھی خدمت خلق سے محروم نہ رہیں۔ دین و دنیا اور آخرت کے تمام امور یا آپ کی محبت۔ دوستی۔ اور خدمت خلق کے تمام مدارج کو ہمارے لئے اکرام فرمائے۔ بحق محمد و آلہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین و تصلوٰ علی رسولہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ط



